وَلَن تَرضٰی عَنکَ الیَهُودُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُم (البقرۃ آیت)

اور تم سے نہ تو یہود کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرلو

یہود کی
چالیس بیماریاں

مولانا محمد مسعود اظہر

مکتبہ حسن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ
اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں (سورۃ مائدہ)

یہود کی چالیس بیماریاں

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرۃ)
اور تم سے نہ تو یہود کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لو۔

از قلم
حضرت مولانا محمد مسعود اظہر

ناشر
مکتبہ حسن

بسم الله الرحمن الرحيم

"یہود کی چالیس بیماریاں"

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	تعارف	۱
۲	دو باتیں	۵
۳	پہلی بات	۵
۴	دوسری بات	۶
۵	مقدمہ	۸
۶	پہلا باب	۱۶
۷	یہودیت کے خلاف جدوجہد اور یہود کے خلاف جہاد	۱۶
۸	تنبیہ	۲۹
۹	دوسرا باب	۳۷
۱۰	یہود کی چالیس بیماریاں۔ مختصر جائزہ	۳۷
۱۱	یہود کی چالیس بیماریوں کی فہرست	۴۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۲	تیسرا باب	۴۱
۱۳	چالیس بیماریوں کا قدرے تفصیلی جائزہ	۴۱
۱۴	یہودیوں کی پہلی بیماری	۴۳
۱۵	اللہ اور اسکے رسولوں کی نافرمانی اور حدود سے تجاوز	۴۳
۱۶	اسلامی دعوت	۴۹
۱۷	اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت	۴۹
۱۸	اللہ تعالی کے فرمانبرداروں کیلئے چالیس انعامات	۶۲
۱۹	عبرت و موعظۃ	۶۷
۲۰	یہودیوں کی دوسری بیماری	۷۷
۲۱	بغیر ایمان اور عمل کے صرف نسبت پر فخر	۷۷
۲۲	اسلامی دعوت	۸۱
۲۳	ایک بہت ہی اہم نکتہ	۸۳
۲۴	عبرت و موعظۃ	۸۵
۲۵	یہودیوں کی تیسری بیماری	۸۹
۲۶	تفریق فی الایمان۔ بعض کو ماننا اور بعض کا انکار	۸۹
۲۷	اسلامی دعوت	۹۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۸	عبرت و موعظۃ	۹۷
۲۹	ایک نظر گریبان پر	۱۰۱
۳۰	آخری گذارش	۱۱۸
۳۱	**یہودیوں کی چوتھی بیماری**	۱۲۲
۳۲	**خواہشات نفس کو معبود بنانا**	۱۲۲
۳۳	اسلامی دعوت	۱۳۱
۳۴	نفس لوامہ کی چند علامات یہ ہیں	۱۳۸
۳۵	اصلاح نفس کے چند مفید نسخے	۱۵۳
۳۶	ایک اہم نکتہ	۱۵۴
۳۷	ایک قابل غور نکتہ	۱۶۳
۳۸	آخری بات	۱۶۹
۳۹	عبرت و موعظۃ	۱۷۱
۴۰	**یہودیوں کی پانچویں، چھٹی اور ساتویں بیماری**	۱۸۰
۴۱	**کتمان حق، تلبیس، تحریف اور دین فروشی**	۱۸۰
۴۲	یہودیوں کے کتمان حق کا ایک واقعہ	۱۸۹
۴۳	اسلامی دعوت	۲۰۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۴	عبرت و موعظۃ	۲۴۶
۴۵	**یہودیوں کی آٹھویں بیماری**	۲۶۸
۴۶	**بے صبری**	۲۶۸
۴۷	اسلامی دعوت	۲۷۶
۴۸	ایک عجیب نکتہ	۲۹۹
۴۹	عبرت و موعظۃ	۳۰۲
۵۰	ایک نظر گریبان پر	۳۰۴
۵۱	**یہودیوں کی نویں بیماری**	۳۰۷
۵۲	**جھوٹ اور گناہ کی عادی زبانیں**	۳۰۷
۵۳	اسلامی دعوت	۳۱۷
۵۴	صداقت یعنی سچ	۳۱۸
۵۵	نکتہ	۳۲۴
۵۶	جھوٹ	۳۳۴
۵۷	احادیث مبارکہ	۳۴۲
۵۸	عبرت و موعظۃ	۳۶۵
۵۹	ایک نظر گریبان پر	۳۶۷

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۷۷	یہودیوں کی دسویں بیماری	۶۰
۳۷۷	بخل اور ترغیب بخل	۶۱
۳۸۴	اسلامی دعوت	۶۲
۳۸۶	قرآن مجید اور بخل کی مذمت	۶۳
۳۹۶	احادیث مبارکہ	۶۴
۴۰۸	عبرت و موعظة	۶۵
۴۱۵	**چوتھا باب**	۶۶
۴۱۵	**قرآن مجید میں یہود کا تذکرہ**	۶۷
۴۱۷	**فہرست آیات**	۶۸

تقریظ

از قلم: ـــ مفتی ابولبابہ صاحب مدظلہ

یہود کی چالیس بیماریاں ـــ ایک مطالعہ

عروج وزوال کا قانون فطرت:

قرآن مجید میں بہت سی سابقہ اقوام کے حالات بیان کئے گئے ہیں تاکہ امت محمدیہ (علی صاحبها ازکی الصلاة واطیب التحیة) کو عروج وزوال کا قانون فطرت معلوم ہو سکے اور وہ ان سے عبرت لے کر تباہی اور ناکامی کی طرف جانے والی کھائی سے بچ کر ترقی اور کامیابی کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے۔ ان اقوام میں سے یہود کا ذکر خاص طور پر اور بار بار کیا گیا ہے۔ علمائے اسلام اور حضرات مفسرین نے اسکی بہت سی وجوہ بیان کی ہیں۔ حاصل ان کا یہ ہے کہ اس قوم کی ترقی اور تنزلی دونوں کا حال انتہائی عبرتناک اور سبق آموز ہے۔ اس کا عروج آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے اور اس کا زوال پستی اور نامرادی کا عبرتناک مرقع ہے۔ جب اس قوم کے بڑے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے تو ان پر باری تعالیٰ نے دنیوی واخروی انعامات کی باران رحمت برسائی، انہیں نبوت وبادشاہت جیسی اعلیٰ ترین روحانی ومادی نعمت عطا فرمائی اور اس وقت کی تمام اقوام عالم پر انہیں فوقیت دی، دوسری اقوام کو جو نعمتیں خال خال ملتی تھیں انہیں ایسے بھرپور طریقے سے ملیں کہ ان کی محبوبیت ومقبولیت دیکھ کر انسانیت کو رشک آتا ہے۔ لیکن جب ان کے پچھلوں نے ناشکری اور نافرمانی شروع کر دی اور اللہ کی پسندیدہ صفات کو چھوڑ کر روحانی گندگیوں میں لتھڑ گئے تو پستی کی کوئی حد ایسی نہ

تھی جس کو انہوں نے عبور نہ کر لیا ہو۔ دوسری اقوام میں کوئی خاص روحانی مرض پایا جاتا تھا جس کی بنا پر وہ اللہ کا غضب کا نشانہ بنے لیکن یہود میں وہ تمام کے تمام امراض اپنی بدترین صورت میں جڑ پکڑتے گئے جن میں سے کوئی ایک بھی اجتماعی طور پر کسی گروہ یا قوم میں پایا جائے تو اس کی ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ حتیٰ کہ ان سے وہ سنگین گناہ بھی سرزد ہوئے جن کی وجہ سے انہیں سور اور بندر بنا کر ذلت کی موت مارا گیا اور آخر کار "مغضوب علیہم" قرار دے کر ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلت اور خواری مسلط کر دی گئی۔ ان کا یہ انجام نہایت درجہ عبرتناک ہے۔

کبڑے کا احساس محرومی :

لیکن یہودیوں نے اپنے پچھلوں کے اس رسوا کن انجام سے کوئی سبق حاصل نہ کیا یہاں تک کہ ان کے قبیح اعمال اور اخلاقی عیوب ان میں اس درجہ راسخ ہو گئے کہ گویا ان کی فطرت ثانیہ بن گئے، اور چونکہ کبڑا دوسروں کو کبڑا دیکھ کر اپنے احساس محرومی کی تسکین کرتا ہے، اس لئے ان کی بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ساری انسانیت کو ان عیوب میں مبتلا کر کے اللہ کے غضب و لعنت اور جہنم کی آگ اور ذلت کا مستحق بنا دیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ان کی گندی عادتوں اور ناپسندیدہ خصلتوں کا بکثرت ذکر کر کے ان کی مذمت اور برے انجام کو بیان کرنے کے ساتھ یہودیوں جیسا چلن اپنانے سے تاکید کے ساتھ روکا گیا ہے اور حدیث شریف میں ان کی صحبت سے بچنے اور ارض اسلام، جزیرۃ العرب سے ان کو نکال دینے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ یہود کی یہ عادتیں اللہ تعالیٰ کو اتنی ناپسند اور اس کے غضب کا مستحق بنانے کی ایسی تاثیر رکھتی ہیں کہ جس قوم میں بھی پائی جائیں گی اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد بنا کر چھوڑیں گی۔ اس کے بالمقابل شریعت مطہرہ نے مسلمانوں کو ان اوصاف کے اپنانے کی تلقین کی ہے جو انسانیت کی معراج

ہیں، جن کے حاملین پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور وہ دنیا میں اس کی مدد و نصرت اور آخرت میں اس کی تیار کی ہوئی جنت اور مغفرت کے مستحق ہوتے ہیں۔

سراسر، اول تا آخر :

قرآن کریم میں یہودیوں کی مذمت جس طرح بیان کی گئی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے گندے اخلاق سے بچنے کے لئے جیسی نصیحتیں فرمائی ہیں اور سیرت کی کتابوں میں یہودیوں کی اسلام دشمنی اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچانے کے جو واقعات مذکور ہیں، ان کو پڑھ کر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مسلمان اس مردود، راندۂ درگاہ اور قابل نفرت قوم کی عادتوں سے کوسوں دور بھاگتے، مگر یہودیت سراپا فتنہ ہے۔ سراسر دجل ہے۔ اول تا آخر فریب ہے۔ اس نانجاز قوم نے اپنے ماہرانہ پروپیگنڈے سے فضا پیدا کر دی ہے کہ اور ساری دنیا کو تو چھوڑیئے کہ ان کے پلے تو کچھ ہے ہی نہیں، مسلمان تک جن کو وحی الٰہی اور سنت نبوی کی سچی تعلیمات اور صحابہ کرام و تابعین اور اولیاء اللہ جیسے قابل فخر اسلاف نصیب ہیں اور جنہیں یہودیوں کی نقالی اور ان جیسی خرابیوں سے خود کو آلودہ ہونے سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی تھی، وہ بھی ان پھٹکارے ہوئے یہودیوں کو مبغوض و ملعون سمجھ کر سنت نبوی اور سیرت صحابہ سے چمٹے رہنے کی بجائے ان کے طور طریقوں کو اچھا اور قابل تقلید جاننے لگے ہیں اور ان کے غلاظت بھرے عادات و اطوار اور نحوست سے اٹے ہوئے صورت و لباس کو اپنا کر اپنے پاک نبی اور قابل فخر اسلاف کے بابرکت طریقوں سے روگردانی کر رہے ہیں۔ ان حالات میں سخت ضرورت تھی کہ قرآن کریم اور صحیح احادیث شریفہ کی روشنی میں یہودیوں کی تاریخی ذلت اور رذالت کو اجاگر کر کے مسلمانوں بلکہ دیگر اقوام عالم کے سامنے بھی ان کی اخلاق باختگی اور سفلہ پن کو باور کرایا جائے تاکہ خلق خدا کے ذہن، ان کی مرعوبیت سے آزاد ہو کر اور ان کی

تہذیب پر دو حرف بھیج کر ان کے خلاف جدوجہد کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور ان قدسی نفوس حضرات کے اوصاف اپنے اندر پیدا کریں جو سچے مسیح موعود، سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی کمان میں یہودیوں کے دجال اعظم سے جہاد کر کے اسے اس کی پلید قوم سمیت نابود کریں گے۔

جدوجہد اور جہاد :

حضرت مولانا محمد مسعود اظہر صاحب دامت برکاتہم نے ...... اللہ ان کے علم و عمر میں خصوصی غیبی برکت عطا فرمائے، ان کے فیض کو چاردانگ عالم میں جاری و ساری کرے، اور امت کو ان کی قدر کرنے، ان کا حق و مرتبہ پہنچاننے اور ان سے فیض حاصل کرنے کی توفیق دے...... اس موضوع کو زیر نظر کتاب میں جامعیت، ٹھوس علمیت اور انوکھے اسلوب کے ساتھ سپرد قلم کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں تعارف، دو باتیں اور مقدمہ کے عنوان سے انہوں نے کتاب کی تالیف کا پس منظر، اس کی غرض وغایت، جیل کی کوٹھڑی میں لکھنے کا شغل جاری رکھنے اور پھر ان اوراق کو باہر پہنچانے میں آنے والی مشکلات اور کتاب کے مشمولات کو دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ قارئین اس کو پڑھ کر لطف لیں گے۔ بعد ازاں انہوں نے اصل مضامین کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب "یہودیت کے خلاف جدوجہد اور ان کے خلاف جہاد" کے بامعنی اور نکتہ آفریں عنوان سے ہے۔ اس میں مولانا نے یہودیت کی مختصر تاریخ، ان کے "احباء اللہ سے مغضوب علیہم" تک کے سفر کی روداد، ان کی یہ سفلی خواہش کہ ساری دنیا ان کے نظام معیشت اور ان کی گندی ثقافت کو اپنا لے نیز اس شیطانی غرض کی تکمیل کے لئے ان کی طرف سے کی جانے والی کوششوں کا ذکر کیا ہے اور مسلمانوں کو ان کے طور طریقے اپنانے سے نفرت دلا کر ان کے دھوکے اور پروپیگنڈے کے اثر سے نکلنے اور یہودیت کو اپنے آپ سے، اپنے گھروں سے اور اپنے نظام زندگی اور

معاشرے سے نکال پھینکنے کی ترغیب دی ہے۔ یہودیت کے خلاف جدوجہد سے مؤلف کی مراد اپنے نظام حیات، نظام حکومت، نظام معیشت اور اپنے ماحول و معاشرے کو یہودیت کے اثرات سے پاک کرنے کی محنت ہے۔ عنوان کے دوسرے جز "یہودیوں کے خلاف جہاد" سے ان کی مراد اس عظیم الشان معرکے کے لئے قتال فی سبیل اللہ کی تربیت اور تیاری ہے جو جلد یا بدیر ہمارے یا ہماری آنے والی نسل اور یہودیوں کے درمیان بپا ہوگا۔ اس میں انہوں نے قارئین کو یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہود نہ کوئی بہت زیادہ ذہین ہیں نہ بہادر۔ انہوں نے اپنے بارے میں ناقابل تسخیر ہونے کا جو تاثر مشہور کر رکھا ہے وہ جھوٹا پروپیگنڈہ اور مبنی بر فریب ہے۔ کتاب کا یہ حصہ مصنف کی وسعت نظر، کثرت مطالعہ، مشاہدے کی قوت اور ان کے دل و دماغ میں موجزن جذبہ جہاد کی عکاسی کرتا ہے۔

یہودیوں کے روحانی امراض :

دوسرے باب میں ان بیماریوں کا مختصر جائزہ اور فہرست دی گئی ہے جن کی بنا پر یہودی ذلت کی اس حد تک پہنچے جہاں بنی نوع انسان کا کوئی اور گروہ نہیں پہنچا۔ مصنف نے قرآن کریم کا مطالعہ کر کے ان روحانی امراض کی فہرست بنائی ہے جو یہود میں پائی جاتی تھیں اور جن کے ناپسند ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کریم میں جا بجا بیان کیا تا کہ ان کے محبوب نبی کی آخری امت ان عیوب سے اپنا دامن بچائے رکھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سایہ اس کے سر پر رہے۔ اس قسم کی چالیس بیماریاں مولانا نے گنوائی ہیں، اور ان کی اجمالی فہرست ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: "یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جب کوئی انسان بہت زیادہ بیمار ہو جاتا ہے اور اس کے اعصاب اور قویٰ میں اعتدال نہیں رہتا تو اس کی بے شمار بیماریاں آپس میں خلط ملط ہو جاتی ہیں۔ یہی حال یہود کا ہے کہ ان کی ہر بیماری کے اندر کئی بیماریاں گھسی ہوئی ہیں اور کئی بیماریاں ایسی خلط ہو چکی ہیں کہ ان میں سے ہر بیماری پر

دوسری بیماری کا اثر نظر آتا ہے۔اس لئے درج ذیل فہرست کے بارے میں یہ نہ سوچا جائے کہ یہ تو مختصر ہے اور یہ بھی خیال نہ کیا جائے کہ اس میں تو تکرار ہے''۔

تین عنوان :

تیسرے باب میں ان چالیس بیماریوں کا تفصیلی تذکرہ ہے جو اس کتاب کا اصل موضوع ہیں۔ مصنف نے کتاب کی پہلی جلد میں جس کا مسودہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، دس بیماریوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور حدود سے تجاوز۔

(۲) بغیر ایمان اور عمل کے صرف نسبت پر فخر۔

(۳) تفریق فی الایمان یعنی بعض احکامات کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا۔

(۴) خواہشات نفس کو اپنا معبود بنانا۔

(۵) کتمان حق یعنی حق کو چھپانا۔

(۶) تلبیس بین الحق والباطل، حق اور باطل کو خلط کرنا۔

(۷) دین میں تحریف اور دین فروشی۔

(۸) حرص اور بے صبری۔

(۹) جھوٹ، دھوکہ اور خیانت کی عادی زبانیں۔

(۱۰) بخل اور ترغیب بخل۔

ان کا طرز بیان یہ رہا ہے کہ پہلے انہوں نے قرآن مجید کی وہ آیات ذکر کی ہیں جن سے یہودیوں کی ان متعفن بیماریوں اور قابل نفرت گندی عادتوں کا پتہ چلتا ہے۔ پھر ''اسلامی دعوت'' کے عنوان سے ان اخلاق رذیلہ کے مقابلے میں وہ اوصاف حمیدہ اور عادات حسنہ ذکر کی ہیں جن کے اپنانے کی اسلام تلقین کرتا ہے۔اس باب میں گاہے گاہے

یہود کے بڑوں اور مسلمانوں کے اکابر کے درمیان موازنہ کیا گیا ہے۔ یہ حصہ بہت ہی دلچسپ، فکر انگیز اور خودی کا معمار ہے۔اس سے پڑھنے والے کو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کن قابل فخر اسلاف کا وارث اور کس گردوں کا ٹوٹا ہوا تارہ ہے۔اس سے اس کے دل و دماغ میں بے ساختہ یہودی تہذیب و ثقافت (جسے آج کل مغربی تہذیب کا نام دیا جاتا ہے) ترک کرنے اور صحابہ کرام جیسی مقدس اور لائق فخر زندگی اپنانے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ آخر میں تیسرا عنوان ''عبرت و موعظۃ'' کے نام سے ہے۔اس میں قاری کو اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ اپنے عقائد و نظریات، معمولات زندگی، اپنے ماحول اور گرد و پیش کا جائزہ لے کر ٹٹولے کہ کہیں ان میں یہودی امراض کے جراثیم تو نہیں پائے جاتے اور پھر کتاب و سنت کے نسخۂ شفاء سے عرق حیات کشید کر کے اپنے عقیدہ، سوچ و فکر اور نیت و عمل کو پاک و صاف اور معطر و مطہر کر لے۔

قبولیت و تقویت :

کتاب کی پہلی جلد دس بیماریوں کے ذکر پر مکمل ہو جاتی ہے۔ مصنف کے مطابق بقیہ تیس بیماریوں کا ذکر اور کتاب کا چوتھا باب جس میں قرآن کریم کی ان آیات کی فہرست ہو گی جو یہود کے بارے میں نازل ہوئیں، ان شاء اللہ اگلی جلد میں آئے گا۔انہوں نے مزید لکھا ہے کہ یہ چالیس امراض وہ ہیں جو یہودیوں میں پائے جاتے تھے، منافقین کے امراض قبیحہ اور عادات فاسدہ کو اس کتاب میں نہیں چھیڑا گیا البتہ ان سے متعلقہ آیات جمع کر لی گئی ہیں اور ان پر مستقل تحریر لکھی جائے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو خیر عافیت کے ساتھ یہ اہم علمی اور اصلاحی کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے فضل و رحمت سے اس میں برکت اور اسے قبولیت عامہ عطا فرمائے اور اس سے اصلاحی و جہادی تحریکات کو تقویت بخشے۔ یہاں تک تو کتاب کا تعارف تھا، اب اس پر قدرے تبصرہ کیا جاتا ہے۔

نقد و نظر :

تبصرے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

موضوع، اسلوب، متفرق خصوصیات۔

موضوع :

موضوع کے اعتبار سے یہ کتاب مندرجہ ذیل مباحث سے تعلق رکھتی ہے:

(۱) قرآن کریم کا ایک نئی جہت سے مطالعہ (۲) احسان وسلوک یعنی تصوف واصلاح باطن (۳) ترغیب ودعوت جہاد۔

مصنف اگرچہ بنیادی طور پر یہود کی بیماریوں کی تشخیص اور ان کے مقابلے میں اسلام کے تعلیم کردہ اخلاق حسنہ کو ذکر کرنا چاہتے تھے لیکن درج بالا تین موضوع بہت خوبی اور خوبصورتی سے ان کی تحریر میں جگہ پاگئے ہیں اور ایسی عمدگی سے باہم پیوست ہیں کہ کسی کو کسی سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح کتاب کی افادیت سہ گنا اور اس کی وقعت واہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ ان تینوں پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی جاتی ہے۔

غور وفکر کے نئے زاویے :

(۱) مصنف نے پورے قرآن کریم میں ان آیات سے یہود کے امراض کے استخراج کر کے قرآن کریم کے مطالعہ کے شائقین اور علوم قرآنیہ سے شغف رکھنے والوں کے لئے ایک نئی راہ کھول دی ہے۔ دنیا میں جو بڑی بڑی اقوام گذری ہیں قرآن کریم میں ان کے تذکرے میں وہ فکری خرابیاں اور عملی عیوب بیان ہوئے ہیں جو انسانیت کے لئے مہلک اور اس کی کامیابی وترقی کے لئے مانع ہیں۔ ان عیوب وامراض کو تحقیق کا موضوع بنا کر ان کی

فہرست بنائی جائے، ان کے اسباب، علامات اور کتاب شفا اور کلام مسیحا (کتاب وسنت) سے ان کا علاج تجویز کیا جائے تو بہت بڑا علمی اور اصلاحی کام ہو سکتا ہے۔ مصنف کے اس موضوع پر قلم اٹھانے سے اہل علم کے لئے خدمت قرآن کریم اور اصلاح احوال امت کے حوالے سے نئی جہتیں اور نئی راہیں پیدا ہوگئی ہیں۔ اور فکر و تحقیق کے ایسے زاویے سامنے آئے ہیں جن پر کام کر کے بہت اہم اور قابل قدر خدمت انجام دی جاسکتی ہے۔ قرآن کریم سے راہ ہدایت پانے کا یہ رُخ بہت ہی فکر انگیز اور انقلاب آور ہے اور اگر حضرات علماء اس طرز کو درس قرآن اور وعظ وبیانات میں اختیار کریں تو اسے بہت ہی مؤثر اور مفید پائیں گے۔ اہل علم اس طرز کو اپنی تصنیف وتحقیق کا موضوع بنا کر اس کا دائرہ اس سے ملتے جلتے دوسرے موضوعات تک بھی پھیلا سکتے ہیں اور اپنی ندرت فکر سے کام لے کر اسے مزید مؤثر بھی بنا سکتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہوا، اور کوئی وجہ نہیں کہ ایسا نہ ہو، تو یہ مصنف کے لئے عظیم صدقۂ جاریہ ہوگا کہ یہ سنت حسنہ ان کے ذریعے جاری ہوئی ہے۔ لگتا ہے کہ دشمن کی قید میں انہوں نے جو اذیت ناک قید صبر، توکل اور مجاہدے کے ساتھ کاٹی، اس نے ان کے قلب پر قرآنی علوم کے اس باب کو منکشف کر دیا اور یوں ایک فرد کے مجاہدے کی برکت سے پوری امت کے لئے خیر وبرکت کی ایک لائق رشک صورت پیدا ہوگئی۔

طلسم کا خاتمہ :

(۲) یہودیت پر، بہت سے حضرات نے (بشمول راقم کے) لکھا ہے لیکن ان کی توجہ یہودیت کے غیر معمولی مکر وفریب، ان کی فطری عیاری ومکاری اور خود کو سب سے افضل سمجھ کر عالم انسانیت کو تسخیر کرنے کے لئے کی جانے والی سازشوں کے ذکر کی طرف رہی ہے۔ یہ بھی مفید کام ہے لیکن اس سے وہ قاری جو مثالی ایمانی کیفیت اور مجاہدانہ عزم وہمت نہیں رکھتے، غیر شعوری طور پر اس بزدل اور جھوٹی قوم سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور بعض

تو ان کو نا قابل تسخیر سمجھنے لگتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں مصنف نے پہلی بار ایک ایسے منفرد انداز سے قلم اٹھایا ہے جس سے نہ صرف یہود کی دائمی ملعونیت ومغضوبیت ظاہر ہوتی ہے اور ان کے اخلاق رزیلہ اور اپنی طاقت کے بارے میں جھوٹے پروپیگنڈے کی عادت سامنے آتی ہے بلکہ ان کی حقیقی خامیوں کو سمجھنے اور ان کے مقابلے کے لئے اس انداز سے تیاری کرنے کی ترغیب ملتی ہے جس کی علام الغیوب خدائے دوجہاں اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے اور جو ان کا توڑ کرنے اور ان پر فتح پانے کا واحد طریقہ ہے۔ مصنف کے معروضی طرز استدلال، موقع کی مناسبت سے کتاب وسنت کے پر مغز حوالوں اور جاندار تبصروں سے قاری کے ذہن سے یہود کی برتری یا نا قابل تسخیر ہونے کا وہ طلسم چھٹ جاتا ہے جو اس عیار و مکار قوم نے جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے پھیلا رکھا ہے اور جس کے بل بوتے پر انہوں نے دنیا کو مرعوب کر کے اپنے گرد حفاظتی حصار کھینچ رکھا ہے۔ بلاشبہ یہ اس انداز کا کام ہے جس کے بارے میں اگر کہا جائے کہ اس میں شان تجدید کی جھلک ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

نباضی اور مسیحائی :

(۳) جیسا کہ پہلے اوپر گذرا مصنف نے ہر بیماری کے ذکر کے بعد "اسلامی دعوت" اور "عبرت و موعظۃ" کے عنوان سے دو مباحث چھیڑے ہیں۔ یہ دو ابواب در حقیقت ٹھیٹھ اسلامی تصوف (یعنی تزکیہ واحسان جو چار فرائض نبوت میں سے ایک فرض ہے) اور معاشرے کی نباضی اور مسیحائی پر مشتمل ہیں۔ پہلے عنوان میں مصنف نے "تحلی بالفضائل" اور دوسرے میں "تخلی عن الرذائل" سے بحث کی ہے۔ آسان الفاظ میں یوں کہئے کہ پہلے عنوان میں انہوں نے اپنے قارئین کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ سوچا جائے کہ کرنے کے وہ کون سے کام ہیں جو ہم نہیں کر رہے اور دوسرے میں اس فکر کو ابھارا ہے کہ نہ

کرنے کی وہ کون سی باتیں ہیں جو ہم میں پائی جاتی ہیں۔ اس موقع پر انہوں نے یہ بات سمجھائی ہے کہ جب تک ہم صحیح اسلامی سوچ، خالص شرعی مزاج اور صحابہ کرام والی صفات نہیں اپنائیں گے اور جب تک یہودیت کے مہلک جراثیم سے خود کو پاک وصاف نہیں کریں گے، تب تک ہم یہودیت کی عیاری اور فریب کاری کو روتے کوستے اور ان کے ہاتھوں شکست اٹھاتے رہیں گے کیونکہ عین جس وقت ہم یہودیت کو کوس رہے ہوتے ہیں اسی وقت خود یہودیت والی قبیح عادتوں میں مبتلا ہوتے ہیں، اس طرح یہود کی طرح ہم بھی اللہ کی مدد سے محروم ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے محرومی کے بعد یہود پر فتح پانا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ اس وقت مقابلہ نفس کی غلامی میں مبتلا مٹی کے دو پتلوں کے درمیان ہوتا ہے جس کا نتیجہ ان میں سے اس کے حق میں نکلے گا جو حیوانی جبلتوں اور شیطانی ہتھکنڈوں میں برتر ہو اور ان چیزوں میں یہود سے برتر کوئی نہیں ہو سکتا؟ یہ موضوع خشک سمجھا جاتا ہے لیکن مصنف نے اپنے رسیلے قلم اور زوردار انداز بیان سے اسے دلچسپ اور دل نشین بنا دیا ہے۔

اسلوب :

جہاں تک کتاب کے اسلوب کا تعلق ہے تو اصحاب علم اور ارباب قلم ودانش اس کی طباعت کے بعد اس کے معیار کا صحیح ادراک کر سکیں گے۔ یہاں فقط اتنا کہنے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ کتاب اعلیٰ علمی مباحث کی طرح معیاری ادبی اسلوب کی حامل ہے۔ وہی اسلوب جو مصنف کی پہچان ہے، جو ان کی غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کا غماز اور فطری ادبی استعداد کا شاہکار ہے۔ وہ استعداد جو کسی کی تربیت سے پروان نہیں چڑھتی بلکہ قدرت جب کسی سے کوئی کام لینا چاہتی ہے تو خود اس کی آبیاری کرتی ہے اور مصنف کو نہ صرف یہ کہ فطرت نے یہ ملکہ فیاضی سے بخشا ہے بلکہ سوز جگر دے کر اس کو سنوارا نکھارا ہے اور نظر بلند دے کر اس کو اعلیٰ مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی تڑپ عطا کی ہے۔ اس موضوع پر مزید کچھ کہنا

جائے تو اس اظہار حقیقت کو مبالغہ سمجھا جائے گا اس لئے ذیل کی چند باتیں کہہ کر بس کیا جاتا ہے۔

کتاب کا موضوع خالص علمی اصلاحی اور متصوفانہ نوعیت کا ہے جس کا سماع و مطالعہ نفوس پر گراں گزرتا ہے اس لئے واعظین، مبلغین یا اس موضوع پر لکھنے والے حضرات اس میں چاشنی اور جاذبیت پیدا کرنے کے لئے ضعیف روایات، قصص و اشعار، کہاوتوں اور لطائف وغیرہ کا سہارا لیتے ہیں لیکن مصنف نے آیات اور صحیح احادیث پر اکتفا کرتے ہوئے اپنے سدا بہار قلم سے اس موضوع میں جان ڈال دی ہے۔ وہ تراکیب اور استعارے، تشبیہات و تلمیحات جنہیں وہ عام طور پر اپنی نثر میں استعمال کرتے ہیں، محاوروں کا برمحل استعمال، جملہ بندی پر کامل گرفت اور زوردار انداز بیان جیسے ادبی محاسن جو ان کی تحریروں کا خاصہ سمجھے جاتے ہیں، یہاں بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ اس کتاب کی تالیف کے بعد جدیدیت کے دلدادہ، ادبیت کے خوگر اور مغرب سے متاثر ان مسلمانوں کا شکوہ جاتا رہے گا جو دینی اصلاحی نگارشات کو بزعم خود اس معیار سے فروتر ہونے کا شکوہ کرتے ہیں جو ان کے خیال میں الحاد پسند ادیبوں کی تحریر میں انہیں ملتا ہے۔

متفرق خصوصیات :

آخر میں ایک دو اہم باتوں کا ذکر کر کے اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔

☆ مصنف نے کہیں کہیں مسلمانوں کے اکابرین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اور یہودیوں کے بڑوں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے اور بعد کے بنی اسرائیل) کے درمیان جو موازنہ کیا ہے وہ انتہائی ایمان افروز اور روح پرور ہے۔ اس سے بے اختیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے عقیدت و محبت کا جذبۂ بے پایاں دل میں پیدا ہوتا ہے، ساتھ ہی وہ خودی اور خود اعتمادی بھی پروان چڑھتی ہے جو مہمات کو سر کرنے کے لئے بنیاد اور مہمیز کا کام

دیتی ہے۔ مصنف نے اس بحث کا التزام نہیں کیا اور ایک جگہ لکھا ہے کہ یہ مستقل کتاب کا موضوع ہے جس کا تذکرہ دلچسپی اور افادیت سے بھرپور ہوگا۔ کاش! کہ مصنف یا کوئی اور اس موضوع کو بسط سے بیان کریں تو بے انتہا فوائد حاصل ہوں۔

☆ صاحب کتاب نے کہیں کہیں "ایک نظر گریباں پر" کا عنوان قائم کر کے مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ اپنے آپ کو پرکھیں، ٹٹولیں اور کرید کرید کر اپنی جانچ کریں کہ کہیں ان میں یہودیت والی روحانی بیماریاں یا ان کے جراثیم تو نہیں پائے جا رہے؟ اگر ایسا ہے تو وہ کھرچ کھرچ کر انہیں نکال باہر کریں۔ اس ضمن میں انہوں نے معاشرے کے مختلف طبقات کا جو فکر انگیز تجزیہ کیا ہے نیز بعض فرقوں اور سیاسی جماعتوں کو پراثر انداز میں دعوت اصلاح دی ہے، وہ انتہائی دلچسپ اور بڑے خاصے کی چیز ہے۔ اس سے ان کی عمیق قوت مشاہدہ، گردوپیش سے بھرپور واقفیت اور جذبۂ اصلاح امت کا ثبوت ملتا ہے۔

☆ آخری بات یہ کہ مصنف نے یہ کتاب جیل کی کوٹھری میں قید ہو کر لکھی جہاں کتابوں سے مراجعت اور لکھے ہوئے مواد کی حفاظت اور محفوظ ہاتھوں تک اس کی ترسیل جیسا کچھ مشکل ہوتی ہے، اس کا اندازہ انہی کو ہو سکتا ہے جنہوں نے سختی کے یہ دن کاٹے ہوں۔ لیکن اس قلت بضاعت اور ضیق باع کے باوجود گنی چنی چند کتابوں سے اعلیٰ مطالب و مفاہیم اخذ کر کے انہیں عمدگی سے ترتیب دے لینا اور ہمت شکن مشکلات کے باوجود یہ صبر آزما شغل جاری رکھنا، مصنف کی وسعت علمی، مستقل مزاجی اور توفیق الٰہی کے شامل حال ہونے کی دلیل ہے۔ اب جبکہ وہ خدا کے فضل و کرم سے آزاد فضاؤں میں آچکے ہیں، ان کو چاہئے کہ اس کام کی تکمیل کے لئے فرصت نکال کر کتاب کے بقیہ حصے کو جلد مکمل کریں تاکہ یہ قابل قدر علمی و اصلاحی کام پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ یقین کامل ہے کہ اس چشمۂ صافی کا شیریں آب حیات، جاں بلب مریضوں کے لئے شفائے عاجل اور غلامی نفس میں گرفتار عامیوں کے

لئے رہنمائے کامل ثابت ہوگا۔ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی غیب سے دستگیری فرما کر انہیں اس صدقۂ جاریہ کی تکمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور ان کی اس محنت کو حسن قبول سے نواز کر اسے عوام وخواص کے لئے نافع اور مفید بنائے۔

آمین یا من بنعمة تتم الصالحات. وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین.

............☆☆☆............

تعارف

○ زیر نظر کتاب کا نام "یہود کی چالیس بیماریاں" ہے۔

○ ۲۹/ صفر ۱۴۳۰ء بمطابق ۱۵ جون ۱۹۹۹ء کوٹ بھلوال جیل کے وارڈ نمبر ۱۲ میں برادر محترم کمانڈر حافظ سجاد خان کو سفاکانہ تشدد کے ذریعے شہید کر دیا گیا۔ اسیر ساتھیوں کے لئے یہ صدمہ المناک غم، سخت بے چینی اور اضطراب کا باعث بنا، تب دلوں کے زخم پر مرہم کے لئے درس قرآن مجید شروع کیا گیا۔ اس درس میں سورہ بقرہ کی تفسیر کے دوران یہودیوں کے امراض کا مفصل تذکرہ ہوا اور اس بات کو بھی بیان کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق اب یہ امراض مسلمانوں میں بھی عام ہوتے جا رہے ہیں۔ تب دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اس موضوع کی طرف امت مسلمہ کو توجہ دلانے کے لئے مختصر کتاب لکھی جائے۔

○ دعا اور رفقاء کے مشورے کے بعد اس کام کا آغاز ہوا اور پہلے پانچ دن قرآن مجید میں سے موضوع کے متعلق آیات جمع کی گئیں۔ برادر عزیز مولانا محمد شفیق عرف ابو جندل حفظہ اللہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے اور راقم آیات لکھتا رہا۔ ان آیات کی فہرست قارئین کی سہولت کے لئے کتاب کے چوتھے باب میں شامل کر دی گئی ہے۔

○ ان تمام آیات پر غور وفکر کے بعد یہودیوں کے امراض کی ایک فہرست تیار کی گئی اور کل چالیس امراض کو تذکرے کے لئے منتخب کیا گیا اور چھوٹی چھوٹی پرچیاں بنا کر ان پر ان امراض اور ان کے متعلق قرآنی آیات کے نمبر لکھ دیئے گئے اور مزید مواد کے

لئے خالی جگہ بھی چھوڑ دی گئی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسی کے بھروسے پر لکھنے کا کام شروع کر دیا گیا۔

○ جیل میں کتابوں کی کمی تھی جبکہ موضوع بہت وسیع تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بے حد نصرت فرمائی۔ اول تو یہ کہ قرآن مجید کے دروازے نہایت سخاوت کے ساتھ کھل گئے۔ اور جس موضوع پر بھی لکھنے کا ارادہ ہوا اس موضوع پر آیات مبارکہ محض نصرت الٰہی سے سامنے آتی چلی گئیں۔ اس عنایت الٰہی پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ دوم یہ کہ کچھ ہم فکر کشمیری مجاہدین نے اپنی ایک چھوٹی سی لائبریری ہمارے وارڈ میں بھجوا دی کیونکہ یہ افراد دوسری جیل میں بھیجے جا رہے تھے۔ یوں ہمارے وارڈ میں اپنی لائبریری اور اس نئی لائبریری کی بدولت دو ڈھائی سو کتب جمع ہو گئیں جن میں سے بعض زیر بحث موضوع پر بھی مفید رہیں۔ سوم یہ کہ کتاب شروع ہونے کے کچھ عرصہ بعد پاکستان سے کچھ احباب نے بعض مطلوبہ کتابیں وکیل کے ذریعے سے بھجوا دیں۔

○ اس موضوع پر لکھتے ہوئے مستند تفاسیر کی کمی بہت محسوس ہوئی خصوصاً تفسیر قرطبی، تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن جریر، تفسیر روح المعانی اور تفسیر مظہری وغیرہ اگر یہ تفاسیر دسترس میں ہوتیں تو زیادہ سہولت رہتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ کے درجات بلند فرمائے کہ انکی مختصر تفسیر حقیقت میں عطر التفاسیر ہے۔ راقم پہلے سے ہی اس تفسیر کی عظیم خوبیوں کا دل و جان سے معترف تھا اور اکثر سفر میں بھی اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ الحمد للہ اس موقع پر اس تفسیر نے خوب کام دیا اور راقم نے اس کتاب میں جب بھی کسی موضوع پر بطور دلیل کے قرآن مجید کی آیت پیش کی ہے تو اپنے استدلال کی تصدیق کے لئے تفسیر عثمانی کے فوائد کو اکثر جگہ پیش کیا ہے بلکہ کئی جگہوں پر تو راقم نے خود کچھ کہنے کی بجائے

حضرت محقق عثمانی کے نپے تلے الفاظ کو پیش کر دیا ہے۔ کتاب کی تالیف کے دوران تفسیر جلالین اور اسکے حاشیے اور بعض دیگر تفاسیر اور تراجم سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

○ کتاب کل چار ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول، دوم اور چہارم لکھے جا چکے ہیں جبکہ باب سوم کی تالیف تا ہنوز جاری ہے۔ اور اب تک چالیس میں سے دس امراض کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

○ چالیس میں سے سات امراض کے تذکرے کے بعد حالات کے ناساز گار ہو جانے کی وجہ سے مزید کچھ لکھنا اور اسے ناشرین تک بھجوانا مشکل ہو رہا تھا، اس لئے سات امراض کے بعد مقدمہ لکھ کر ناشرین کو عرض کر دیا تھا کہ وہ اسے کتاب کی پہلی جلد کے طور پر شائع کر دیں۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مزید تین امراض کا تذکرہ لکھا گیا اور کتاب کے پیش لفظ کے طور پر "دو باتیں" کے عنوان سے ایک مختصر مضمون بھی لکھا گیا ہے۔ یوں اب جلد اول مکمل ہو چکی ہے جس کی ترتیب اس طرح ہے:

☆ تعارف کتاب ☆ دو باتیں ☆ مقدمہ ☆ باب اول: یہودیوں کے خلاف جدوجہد اور یہودیوں کے خلاف جہاد ☆ باب دوم: یہودیوں کی چالیس بیماریاں، ایک مختصر جائزہ ☆ باب سوم: دس امراض کا مفصل تذکرہ۔ **باب چہارم:**

○ عام طور سے منافقین کے متعلق آیات و واقعات کو بھی یہود کے تذکرے کے ساتھ جوڑا جاتا ہے لیکن اس کتاب میں منافقین کا مفصل تذکرہ نہیں کیا گیا۔ البتہ آیات کی تلاش کے دوران راقم نے منافقین کے متعلق آیات کی بھی ایک مفصل فہرست تیار کر لی ہے۔ تاکہ اگر اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو نفاق اور منافقین کے متعلق الگ سے ایک تحریر لکھی جائے اور ان آیات کی روشنی میں عصر حاضر کا جائزہ لیا جائے۔

○ کتاب کی تالیف اور پھر اسے بھجوانے کے جملہ معاملات میں اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل و کرم شامل حال رہا۔ اور میرے مرشد و محسن حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد

چہرہ دیکھا جائے تب معلوم ہوگا کہ وہ دنیا کی سب سے بزدل، ذلیل، حریص اور گندی قوم ہے۔

چونکہ ہمارے مصنفین حضرات اب تک یہودیوں کے مکر وفریب اور انکی خوفناک سازشوں کا تذکرہ فرماتے رہے ہیں۔ یہ بھی ایک اچھی خدمت ہے۔ البتہ ہم نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ یہودی باوجود اپنی سازشوں اور ظاہری طاقت کے کوئی ناقابل تسخیر قوت یا قابل اتباع قوم نہیں ہیں بلکہ وہ اب بھی وہی ہیں جو انہیں قرآن نے بیان فرمایا ہے۔

دوسری بات:

یہ ہے کہ یہودیوں کی سازشیں ہم پر تبھی کامیاب ہوتی ہیں جب ہم خود بعض اندرونی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن ابی یہودیوں کا شکار ہوا کیونکہ وہ ایک لالچی، حریص اور بزدل انسان تھا اور دنیا میں سرداری اور بڑائی پانے کا جنون اس کے دماغ پر سوار تھا، لیکن تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہودیوں کے کسی فریب میں نہیں آئے۔ یہاں تک کہ جب ایک سازش کے تحت یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم تو آپ سے محبت رکھتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ ہی مسکرائے اور نہ ہی اسے اپنی عمومی مقبولیت سمجھ کر خوش ہوئے بلکہ انہوں نے دوٹوک الفاظ میں ارشاد فرمایا:

"اللہ کے دشمنو! میں تم سے بالکل محبت نہیں رکھتا"۔

تھوڑا سا غور کیجئے کہ جسم فروش طوائفیں کن لوگوں کو شکار کرتی ہیں؟ وہ آدمی جو بیوی کے سوا طبعی اور عقلی طور پر کسی طرف توجہ ہی نہ کرتا ہو وہ ساری زندگی ان طوائفوں سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن جو لوگ خود غلاظت کھانے کے شوقین ہوں یا جن کے عزم میں کمزوری اور آنکھوں میں خیانت ہو، وہ جوق در جوق ان طوائفوں کے ہاتھوں شکار کرلئے

جاتے ہیں۔

اب اگر کوئی کہے کہ یہ طوائفیں بہت بڑی طاقت اور ناقابل تسخیر قوت ہیں اور پھر وہ ان کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگے اور ان کا قلع قمع کرنے سے گھبرانے لگے یا انہیں جزیہ نما ٹیکس دیتا پھرے تو یہی کہا جائے گا کہ:

اگر ماتم حلال ہوتا تو اس شخص کی عقل پر کیا جاتا۔

مختصر یہ کہ اگر مسلمان شعوری طور پر مسلمان ہو اور شہوت پرستی، حب مال، حب جاہ اور تفرقہ بازی سے محفوظ ہو اور بزدلی سے نفرت رکھتا ہو اور حرص اور نفس پرستی سے پاک ہو اور دنیا کے بجائے آخرت کی فکر سے سرشار ہو اور جہاد فی سبیل اللہ میں اسلامی احکام کے مطابق مصروف ومشغول ہو تو بتائیے کہ یہودی کس راستے سے اس تک پہنچیں گے؟ تب مقابلہ میدان میں ہوگا اور میدان کا نتیجہ غزوہ بنی نضیر، غزوہ بنی قریظہ، اور غزوہ خیبر سے مختلف نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

مقدمہ

آج کل ایسی خبریں آرہی ہیں جو نئی تو ہیں مگر غیر متوقع نہیں، مثلاً انڈیا کے ریڈیو نے ابھی چند روز قبل ایک تجزیہ نشر کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی دہشت گردی اس قدر پھیل چکی ہے کہ اب اسے توڑنے کیلئے کئی دشمن آپس میں دوستی پر مجبور نظر آرہے ہیں، یہاں تک کہ ایران اور اسرائیل اس بارے میں سمجھوتے پر راضی ہو چکے ہیں، جبکہ امریکہ نے اسلامی دہشت گردی کے خلاف قیادت کیلئے خود کو پیش کر دیا ہے اور روس اور بھارت سمیت کئی ملکوں کو اپنے ساتھ اس کام میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ بھارت نے امریکہ کی اس پیشکش کا بہت مثبت جواب دیا ہے۔ تجزیہ نگار نے آخر میں فاتحانہ لہجے میں کہا، وہ ممالک جو بھارت کے ایٹمی دھماکوں پر تنقید کر رہے تھے اور اس پر اقتصادی پابندیاں لگانے پر تلے ہوئے تھے، اب اسلامی دہشت گردی کے خوف کی وجہ سے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کو نظر انداز کر رہے ہیں اور اسے تعاون کیلئے بلا رہے ہیں۔ راقم جس وقت یہ سطور لکھ رہا ہے اس وقت بھی امریکہ کے بعض اہم فوجی اہلکار انڈیا کا دورہ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف ”امریکہ انڈیا اتحاد“ کے فارمولے کو آخری شکل دیجارہی ہے۔ دوسری طرف اقوام متحدہ میں اس وقت جو اجلاس جاری ہے اسکا موضوع بھی اسلامی دہشت گردی ہے۔ اُدھر روس میں دھڑا دھڑ دھماکے ہو رہے ہیں اور بستر مرگ پر پڑا ہوا روسی صدر مسلمان مجاہدین کو خطرناک انجام کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ طالبان اور شیخ اسامہ بن لادن کے خلاف ان ملکوں

میں ریلیاں نکالی جا رہی ہیں جنکا نہ تو افغانستان سے کوئی تعلق ہے اور نہ شیخ اسامہ بن لادن سے کچھ لینا دینا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت اگر کرۂ زمین کے باہر سے کوئی شخص زمین پر آئے اور یہاں کے شور شرابے کو سنے تو اسے یہ محسوس ہوگا کہ روئے زمین کا سب سے بڑا مسئلہ اسلامی دہشت گردی کو مٹانا ہے اور اہل زمین کیلئے سب سے زیادہ ضروری کام طالبان اور شیخ اسامہ بن لادن کو ختم کرنا ہے۔ آخر یہ ساری بے چینی کس وجہ سے ہے؟ آخر کل کے دشمن آج کے دوست کیوں بن رہے ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر مسلمانوں کو خوب اچھی طرح سے غور کرنا چاہئے اور اپنے دشمنوں کے عزائم اور ارادوں کو بھانپنا چاہئے۔ ہم سر دست تین امور کی طرف اپنے مسلمان بھائیوں کو خصوصی توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

(۱) دشمنوں کا یہ اتحاد مسلمانوں کیلئے کسی خوف یا دہشت کا ذریعہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہمیشہ ایسے اتحاد مسلمانوں کے خلاف بنتے ہیں اور پھر شکست کے زخموں کو چاٹتے ہوئے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ چند سال پہلے جب امریکہ سے یہ خبریں آرہی تھیں کہ امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کا جو بجٹ سوویت یونین سے اپنا دفاع کرنے اور سوویت یونین کو توڑنے کیلئے مخصوص تھا وہ بجٹ سوویت یونین کے بکھرنے کے بعد بھی برقرار رکھا گیا ہے اور وہ رقم جس سے تیس ہزار ایٹم بموں والے ملک سوویت یونین کا مقابلہ کیا جاتا تھا اسلامی دہشت گردوں کو ختم کرنے کیلئے مختص کر دی گئی ہے، اس وقت بعض پھیکے مسلمان کافی پریشان تھے اور ان میں سے بعض تو مجاہدین کو کوس رہے تھے اور کئی لوگوں کا اندازہ تھا کہ سی آئی اے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور بے تحاشہ وسائل کو بروئے کار لا کر اسلامی بنیاد پرستی کو ختم کر دے گی، لیکن ہم نے اس وقت بھی اس خبر کا خیر مقدم کیا تھا اور کہا تھا کہ اس سے مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ چنانچہ آپ تجزیہ کر لیجئے کہ پچھلے آٹھ دس سال میں مسلح اور غیر مسلح اسلامی تحریکوں میں قوت آئی ہے یا کمزوری؟ جہاد کا کام محدود ہوا ہے یا مزید پھیل گیا ہے؟ وہ چیز جسے دشمن بنیاد پرستی کہتے ہیں یعنی اسلامی قوت، وہ بڑھی ہے یا گھٹی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تمام کافر پہلے سے ہی متحد ہیں وہ تو صرف بعض کمزور دل مسلمانوں پر دباؤ بڑھانے کیلئے اور مسلمانوں کے کمزور حکمرانوں کو خوف زدہ کرنے کیلئے اس طرح کے اتحادوں کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ ایمان والے مسلمانوں کے سامنے یہ سارے مکڑی کے جالے ہیں۔ کئی مکڑیاں ملکر جالا بنائیں یا کوئی مکڑی اکیلی یہ کام کرے، مکڑی کا جالا بہر حال کمزور ہوتا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ جب کفر کی متحدہ فوجوں کو دیکھتے تھے تو وہ خوش ہو جاتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔ (الاحزاب: ۲۲)

اور جب ایمان والوں نے (کافروں کے متحدہ) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جسکا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے سچ کہا تھا اور اس سے انکا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی۔

یہ آیت غزوہ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی جب مشرکین کے تمام قبائل نے مسلمانوں کے خلاف اتحاد کر لیا تھا اور مدینہ منورہ کے یہودیوں نے انہیں تعاون کا یقین دلایا تھا اور ظاہری طور پر مسلمان اندر اور باہر دونوں طرف سے دشمنوں کے گھیرے میں تھے۔ سردی، کم تعداد، قلیل اسلحہ اور بھوک کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کے باہر دشمن کے دس ہزار جنگجوؤں کا لشکر پہنچ چکا تھا اور مدینہ منورہ کے اندر یہودی اپنے مضبوط قلعوں میں مسلح ہو کر حملے کرنے کی تاک میں تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر صحابہ کرامؓ بالکل نہیں گھبرائے بلکہ انکی اطاعت شعاری کا جذبہ اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے وعدوں پر یقین اور زیادہ بڑھ گیا اور وہ میدان میں ڈٹے رہے۔ بالآخر بیرونی اور اندرونی دونوں دشمنوں کو شکست ہوئی اور فتح نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ آج مسلمانوں کو بھی کافروں کے اسلحے اور انکی فوجی مہارت

سے ڈرایا جاتا ہے۔ یہ کوئی نیا ہتھکنڈہ نہیں ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی اسی طرح خوف زدہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی مگر صحابہ کرامؓ کا ایمان اس طرح کی خبروں اور افواہوں کو سن کر اور زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ دیکھئے قرآن مجید بھی اس کی گواہی دے رہا ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (آل عمران: ۱۷۳)

جب ان سے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لئے (بہت لشکر اور سامان) جمع کیا ہے تو تم ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔

ایمان والوں کی صفت یہ ہے کہ وہ دشمنوں کی کثرت اور انکی جنگی تیاری کا احوال سن کر بالکل نہیں گھبراتے بلکہ اس طرح کی خبریں انکے دل میں جوش ایمانی کو اور زیادہ بھر دیتی ہیں کیونکہ انہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے ہیچ نظر آتا ہے اور انہیں اس بات پر بھی جوش آتا ہے کہ کافر جب باطل کی خاطر اتنی بڑی تعداد میں اتنی زیادہ تیاری کر کے نکل سکتے ہیں تو ہم تو اللہ کے بندے ہیں اور اسکے کلمے کی بلندی کیلئے لڑتے ہیں، ہمیں تو کافروں سے بڑھ کر ہمت وقوت اور جوانمردی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ آج ایک طرف تو کافروں کے باہمی اتحاد کی خبریں آرہی ہیں کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین سبھی نے ملکر مسلمانوں کے خلاف اور متحدہ محاذ بنالیا ہے اور دوسری طرف کافروں کے بعض اشاعتی ادارے امریکہ اور اسرائیل وغیرہ کی طاقت کے بارے میں جھوٹے پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں۔ راقم کا تجزیہ ہے کہ اسرائیل کے ادارے موساد کے بارے میں جو کاروائیاں اخباروں کی زینت بنتی ہیں، ان میں ننانوے فیصد جھوٹ ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کیلئے اور اپنی طاقت کی دھاک بٹھانے کیلئے ان افسانوں کو گھڑا جاتا ہے اور بعض بالکل عام سطح کی کاروائیوں کو طرح طرح کے مسالے لگا کر بیان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح امریکہ کی طاقت کے بارے میں بھی

عجیب وغریب افسانے آئے دن سامنے آتے ہیں اور کمزور دل لوگ لرز کر رہ جاتے ہیں حالانکہ اسرائیل کے دوچوٹی کے موساد اہلکار لبنان میں ایک نہتے فلسطینی رہنما کو شہید کرنے گئے اور وہ اس کام میں بری طرح ناکام ہوئے اور خود گرفتار کر لئے گئے۔ اسی طرح امریکہ کے کئی جنگی اور خفیہ اداروں نے ملک کشمیر میں ایک ماہ تک آپریشن کیا اور اس آپریشن میں سٹلائیٹ سیارچے تک سے مدد لی گئی اور کروڑوں ڈالر خرچ کئے گئے مگر پر اسرار طور پر گم ہو جانے والے سیاحوں کا پتہ نہیں لگایا جاسکا۔ یاد رہے کہ ٹیلی ویژن اور فلموں کی بدولت دنیا کی سب سے بہتر سمجھی جانے والی پولیس اسکارٹ لینڈیارڈ کے دستے نے بھی اس آپریشن میں امریکی ماہرین کا ہاتھ بٹایا مگر نتیجہ کیا نکلا؟ دنیا کے سامنے ہے۔ اول تو طاقت اور قوت کے بارے میں کیا جانے والا اکثر پروپیگنڈہ نفسیاتی جنگ کا حربہ ہے اور اسکا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اگر بالفرض اسے حقیقت مان لیا جائے تو مسلمانوں کو صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ”حسبنا اللہ“ کا نعرہ لگانا چاہئے اور اللہ کی راہ میں طاقتور دشمن سے لڑنے کی خوشی میں انکا ایمان اور زیادہ بڑھ جانا چاہئے۔ یہاں اگر بعض افراد کے دل میں یہ سوال ابھرے کہ اگر امریکہ اسرائیل اور بھارت وغیرہ کی طاقت وقوت کے بارے میں کیا جانے والا اکثر پروپیگنڈہ جھوٹا ہے تو اسرائیل عربوں پر اور امریکہ پوری دنیا پر اور بھارت کشمیر پر کس طرح سے غالب وقابض ہے؟ تو اس کا حقیقت پر مبنی جواب یہ ہے کہ کفار کا یہ ظاہری اور عارضی غلبہ انکی بہادری یا صلاحیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے حکمرانوں اور بہت سارے عوام کی بزدلی، شہوت پرستی اور دنیا پرستی کافروں کے غلبے کا سبب ہے۔ اگر مسلمانوں کی حکومت اور طاقت حقیقی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور مسلمان حقیقی مسلمان بن جائیں تو آج کے امریکہ وبھارت کی طاقت انکے سامنے اسی طرح راکھ کا ڈھیر بن جائے گی جس طرح روم وفارس کی طاقتور سلطنتیں صحابہ کرامؓ کے سامنے ڈھیر ہو گئی تھیں۔

(۲) آج جبکہ کفار نے اپنے اتحاد کا اعلان کر دیا ہے تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ

بھی ایک امیر کی قیادت میں متحد ہو جائیں۔ کل تک مسلمانوں کے پاس نہ تو خلافت تھی اور نہ مرکزیت، آج اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے لاکھوں شہداء کے خون کی برکت سے انہیں امارتِ اسلامیہ افغانستان کی صورت میں ایک بہترین مرکز عطا فرما دیا ہے۔ کل تک مسلمان کسی ایک امیر پر متفق نہیں تھے لیکن آج اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو حضرت امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد مدظلہ العالی کی صورت میں بہترین امیر عطا فرما دیا ہے۔ ان حالات میں اگر اہل حق مجاہدین متحد ہونے میں مزید دیر لگاتے ہیں تو پھر یہ خود انہیں کا قصور ہوگا اور ممکن ہے کہ اس سنگین غلطی کا کوئی خطرناک خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑے۔ آج پوری دنیا کی اسلام دشمن طاقتیں افغانستان کی اسلامی امارت اور حضرت امیر المومنین کی حیثیت اور اہمیت کو پہچان چکی ہیں، کاش! مسلمان بھی پہچان لیں اور اس نعمت کی کماحقہا قدر کریں اور حضرت امیر المومنین اور اسلامی امارت کی بھرپور طریقے سے حفاظت کریں اور اپنی طاقت اور صلاحیتوں کا وزن بھی حضرت امیر المومنین کے پلڑے میں ڈال دیں۔ خصوصی طور پر طالبان کو چاہئے کہ وہ ہر طرح کے نزاعات اور تفرقے سے دور رہیں کیونکہ اسلامی امارت اور حضرت امیر المومنین کی حفاظت کی اولین ذمہ داری انہیں پر عائد ہوتی ہے۔ انہیں چاہئے کہ حالات پر کڑی نظر رکھیں اور کسی طرح کے تفرقے کو اپنے اندر نہ پنپنے دیں اور حضرت امیر المومنین کی اطاعت میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کریں۔ آج امریکہ، اسرائیل، یورپ اور بھارت کی شکل میں جالوت کا لشکر جرار مسلمانوں کے سامنے ہے اور حضرت امیر المومنین اسلامی لشکر کی کمان کر رہے ہیں۔ پس جو شخص انکی ذات میں عیب نکال کر ان سے روگردانی کرے گا وہ اسلامی لشکر میں شرکت سے محروم رہے گا۔ اس طرح جو شخص اقوام متحدہ کی امداد، امریکہ اور یورپ کے تعاون، وزارت اور منصب کی خواہش اور دنیا کی عیاشی کے چند گھونٹوں کی وجہ سے امیر المومنین کی نافرمانی کرے گا وہ بھی راستے میں ڈھیر ہو جائے گا اور وہ لوگ جو امیر المومنین کے حکم کے مطابق تھوڑے پر قناعت کریں گے وہ خوب سیر

ہونگے اور انہی کے ہاتھوں جالوت کا لشکر تباہ ہوگا اور انکی اولاد میں انبیاء علیہ السلام کے علوم زندہ ہونگے اور انشاء اللہ زمین پر امن قائم کرنے میں انکا بڑا حصہ ہوگا۔ طالبان کو خصوصاً اور تمام مجاہدین کو عموماً حضور اکرم ﷺ کی ان دو مبارک احادیث کو ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہئے اور اپنی صفوں کو ہر طرح کے تفرقے سے پاک رکھنا چاہئے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

من اتاكم وامركم جميع على رجل واحد يريد ان يشق عصاكم او يفرق جماعتكم، فاقتلوه. (صحیح مسلم)

جو شخص تمہارے پاس اس حال میں آئے کہ تمہارا ایک امیر پر اتفاق ہو اور وہ شخص تمہاری قوت کو توڑنا چاہتا ہو یا تمہاری جماعت میں تفریق ڈالنا چاہتا ہو تو اسے قتل کردو۔

دوسری جگہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اذا بويع للخليفتين فاقتلوا الآخر منهما. (صحیح مسلم)

جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو تم دوسرے کو قتل کردو۔

علامہ نوویؒ شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں: ایک زمانے میں دو خلیفوں کی بیعت کرنا تمام علماء کے نزدیک ناجائز ہے۔ چاہے دار الاسلام کا حلقہ وسیع ہو یا تنگ۔

(شرح مسلم: ص:۱۳۶، ج۲، الکلام المفید: ص:۸۲)

صحیح بات یہ ہے کہ اب تک مسلمانوں نے مرکزیت نہ ہونے کی وجہ سے اور باہمی تفرقے کی وجہ سے بہت کچھ کھویا ہے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان مکمل اتحاد اور یکجہتی کا مظاہرہ کریں اور حضرت امیر المؤمنین دامت برکاتہم العالیہ کو اللہ تعالیٰ کی ایک انمول نعمت سمجھ کر اسکا فائدہ اٹھائیں۔

(۳) مسلمانوں کی کامیابی کیلئے یہ بات اشد ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے اور عمل کو کافروں کے اثرات سے محفوظ رکھیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی بہت

ساری خوفناک بیماریاں مسلمانوں میں سرایت کرچکی ہیں اور وہ کام جنکی وجہ سے یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب نازل ہوا اور قیامت تک کیلئے ان پر ذلت مسلط کردی گئی، ان میں سے بہت سارے کام مسلمانوں میں پھیلتے جارہے ہیں۔ یہ صورت حال بہت زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے کیونکہ ایک طرف تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی فوجیں ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں اور دوسری طرف انکی ثقافتی اور تہذیبی یلغار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم کررہی ہے اور یہود و نصاریٰ کی ذہنی غلامی میں مبتلا کررہی ہے، زیر نظر کتاب "یہود کی چالیس بیماریاں" مسلمانوں کو یہودیت کے ناپاک اثرات سے بچانے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے امت مسلمہ کیلئے نافع بنائے اور اس ادنیٰ سی کاوش کو میری بخشش کا ذریعہ اور سرمایۂ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین۔

میں ابھی تک صرف دس بیماریوں کا تذکرہ کرسکا ہوں۔ فی الحال اسی کو کتاب کی جلد اول قرار دے کر بھجوا رہا ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کتاب کے باقی حصے کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ اگر کتاب میں کوئی علمی غلطی دیکھیں تو کتاب کے ناشرین کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ وہ دیگر اہل علم حضرات سے تحقیق و مراجعت کے بعد آئندہ ایڈیشن میں اس غلطی کی اصلاح کرسکیں۔

وَمَا توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه أُنيب.

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم. وَتب علينا انك انت التواب الرحيم.

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ

بمطابق ۲۰/ ستمبر ۱۹۹۹ء یوم الاثنین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

یہودیت کے خلاف جدوجہد اور یہود کیخلاف جہاد

وہ کونسی قوم تھی جسکی ہدایت اور رہنمائی کیلئے ہزاروں انبیاء بھیجے گئے اور تین آسمانی کتابیں نازل کی گئیں؟ دریاؤں کو پھاڑ کر چلتے پانی کے درمیان خشک راستے نکالے گئے؟ من وسلوٰی جیسی پاک اور لذیذ غذاؤں کے ڈھیر لگائے گئے؟ جنکی خاطر فرعون غرق کیا گیا اور کئی ظالم حکمران عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے؟ وہ کون تھے جنکی خاطر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے لکھی ہوئی تختیاں اتاریں اور انکے نبی اور انکے روساء کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے ہمکلامی فرمائی؟ وہ کون تھے جنکے سروں پر کئی دھائیوں تک بادلوں نے سائبان کا کام کیا؟ جنکے کپڑے انکے جسموں کیساتھ بڑھتے تھے، نہ میلے ہوتے تھے نہ پھٹتے تھے؟ فرشتے جنکی خاطر میدانوں میں اتر کر لڑتے تھے اور انکے گم شدہ تبرکات اٹھا کر لاتے تھے؟ وہ کون تھے جنکے عابدوں کی دعاؤں کیلئے آسمان کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے اور جنکو غلامی کے گڑھوں سے نکال کر زمین کا حکمران بنادیا گیا تھا؟ وہ کون تھے جنہیں ایک طویل زمانے تک تمام عالم پر فضیلت دی گئی، عروج کو انکا مقدر بنایا گیا اور قدرت کی مہربانیاں ان پر ایسی رہیں جو ان سے پہلے نہ کسی نے دیکھی تھیں نہ سنی تھیں؟ وہ کون تھے جنہیں عظمت ملی، عزت ملی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا محبوب قرار دیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی محبت ملی جیسی بیٹے کو باپ سے ملتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر؟ وہ کون تھے جنہیں کہہ دیا گیا تھا کہ اگر آسمانی

کتاب کو تھامے رکھو گے تو زمین کے بلا شرکت غیرے حکمران رہو گے اور قدرت کے قرب کے مزے لوٹو گے؟ وہ کون تھے جنکے گھروں میں انبیاء، صلحاء، اور عابد پیدا ہوتے تھے؟ آسمانی وحی، الہام اور کشف کے دروازے جن پر ہمیشہ کھلے رہے؟ وہ کون تھے جنہیں بار بار تھاما گیا اور کسی قوم کو ان پر فضیلت نہیں دی گئی اور جنکی بے پناہ شرارتوں کے باوجود ہر بار انہیں سینے سے لگایا گیا؟

آپ سمجھ گئے ہونگے کہ مذکورہ بالا سارے انعامات، احسانات اور مہربانیاں جس قوم پر ہوئیں وہ قوم یہود تھی جسے بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی حضرت اسرائیل علیہ السلام کی اولاد۔ "بنی" عربی میں بیٹوں کو کہتے ہیں اور "اسرائیل لقب تھا" حضرت یعقوب علیہ السلام کا، جو فرزند تھے حضرت اسحٰق علیہ السلام کے، جو بیٹے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔ حضرت یعقوب یا حضرت اسرائیل علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے تھے۔ روبین، شمعون، لادی، یہوداہ، اسکار، ذبلون، بن یامین، دان، نفتال، جد، آشران اور حضرت یوسف علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے ہجرت فرمائی اور کنعان میں آباد ہوئے۔ یہیں پر آپکی اہلیہ محترمہ حضرت سارۃ کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ کنعان ہی میں آباد ہوئے اور یہیں پر اللہ تعالیٰ نے آپکو جو اولاد عطا فرمائی ان میں حضرت یعقوب علیہ السلام بھی تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بارہ بیٹوں کے ساتھ کنعان ہی میں رہائش پذیر رہے۔ آپکی اولاد میں سے حضرت یوسف علیہ السلام تاجروں کے ہاتھوں بکتے بکاتے مصر جا پہنچے اور عزیز مصر اور مصر کے جیل خانے سے ہوتے ہوئے مصر کے تخت پر جا پہنچے اور آپ نے اپنے والد محترم اور بھائیوں کو بھی مصر بلوالیا اور یوں ملک مصر بنی اسرائیل کا مسکن بن گیا۔ چار سو برس تک بنی اسرائیل مصر میں معزز رہے مگر پھر علاقہ پرستی کا نعرہ مصر میں گونجا اور مصر کے مقامی قبطیوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا۔ اور وہ ان سے محنت اور مشقت والے ذلیل کام لینے لگے۔

صاحب صاوی لکھتے ہیں:

فکانوا یخدمون اقویاء بنی اسرائیل فی قطع الحجر والحدید والبناء وضرب الطوب وغیر ذالك، وکان نسائهم یغزلن الکتان لهم وینسجنه وضعفائهم یضربون علیهم الجزیة.

(صاوی بحوالہ حاشیہ جلالین۔ ص:۹)

بنی اسرائیل کے طاقتور افراد سے پتھر اور لوہا کاٹنے عمارتیں اور اینٹیں بنوانے جیسے کام لئے جاتے تھے جبکہ انکی عورتوں سے سوت کتوایا اور بنوایا جاتا تھا جبکہ بنی اسرائیل کے کمزور افراد سے ٹیکس لیا جاتا تھا (کیونکہ وہ جسمانی محنت نہیں کرسکتے تھے)۔

ظلم کی یہ خوفناک چکی چل رہی تھی کہ مصر کے فرعون (بادشاہ مصر) نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ اٹھی ہے اور اس نے پورے مصر کو گھیر لیا ہے اور یہ آگ مصر کے قبطیوں کو جلا رہی ہے جبکہ بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ فرعون نے ماہرین سے تعبیر پوچھی تو اسے بتایا گیا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمہاری سلطنت کے خاتمے اور قبطیوں کی تباہی کا باعث ہوگا۔ فرعون نے فوراً حکم شاہی جاری کردیا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اسے قتل کردیا جائے۔ ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ فرعون کے گھر میں انکی تربیت ہوئی۔ جوان ہوئے تو انکے ہاتھوں ایک قبطی مارا گیا۔ فرعون آپکے قتل کے درپے ہوا تو آپ نے مدین کا رخ کیا۔ وہاں آپ حضرت شعیبؑ کی صحبت میں آٹھ سال تک رہے اور اس عرصے میں بکریاں چراتے رہے گویا کہ مستقبل میں بنی اسرائیل کو چلانے اور سنبھالنے کی مشق فرماتے رہے۔ وہیں آپ کی شادی ہوئی۔ آٹھ سال مصر سے غیر حاضری کے بعد آپ پھر اپنی اہلیہ سمیت مصر کی طرف لوٹ رہے تھے کہ راستے ہی میں وادی طویٰ نامی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور فرعون کو حق کی دعوت دینے اور بنی اسرائیل کو آزادی دلوانے اور انکی دینی رہنمائی کا کام آپکو سونپ دیا۔ پھر آپکی درخواست پر آپکے بھائی

حضرت ہارون کو بھی نبوت عطا فرمائی اور انہیں آپکا وزیر بنایا اور کچھ معجزات بھی عطا فرمائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی ان کھلی نشانیوں کو لیکر مصر تشریف لائے اور فرعون کو دعوت حق دی جو فرعون نے ٹھکرادی۔ اور آپکے معجزات کو جادو سمجھ کر پورے ملک مصر کے جادوگروں کو آپکے مقابلہ میں لے آیا۔ یہ جادوگر مشاہدۂ حق کے بعد ایمان لے آئے اور فرعونی ظلم و ستم کا شکار ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بھی حق کی دعوت دی مگر ان پر خوف سوار تھا اور غلامی کی قباحتیں ان میں سے اکثر کے خون میں سرایت کرچکی تھیں۔ اس لئے ابتداء میں بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے مگر بعد میں آپ کی دعوت بنی اسرائیل میں پھیل گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر فرعون نے بنی اسرائیل پر مظالم بڑھادیئے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیا اور مصر سے ہجرت فرمانے لگے۔ فرعون کو یہ کب گوارہ تھا چنانچہ اس نے انکا پیچھا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل تو دریا میں سے گذر گئے اور مگر فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہوگیا۔ آزادی کے بعد بنی اسرائیل نے عمل کیلئے شریعت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا فرمائی۔ بس وہ قوم جسکی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور جس قوم کو توریت عطا کی گئی یہی قوم یہود کہلاتی ہے۔ اس قوم کو یہود کیوں کہا جاتا ہے اس بارے میں علامہ بیضاویؒ لکھتے ہیں:

والیهود اما عربی من هاد اذا تاب سمو بذلك لما تابوا عن عبادة العجل، واما معرب یهوذا والذال ابدل بالدال المهملة کعادة التعریب کانهم سمو باسم اکبر اولاد یعقوب علیه السلام.

(بیضاوی بحوالہ حاشیہ جلالین: ص:۱۱)

یہود یا تو عربی لفظ ہے اور اسکا مادہ "ھاد" ہے جس کے معنی توبہ کرنے کے آتے ہیں۔ ان لوگوں نے جب بچھڑے کی عبادت سے توبہ کرلی تو انکا یہ نام رکھا گیا (یعنی توبہ کرنے والے) یا یہود کا لفظ "یہوذا" کا معرب ہے اور کسی غیر عربی لفظ کو عربی بناتے وقت ذال کو دال سے بدل دیتے ہیں تب انکا یہ نام

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کے نام سے لیا گیا ہے۔

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ بہت تفصیل کے ساتھ فرمایا ہے اور پارہ نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۴ کے علاوہ باقی تمام اٹھائیس پاروں میں آپکا تذکرہ موجود ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی تقریباً ساڑھے چار سو آیات میں بنی اسرائیل یا یہود کا تذکرہ ملتا ہے (ان آیات کی فہرست کتاب کے آخر میں لگا دی گئی ہے)۔ یہ بات تو سب مسلمان جانتے ہیں کہ قرآن مجید نہ تو قصوں کی کتاب ہے اور نہ کوئی تاریخی دستاویز، نہ وہ صرف کسی شخصیت کی سوانح حیات ہے، اور نہ ہی کسی قوم کی تاریخ، بلکہ قرآن مجید تو حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے لیکر قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے نازل ہوا ہے۔ اور قرآن مجید تمام انسانوں کو ہلاکت اور تباہی کے راستے سے بچا کر دینی اور دنیاوی فلاح اور کامیابی کا راستہ بتانے کیلئے اتارا گیا ہے۔ اسلئے اس میں جو قصے بیان ہوئے ہیں انکا مقصد بھی انسانوں کی ہدایت ہے اور اس میں مختلف قوموں کا تذکرہ بھی اسی غرض سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ انسانوں کو یہ سمجھانے کیلئے کہ قومیں عروج سے زوال کی طرف کیوں اور کیسے لڑھکتی ہیں؟ اور افراد پر اللہ کی رحمت برستے برستے کیوں رک جاتی ہے اور اسکی جگہ اللہ تعالیٰ کا غضب کیوں برسنے لگتا ہے؟ اور معزز انسان یکایک ذلیل اور مضبوط انسان یکایک دوسروں کے محتاج کس طرح سے بن جاتے ہیں؟ قرآن مجید نے اسکے لئے جس قوم کو سب سے زیادہ بطور مثال کے پیش فرمایا ہے وہ ہے قوم یہود، جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک قول کے مطابق ستر ہزار اور ایک قول کے مطابق چار ہزار انبیاء پیدا فرمائے۔ یعنی توریت جیسی عظیم الشان کتاب اور پھر اس کتاب کی تبلیغ کیلئے ہزاروں انبیاء کا تسلسل۔ اور پھر اسی قوم پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹھے بٹھائے

انکے ہزاروں افراد کی شکلیں مسخ کر دیں اور انہیں سوّر اور بندر بنا کر ہلاک کر دیا۔ یعنی ایسا خوفناک عذاب جسے سوچ کر بھی انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔ اس قوم کے عروج کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اس قوم کے انبیاء اور بادشاہوں کیلئے لوہا نرم کر دیا گیا۔ ہواؤں اور جنات تک کو مسخر کر دیا گیا اور انہیں ایسی بادشاہت دی گئی جو قیامت تک کسی کو نہیں ملے گی، اور اس قوم کی پستی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اب اس پر قیامت تک کیلئے ذلت (یعنی دوسروں کے ہاتھوں ذلیل اور محتاج ہونا) اور مسکنت (یعنی پستی اور کم ہمتی) کو مسلط کر دیا گیا ہے کہ بس دوسروں کے سہارے جیتے ہیں اور دوسروں کے آسرے پر سانس لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ وجہ صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کسی سے ذاتی رشتہ داری ہے اور نہ کسی سے ذاتی دشمنی۔ یہود کی یہودیت جب تک احکام الٰہی کے تابع رہی اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی محبت اور نصرت کے وہ مستحق رہے۔ لیکن جب یہودیت نے اپنا رخ بدلا اور وہ شیطانیت اور طاغوتیت کا دوسرا نام بن گئی تو پھر وہی یہودی جو "احباء اللہ" تھے "مغضوب علیہم" بن گئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ پہلے یہودیت ان عقائد اور اعمال کا نام تھا جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے اور انکی فلاح اور کامیابی کیلئے نازل فرمائے تھے۔ ایسی ہی یہودیت اختیار کرنے پر توریت میں طرح طرح کے انعامات اور دنیا آخرت میں کامیابی کا وعدہ تھا لیکن رفتہ رفتہ یہودیوں نے ان عقائد اور اعمال کو بھلا دیا اور عقیدے اور عمل کی ان برائیوں میں مبتلا ہو گئے جنکی وجہ سے انکی ترقی تنزل میں اور کامیابی ناکامی میں بدل گئی اور یہودیت وہ شجرہ خبیثہ بن کر ابھری جسکی ہر شاخ اور جس کا ہر پتہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکی لعنت کا سبب بن گیا۔ یعنی یہودیت ان عقائد و نظریات اور اعمال کا نام بن گئی جو شیطان نے ایجاد کئے تھے اور یہ وہ شیطانی رسے تھے جن میں باندھ کر وہ انسانوں کو دوزخ کی طرف گھسیٹتا رہا اور اب تک گھسیٹ رہا ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ مسلمانوں کو یہودیوں کے امراض یعنی یہودیت سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اور تو اور ان یہود و نصاریٰ

کے ساتھ دوستی اور گہرے تعلقات رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ یہ تنبیہ بھی فرمادی کہ یہود و نصاریٰ کی ہمیشہ یہی کوشش رہے گی کہ وہ شیطان کی بنائی ہوئی یہودیت اور نصرانیت کے امراض تم میں پھیلادیں اور تمہیں بھی غضب الٰہی میں اپنا شریک و سہیم بنا لیں۔ آیئے اس بارے میں چند قرآنی آیات پڑھتے ہیں تاکہ یہ اہم باتیں ہمارے دل ودماغ میں اچھی طرح اتر جائیں۔

(١) وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ الآيۃ.

(بقرہ: ١٠٩)

بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لاچکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنادیں حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے تو تم معاف کردو اور درگذر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا (دوسرا) حکم بھیجے۔ بے شک اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

(٢) وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ، قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى، وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ.

(بقرہ: ١٢٠)

اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہونگے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت (یعنی اسلام) ہی ہدایت ہے اور (اے پیغمبر) اگر آپ اپنے پاس علم وحی کے آجانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو تم کو اللہ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہوگا نہ مددگار۔

یہ آیت ان لوگوں کو اچھی طرح سے بار بار پڑھنی چاہئے جو یہود و نصاریٰ کو راضی کرنے کی فکر میں ہر وقت گھلتے رہتے ہیں اور ان کا قرب پانے کے خواہش مند رہتے ہیں بلکہ بہت سارے مسلمان تو انکو اپنے مسائل کا حل کنندہ سمجھتے ہیں۔ کاش! مسلمان حکمران اس

آیت کو پڑھیں اور سمجھیں۔ کاش! وہ لوگ بھی اس آیت پر غور کریں جو اپنی حفاظت کا ٹھیکہ یہود و نصاریٰ کو دے چکے ہیں۔ انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ کبھی بھی انکے دوست نہیں ہوسکتے۔ انہیں دوست بنانے کا تو بس ایک ہی طریقہ ہے کہ اس دوستی کی قیمت کے طور پر اپنے ایمان سے دستبردار ہوجائیں اور یہود و نصاریٰ کی طرح ملعون ومغضوب بن جائیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ یہود و نصاریٰ کے گورے رنگ اور دغاباز میٹھی زبانوں کے دھوکے میں آنے کی بجائے اپنے رب اور مالک کے فرمان پر یقین رکھیں اور اسی فرمان کی روشنی میں یہود و نصاریٰ کو دیکھیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ماضی میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ یہود و نصاریٰ کی دوستی کا شکار ہو کر منافقت کی تاریک کھائیوں میں گر کر اپنی دنیا اور آخرت تباہ کرچکا ہے۔

(٣) وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ.

(بقرہ: ١٣٥)

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہوجاؤ تو سیدھے راستے پر لگ جاؤ گے کہہ دیجئے (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم پر ہیں جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

آج کے یہود و نصاریٰ اپنے دین کی بجائے اپنے نظام حکومت اور اپنے نظامِ معیشت اور اپنی گندی تہذیب وثقافت کی دعوت دیکر کہہ رہے ہیں کہ اسی کو اختیار کرو تب ہی کامیابی اور ترقی پاؤ گے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان انکی اس دعوت کو ٹھکرا کر اسلام کے اپنے نظامِ حکومت، نظامِ معیشت اور اسلامی تہذیب وثقافت کے ساتھ جڑے رہتے لیکن افسوس صد افسوس کہ آج اکثر مسلمان یہود و نصاریٰ کی اس کفریہ دعوت کو دل وجان سے قبول کر رہے ہیں اور یہودیت اور نصرانیت کے گندے امراض کو اپنی زندگی کے ہر شعبے اور اپنے گھروں تک میں گھساتے جارہے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(۴) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَائَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِيْنَ. (بقرہ: ۱۴۵)

اور اگر آپ باوجود اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے ان کی خواہشوں کے پیچھے چلیں گے تو ظالمین میں (داخل) ہو جائیں گے۔

افسوس کہ آج تو یہود و نصاریٰ کی خواہشات، مسلمانوں کا مقصد زندگی اور آئیڈیل بن چکی ہیں اور مسلمان اندھا دھند ان خواہشات کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں اور وہ یہودیوں کے گناہوں اور خواہشات کی بچی کھچی میل کچیل کھانے کو بھی روشن خیالی اور ترقی سمجھ رہے ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ کے تمام طریقے اپنانے کو بھی تہذیب و تمدن کا تقاضا سمجھتے ہیں۔

(۵) لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً. وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ. (آل عمران: ۲۸)

مومنوں کو چاہئے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں۔ ہاں اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو۔ اور اللہ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے۔

یعنی جب حکومت و سلطنت، جاہ و عزت اور ہر قسم کے تقلبات و تصرفات کی زمام اکیلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو مسلمان کو جو صحیح معنی میں اس پر یقین رکھتے ہیں، شایان شان نہیں کہ اپنے اسلامی بھائیوں کی اخوت و دوستی پر اکتفا نہ کر کے خواہ مخواہ دشمنانِ خدا کی موالات و مدارات کی طرف قدم بڑھائیں۔ خدا اور رسول کے دشمن ان کے دوست کبھی نہیں بن سکتے۔ جو اس خبط میں پڑے گا سمجھ لو کہ خدا کی محبت و موالات سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ ایک مسلمان کی سب امیدیں اور خوف صرف خداوند رب العزت سے وابستہ ہونی چاہئیں اور اسکے اعتماد و وثوق اور محبت و مناصرت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو حق تعالیٰ سے اسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔ ہاں تدبیر و انتظام کے درجہ میں کفار کے ضررِ عظیم سے اپنے

ضروری بچاؤ کے پہلو اور حفاظت کی صورتیں معقول و مشروع طریقے پر اختیار کرنا ترکِ موالات کے حکم سے مستثنیٰ ہیں مگر اسے حقیقت میں موالات نہیں بلکہ صورتِ موالات سمجھنا چاہئے جسکو ہم مدارات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی۔ ص:۶۸)

(۶) وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ. (آل عمران: آیت:۶۹)

(اے اہل اسلام) بعضے اہل کتاب اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو گمراہ کر دیں مگر یہ (تم کو کیا گمراہ کریں گے) اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور وہ نہیں جانتے۔

چاہتے تو سب ہیں مگر اس کام کیلئے کچھ لوگ مخصوص کر لئے جاتے ہیں۔ مثلاً اس زمانے میں مستشرقین مشنریز اور معاشی ماہرین (جنہیں ڈاکو کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے) اس کام میں جتے ہوئے ہوئے ہیں اور وہ مسلمانوں کو ہر شعبے میں گمراہ کر کے اسلام سے ہٹا رہے ہیں اور یہی انکا مقصد ہے کیونکہ گمراہی، بددینی اور بے راہ روی ہی انکا دین و مذہب ہے اور اسی کی وہ عمومی دعوت چلا رہے ہیں۔

(۷) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ. (آل عمران: ۱۰۰)

مومنو! اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق کا کہنا مان لوگے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔

یعنی مسلمان ان یہودیوں اور نصرانیوں کی جس قدر اطاعت کرتے چلے جائیں گے اسی قدر کفر کے قریب ہوتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کے بعض فرقوں میں یہودیت زیادہ پائی جاتی ہے اور بعض میں کم۔ پس جس میں جس قدر یہودیت یعنی شیطانی عقائد و اعمال ہونگے وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کا مستحق ہوگا۔ اس بارے میں مزید تفصیل انشاء اللہ تیسرے باب میں آئے گی۔

(۸) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور واضح احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے (خلاف و) اختلاف کرنے لگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکو (قیامت کے دن) بڑا عذاب ہوگا۔ (آل عمران: ۱۰۵)

یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو جو خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام واھواء کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہو گئے۔ آخر فرقہ بندیوں نے انکے مذہب اور قومیت کو تباہ کر ڈالا اور سب کے سب عذاب الٰہی کے نیچے آ گئے۔

(تنبیہ) اس آیت سے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم و مہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد کیے جائیں۔ افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی سینکڑوں فرقے شریعت اسلامیہ کے صاف اور صریح اور مسلّم و محکم اصول سے الگ ہو کر اور ان میں اختلافات ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ تاہم اس طوفان بے تمیزی میں اللہ و رسول ﷺ کے وعدہ کے موافق ایک عظیم الشان جماعت بحمد اللہ خدا کی رسی کو مضبوط تھامے ہوئے "ما انا علیہ واصحابی" کے مسلک پر قائم ہے اور تا قیامت قائم رہے گی۔ باقی فروعی اختلافات جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور آئمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں انکو آیت حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس فروعی اختلاف کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اپنی تصانیف میں کافی و شافی بحث فرمائی ہے۔ (تفسیر عثمانی ص: ۸۱)

البتہ عہد حاضر کے وہ فرقے جنہوں نے فروعی مسائل کو امت مسلمہ میں تفریق کا ذریعہ بنا کر اشتہار بازی اور دعوے بازی شروع کر رکھی ہے۔ وہ بھی گمراہی کے ان راستوں پر چل نکلے ہیں جن پر یہود و نصاریٰ کے قدموں کے نشان اب تک نظر آ رہے ہیں۔

(۹) يٰاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا

مومنو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز دار نہ بنانا یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ

وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ۔ (آل عمران: ۱۱۸)

انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کی زبانوں سے دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) انکے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔

آج مسلمانوں نے قرآن مجید کے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اپنے تیل کے خزانوں، زمینی ذخائر اور عسکری معاملات تک میں انہوں نے یہود و نصاریٰ کو اپنا ہم راز بنا رکھا ہے۔ اور وہ ہر معاملے میں یہود و نصاریٰ سے مشورہ لینا ضروری سمجھتے ہیں اور لاکھوں مسلمانوں نے تو اپنے اربوں کھربوں روپے کی مالیت کے اموال اور خزانے یہود و نصاریٰ کے خفیہ بینکوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور یوں انہوں نے اپنی گردن خود اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے۔

(۱۰) يٰاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ اَتُرِيدُونَ اَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا۔ اِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا۔ (نساء: ۱۴۴، ۱۴۵)

اے اہل ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام لو؟ بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہونگے اور تم انکا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔

اس آیت میں بھی کافروں سے دوستی کرنے سے منع کیا گیا ہے اور واضح بتا دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنا نفاق کی دلیل ہے کیونکہ مدینے کے منافقین

نے یہی کیا تھا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی دوستی اور وفاداری کا مرکز یہودیوں کو بنالیا تھا چنانچہ قیامت تک کے مسلمانوں کو اس سے روکا جارہا ہے۔

(۱۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْھُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ. فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْھِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ نٰدِمِیْنَ.

(مائدہ: ۵۱،۵۲)

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے انکو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تم انکو دیکھو گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کے ملے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم زمانے کی گردش میں نہ آجائیں۔ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر جنہیں چھپایا کرتے تھے پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔

اس آیت میں چند امور نہایت ہی وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں:

(۱) مسلمانوں کیلئے جائز نہیں کہ کافروں کو اپنا "ولی" بنائیں۔ ولی کے معنی دوست، معتمد اور مددگار کے آتے ہیں یعنی کسی مسلمان کو اس کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستانہ اعتماد اور برادرانہ معاونت یا نصرت کا تعلق قائم کرے۔ (۲) یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سے متحد ہو جاتے ہیں اور اس بارے میں ایک دوسرے کے ولی یعنی مددگار بن کر اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو گمراہ

کرنے یا تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۳) مسلمانوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے ظاہری طور پر کلمہ پڑھ رکھا ہے لیکن انکے دلوں میں نفاق کا بیج موجود ہے، وہ ہمیشہ بھاگ بھاگ کر یہود و نصاریٰ کی گود میں گرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشکل حالات میں یہ ہماری مدد کریں گے، غربت اور قحط کے وقت یہ ہمیں قرضہ دینگے اور اگر پکے مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو یہ یہود و نصاریٰ ہمیں مسلمان سمجھ کر نہیں ماریں گے بلکہ ہماری جان اور مال محفوظ رہے گا۔ اسلیئے وہ پہلے سے ہی اپنا تعلق یہود و نصاریٰ کے ساتھ جوڑ کر رکھتے ہیں اور انکو بتاتے رہتے ہیں کہ ان نظریاتی مسلمانوں کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے جو آپ لوگوں سے لڑ رہے ہیں۔ (۴) جو لوگ جان کے خوف اور مال کی لالچ میں یہود و نصاریٰ کے معاون و مددگار اور معتمد دوست بن جاتے ہیں تو خود ان میں بھی آہستہ آہستہ یہودیت اور نصرانیت گھس جاتی ہے اور وہ ایمان اور ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ (۵) جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادیتا ہے تو یہود و نصاریٰ کے ساتھ عہد وفاداری کرنے والے یہ منافق بہت پچھتاتے ہیں اور دنیا آخرت میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔

تنبیہ :

سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵۷ میں بھی اسی مضمون کو مختلف انداز سے بیان فرمایا گیا ہے ...... یہ تو تھیں چند قرآنی آیات جنہیں پڑھنے کے بعد ایک مسلمان اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں کی دوستی یا یہودیت کی پیروی اسکے دین اور دنیا کے لئے کتنی خطرناک ہے لیکن یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ باطل عقائد اور غلط اعمال کے جس مجموعے کو یہودیت کہا جاتا ہے یہ مجموعہ اور اسکا ہر تیر شیطان کا آزمودہ ہے چنانچہ قیامت تک شیطان ان آزمودہ تیروں کو استعمال کرتا رہے گا اور بہت سارے بد قسمت افراد ان شیطانی تیروں سے گھائل ہو کر ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں جاگریں گے۔ بس یہی وہ خطرہ تھا جس سے رحمۃ اللعالمین حضرت

محمد ﷺ نے امت کو آگاہ فرمایا چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لتتبعن سنن من قبلكم شبرا شبرا وذراعا ذراعا حتى لو دخلوا جحر ضب تبعتموهم. قلنا يا رسول الله اليهود والنصارىٰ؟ قال فمن؟ (بخاری: ص: ۱۰۸۸، ج۲)

یقیناً تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کی پیروی کرو گے بالشت پر بالشت اور گز پر گز یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں گھسیں گے تو تم بھی ان کے پیچھے اس میں چلے جاؤ گے۔ (صحابہ فرماتے ہیں) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: کیا پہلے لوگوں سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا (وہ نہیں) تو پھر کون؟

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

ليأتين على امتى كما اتى على بنى اسرائيل حذ والنعل بالنعل، ان كان فيهم من اتى امه علانية لكان فى امتى من يصنع ذلك. (مشکوۃ: ص:۵۷، ج۱)

میری امت بھی ان چیزوں میں پڑے گی جن میں بنی اسرائیل جا پڑے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہو گی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہونگے جو یہ کرینگے۔

اسی روایت میں آپ ﷺ نے بنی اسرائیل کی تفرقہ بازی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وان بنى اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفترق اُمّتى على ثلث وسبعين ملة كلهم فى

بنی اسرائیل میں بہتر فرقے تھے اور میری امت میں تہتر فرقے ہونگے اور سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک کے۔ صحابہ نے

النار الاملة واحده، قالوا من هى يا رسول الله؟ قال "ما انا عليه واصحابى. (مشکوۃ: ص:۵۷، ج۱)

عرض کیا: وہ ایک کونسا فرقہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ کو اپنی امت کے یہود ونصاریٰ کے راستے پر چلنے کا اتنا خطرہ تھا کہ آپ ﷺ اپنے مرض الوفاۃ میں بھی اپنی پیاری امت کو یہود ونصاریٰ کے طریقے سے بچنے کی تلقین فرماتے رہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں ارشاد فرمایا:

لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور انبياء هم مساجد. (بخاری: ص:۶۳۹، ج۱)

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی قبر مبارک کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ نیز آپ ﷺ جانتے تھے کہ یہود ونصاریٰ اگر مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے تو وہ لازماً اپنے امراض کو مسلمانوں میں پھیلائیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے مرکز اسلام مدینہ منورہ کو یہودیوں سے پاک فرمایا اور پھر آپ نے یہ تمنا ظاہر فرمائی کہ اگر میں کچھ دن اور زندہ رہا تو پورے جزیرۃ العرب کو یہود ونصاریٰ کے ناپاک وجود سے پاک کردوں گا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لئن عشت ان شاء الله لاخرجن اليهود والنصارىٰ من جزيرة العرب. (ترمذی: ص: ۲۹۰، ج۱)

انشاء اللہ اگر میں زندہ رہا تو میں یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دوں گا۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

لاخرجن اليهود والنصارى من

میں یہود ونصاریٰ کو ضرور بضرور جزیرۃ العرب

جزیرۃ العرب فلا اترك فیھا الا مسلما. (ترمذی: ص: ۲۹۰، ج ۱)

سے نکال باہر کروں گا اور یہاں مسلمانوں کے علاوہ کسی کو نہیں رہنے دوں گا۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری ص: ۴۴۹ جلد اول پر "اخراج الیہود من جزیرۃ العرب" کے عنوان سے باب باندھا ہے اور اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ذکر فرمائی ہے جس میں آپ ﷺ نے یہودیوں کو دوٹوک الفاظ میں آگاہ فرمادیا کہ تم لوگوں کی سلامتی کا راستہ صرف اسلام قبول کرنے میں ہے اور آپ نے انہیں یہ بھی فرمادیا کہ میں تمہیں عنقریب یہاں سے جلاوطن کرنے والا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ تمام مسلمانوں کو عموماً اور عرب کے مسلمانوں کو خصوصاً یہود ونصاریٰ کے ناپاک اثرات سے بچانا چاہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ عربوں پر یہود ونصاریٰ کا اثر جلدی پڑتا ہے اور طویل عرصے سے عرب کے "امی" یہودیوں کے ظاہری علوم وفنون سے بہت متاثر اور مرعوب تھے جس طرح آج کے اوباش عرب یہودیوں کی تہذیب سے متاثر ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پورے جزیرۃ العرب کو یہودیوں سے پاک فرمانے کا عزم فرمالیا تھا مگر آپ کو اسکا موقع نہ مل سکا اور آپ ﷺ کی یہ مبارک تمنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں پوری فرمادی۔ حضور اکرم ﷺ کو چونکہ اپنی امت کے بارے میں یہودیوں سے خطرہ تھا اس لئے آپ نے تفصیل کے ساتھ یہودیوں کے حالات اور بیماریوں کو بیان فرمایا اور یہودیوں کے انجام سے بھی امت کو آگاہ فرمایا۔ اور یہودیوں کے ساتھ چار جنگیں لڑ کر اس امت کو یہودیوں کے ساتھ جہاد کی اہمیت سے بھی آگاہ فرمادیا۔ نیز آپ ﷺ نے یہودیت کے سب سے بڑے فتنے دجال کا بھی تفصیل سے تذکرہ فرمایا اور مسلمانوں کو اس فتنے سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ اور آپ ﷺ نے اس فتنے کو روئے زمین کا سب سے بڑا فتنہ قرار دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ما بین خلق آدم الی قیام الساعۃ امر اکبر من الدجال. (مسلم شریف)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت قائم ہونے تک دجال سے بڑا کوئی معاملہ (فتنہ) نہیں ہے۔

احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دجال خود یہودی ہوگا۔ (ترمذی۔ ص:۵۰ ج۔ ۲)

اور اس کی پیروی کرنے والے بھی اکثر یہودی ہونگے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یتبع الدجال من یھود اصفھان سبعون الفا علیھم الطیالسۃ. (مسلم شریف)

اصفہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار دجال کی پیروی کریں گے اور ان پر سبز چادریں ہونگی۔

یعنی یہودیت کا شجرہ خبیثہ جب اپنی خباثت کے عروج پر پہنچے گا تو دجال کی صورت میں ظاہر ہوگا اور یہودیت کا یہ عروج اس کے انتہائی زوال کا پیش خیمہ بنے گا اور دجال کی ہلاکت کے ساتھ ساتھ تمام یہودی بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے۔

تھوڑا سا غور کیا جائے کہ آخر یہودیوں کو مدینہ منورہ سے کیوں نکالا گیا؟ یہودیوں سے جزیرۃ العرب کو پاک کرنے کا عزم آپ ﷺ نے کیوں فرمایا؟ بات بالکل واضح ہے کہ یہودیت ایک کینسر ہے جس میں ہزار کینسر مزید چھپے ہوئے ہیں اور یہودی اس کینسر کے بیوپاری اور تقسیم کنندگان ہیں اور وہ اس بیوپار کے اتنے ماہر ہیں کہ ہمیشہ اپنے اس کینسر پر ایسے لیبل چسپاں کر لیتے ہیں کہ مسلمان جوق درجوق مال دے دے کر اس کینسر کو خریدتے ہیں اور اپنے خون میں یہودی کینسر کے اثرات شامل کر لیتے ہیں۔ آج اگر عرب وعجم کے مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی پر غور کیا جائے اور ان کے گھروں میں موجود آلات اور لٹریچر کا مشاہدہ کیا جائے اور مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کی اکثریت کی سوچ کو پڑھا جائے تو آپکو ہر طرف یہودی سرطان کے کیڑے بلبلاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ حضور اکرم

ﷺ نے بہت پہلے مسلمانوں کو اس خطرے سے آگاہ فرمادیا تھا۔ مگر اس دور کے اکثر مسلمان اس سے غافل ہیں اور وہ اسلام سے ہٹ کر یہودیت کی طرف قدم بقدم بڑھتے چلے جارہے ہیں حالانکہ اسلام اور یہودیت آپس میں ذرہ برابر بھی میل نہیں کھاتے۔ کیونکہ اسلام توحید کا علمبردار ہے، جبکہ یہودیت شرک کی داعی ہے۔ اسلام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، جبکہ یہودیت آزادی اور نافرمانی کی علمبردار ہے۔ اسلام میں قربانی اور بہادری کی دعوت ہے جبکہ یہودیت بزدلی اور خود غرضی کا دوسرا نام ہے۔ اسلام کا منشور محبت ہے، یہودیت کا منشور تجارت ہے۔ اسلام صداقت اور اکل حلال کی تعلیم دیتا ہے، جبکہ یہودیت جھوٹ اور حرام خوری سکھاتی ہے۔ اسلام حکومت کا حقدار اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے جبکہ یہودیت یہ حق عوام کو دیتی ہے۔ اسلام ادب سکھاتا ہے، جبکہ یہودیت گستاخی کا دوسرا نام ہے۔ اسلام حیا اور پاکدامنی کی دعوت دیتا ہے، یہودیت جنسی بے راہ روی اور فحاشی کی علمبردار ہے۔ اسلام عورت کو مقدس امانت قرار دیتا ہے، جبکہ یہودیت عورت کو نفع بخش تجارت سمجھتی ہے۔ اسلام فکر آخرت کا نام ہے، جبکہ یہودیت دنیا کو مقصود بنانے کی دعوت دیتی ہے۔ اسلام غیرت اور شرافت کا نام ہے، یہودیت بے شرمی اور خباثت سے مرکب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اور یہودیت دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ اسلام کی اپنی بنیاد اور شاخیں ہیں جبکہ یہودیت کی اپنی بنیاد اور شاخیں ہیں اور اسلام کی بنیاد پر یہودیت کی شاخوں کو نہیں جوڑا جاسکتا اور نہ اسلام کے ساتھ یہودیت کی پیوندکاری کی جاسکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہودیت کن عقائد اور نظریات کا نام ہے؟ یعنی وہ کون سے غلط عقائد و اعمال ہیں جو یہودیت کی بنیاد اور شاخیں کہلاتے ہیں اور جنہیں اختیار کرنے کی وجہ سے یہودی اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکی لعنت کا شکار ہوئے اور ذلت اور مسکنت کو ان پر مسلط کردیا گیا۔ ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم ان عقائد اور اعمال کا پتا لگائیں کیونکہ جب یہودی ان عقائد و اعمال کو اختیار کرنے کی وجہ سے مغضوب علیھم بن گئے تو کوئی اور قوم بھی اللہ تعالیٰ کی رشتہ دار نہیں

ہے۔ بلکہ جو قوم خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں اگر ان عقائد اور اعمال کو اختیار کرے گی جنہیں ہم نے یہودیت کا نام دیا ہے تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو یہودیوں کا ہوا اور آج ہمیں خود مسلمان قوم پر ذلت و مسکنت کے کھلے آثار نظر آرہے ہیں جو اس بات کی واضح نشانی ہیں کہ مسلمانوں میں سے بہت سارے افراد نے یہودیت کی بعض شاخوں کو لے لیا ہے اور یہودیت کے بعض امراض ان کی رگوں میں بھی سرایت کرچکے ہیں۔

ایک مسلمان کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے عقائد اور اعمال میں بہت تاثیر رکھی ہے چنانچہ اسلامی عقائد اور اعمال میں بلندی اور ترقی کی تاثیر رکھی گئی ہے۔ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین. جبکہ کفریہ عقائد اور اعمال میں ذلت اور پستی کی تاثیر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ اگر مسلمان کافروں کے اعمال اختیار کرے گا تو ذلیل ہوجائے گا اور اگر کافر مسلمانوں کے اعمال اختیار کرے گا تو ان اعمال کے دنیوی فائدے ضرور پائے گا۔ اسی لئے قرآن مجید نے یہودیوں کے غلط عقائد اور غلط اعمال کو نہایت تفصیل سے بیان فرمادیا تاکہ پوری انسانیت ذلت کے ان تمام گڑھوں سے محفوظ رہے۔ ہم نے اس کتاب میں قرآن مجید کی اسی دعوت کو بیان کرنا ہے اور یہودیوں کے تمام امراض یعنی مکمل یہودیت کو قدرے تفصیل سے بیان کرنا ہے تاکہ مسلمانوں میں سے جو بھٹک چکے ہیں وہ واپس آجائیں اور جو راہ مستقیم پر قائم ہیں انہیں مزید استقامت نصیب ہو۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج عمومی اور اجتماعی طور پر مسلمان اجتماعیت اور مرکزیت سے محروم ہوچکے ہیں اور غیروں کے سہارے زندگی گزارنے پر مجبور کئے جارہے ہیں۔ ہمارے بچے بھی یہود و نصاریٰ کے مقروض پیدا ہوتے ہیں اور ہماری معیشتیں یہودیت کے قرضوں تلے آخری سانس لے رہی ہیں۔ ہمارے غریب سود دے کر قرضے لے رہے ہیں تاکہ روٹی کھاسکیں، اور ہمارے مالدار سود دیکر اپنا پیسہ یہودیوں کے بینکوں میں رکھوارہے ہیں۔ اسلام اور اسلامی احکامات اجنبی بنتے جارہے ہیں۔ مدینہ منورہ کی معاشرت کو عیب سمجھا

جاتا ہے اور نیویارک کی قابل نفرت معاشرت کے گن گائے جاتے ہیں۔ اسلام زندگیوں سے نکل رہا ہے اور یہودیت کا سانپ ہر گھر میں داخل ہو کر ایمان اور شرافت کو ڈس رہا ہے۔ دوسری طرف یہود و نصاریٰ کی فوجیں حرمین شریفین کے بالکل قریب پڑاؤ ڈالے پڑی ہیں اور ہمارے تمام خزانے ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حالات بے حد خراب اور دردناک ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمیں ہمارا کھویا ہوا سب کچھ واپس مل سکتا ہے بشرطیکہ ہم اسلام کو اپنا لیں اور یہودیت کو ٹھوکر مار کر اپنی زندگی، اپنے معاشروں، اپنے گھروں اور اپنے ایوانوں سے باہر نکال دیں۔ یقین کیجئے کہ جیسے ہی ہم یہودیت کو اپنے اندر سے نکال دیں گے فوراً ہمیں اپنی عظمت رفتہ واپس مل جائے گی۔ جانفزا عطر ماحول کو مہکانے کے لئے تیار ہے لیکن پہلے مرے ہوئے گلے سڑے سور کو وہاں سے ہٹانا پڑے گا۔ یہودیت اور ذلت دو لازم ملزوم چیزیں ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم یہودیت کو بھی اپناتے رہیں اور عزت کے خواب بھی دیکھتے رہیں۔ ہمیں اپنے اندر سے اور اپنے معاشرے سے یہودیت کے ایک ایک نشان کو مٹانا ہو گا اور ہمیں اب اس میں ذرہ برابر بھی دیر نہیں کرنی چاہئے...... اس بارے میں ہمارے ذمے اب دو کام ہیں: ایک خود کو اور اپنے نظام اور معاشرے کو یہودیت سے پاک کرنے کی جدوجہد کرنا۔ اور دوسرا میدانوں میں نکل کر یہودیوں کے مقابلے میں جہاد کرنا۔

اگر ہم نے ان دونوں کاموں کے لئے کمر کس لی اور مکمل عزم کر لیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ ہو گی اور بظاہر مشکل نظر آنے والے یہ دونوں کام بالکل آسان ہو جائیں۔ انشاء اللہ العزیز۔

دوسرا باب

یہود کی چالیس بیماریاں۔ مختصر جائزہ

وہ کونسا مرض تھا جو یہودیوں میں نہیں تھا؟ یقیناً یہ ایک مشکل سوال ہے؟ اور اسکا جواب ڈھونڈنا آسان نہیں ہے۔ اسی طرح اگر پوچھا جائے کہ یہودی کن کن امراض اور خرابیوں کا شکار تھے؟ تو اس سوال کا جواب بھی بہت مشکل ہے۔ وجہ صاف ہے کہ یہودیوں کا اکثریتی طبقہ سراپا فساد بن چکا تھا اور انکا پورا معاشرہ طرح طرح کی خرابیوں اور امراض کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور آج تک بنا ہوا ہے۔ یہودیوں نے ہر اچھائی کو چھوڑا اور ہر برائی کو اپنایا۔ ہر نیکی سے نفرت کی اور ہر گناہ کا استقبال کیا۔ بات اگر یہیں تک رہتی تو غنیمت تھی مگر یہود تو تمام حدود کو پھلانگ گئے۔ وہ صرف گناہ کرتے نہیں تھے بلکہ ان گناہوں کو پھیلاتے بھی تھے۔ وہ صرف برائیوں کا شکار ہی نہیں تھے بلکہ طرح طرح کی بیماریاں ایجاد کرتے تھے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہودی صرف شر کے مالک ہی نہیں بلکہ موجد اور بیوپاری بھی ہیں۔ ہر دن بلکہ ہر لمحہ ہر یہودی کی فکر یہی ہوتی ہے کہ وہ کوئی نئی برائی ایجاد کرے اور اسے پوری دنیا میں پھیلا دے اور برائی پھیلانے پر لوگوں سے مال اور داد وصول کرے۔ بس اسی وجہ سے یہ کہنا حق بجانب ہے کہ یہودی پوری انسانیت کے درمیان رستا ہوا کینسر ہیں جو خود تو گل سڑ چکا ہے مگر اب اس کے اثرات ہر طرف پھیل رہے ہیں اور اگر اس کینسر کو نہ کاٹا گیا یا اسکا راستہ نہ روکا گیا تو پوری انسانیت گل سڑ جائیگی اور تباہ ہو جائے گی۔ یہودیت کا یہ کینسر زدہ پھوڑا ”دجال“ کی صورت میں اپنی آخری خطرناک حد تک پہنچے گا اور انسانیت کو خوب نقصان

پہنچائے گا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے "انسانیت" کو "یہودیت" سے نجات دلانے کا فیصلہ ہو جائے گا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو یہودیت کے اثر سے بالکل پاک نبی تھے اور اب حضور اکرم ﷺ کے ایک امتی بن کر آئیں گے۔ دجال سمیت یہودیوں کا مکمل خاتمہ فرمادیں گے اور اس وقت کوئی پتھر بھی یہودیوں کو پناہ نہیں دے گا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کب اتریں گے؟ اسکا ہمیں کچھ علم نہیں۔ ان کا زمین پر اترنا یقینی ہے مگر ان کے اترنے کے وقت کو کوئی نہیں جانتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تک یہودیوں کے مکمل خاتمے کا انتظام نہیں ہوتا اس وقت تک کیا، کیا جائے؟ یہودی تو ہر گھڑی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ یہودی بیوپاری طرح طرح کے امراض اور خرابیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے نفاق زدہ حکمران مسلمانوں کا سرمایہ اور اسلامی زمینوں کے خزانے لٹا کر یہودیوں سے یہودیت خرید کر مسلمانوں میں پھیلا رہے ہیں۔ چنانچہ حکومت کے ایوانوں سے لیکر مسلمانوں کے عام گھروں تک میں یہودیت تیزی کے ساتھ گھس رہی ہے۔ اور مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی یہودیت کے گندے اثرات سے متاثر ہوتی جارہی ہے اور اسلامی معاشرہ ہر طرف سے تیر کھا کر اپنی اسلامیت کھوتا جارہا ہے۔ والی اللہ المشتکی۔ افسوس صد افسوس! کہ آج مسلمان خود اپنے معاشرے اور اپنی زندگی سے اسلام کو دھکے دیکر نکال رہے ہیں کیونکہ اسلامی اقدار واخلاق کو قدامت پسندی قرار دے دیا گیا ہے۔ جبکہ یہی مسلمان اپنا سب کچھ لٹا کر یہودیت کو اپنے معاشرے اور زندگی میں گھساتے جارہے ہیں کیونکہ وہ یہودیت کو جدت اور ترقی پسندی سمجھتے ہیں اور وہ اس بات کو بھلا چکے ہیں کہ یہودیت کا منحوس سایہ جس معاشرے اور جس گھر پر پڑتا ہے وہاں اللہ کے غضب اور ذلت ومسکنت کے پتھر برستے ہیں اور آج یہ پتھر برس رہے ہیں اور مسلمان دنیا میں رشوت دیکر جی رہے ہیں، سود دیکر کھا رہے ہیں، اور اپنا تشخص کھوتے جارہے ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے نظام کو اور اپنے معاشرے اور ذات کو یہودیت کے منحوس اثرات سے پاک کریں اور حقیقی مسلمان بن کر میدان جہاد میں یہودیوں کو للکاریں، تب انہیں معلوم ہوگا کہ یہودی تو دنیا کی سب سے بزدل اور کم ہمت قوم ہے اور جس دشمن کو وہ لوہے کا پہاڑ سمجھ رہے تھے وہ تو مکڑی کا جالا ہے۔ مگر اس کے لئے شرط یہی ہے کہ مسلمان یہودیت کے امراض سے پاک ہو کر میدان میں اتریں کیونکہ اگر وہ خود یہودیت کے امراض واثرات میں جکڑے ہوئے ہونگے تو پھر وہ یہودیوں کو شکست نہیں دے سکیں گے اور نہ ان کے لئے آسمان سے نصرت اترے گی۔ وہ برائیاں اور عادتیں جنکی وجہ سے یہودیوں پر ذلت اتر رہی ہے جب مسلمانوں میں بھی ہونگی تو ان پر نصرت نہیں بلکہ ذلت اُترے گی اور ان حالات میں یہودیوں کو دوسرے کفار مثلاً عیسائیوں اور مشرکوں کی حمایت بھی حاصل ہوگی اور وہ اس حمایت کی بدولت مسلمانوں سے شکست نہیں کھائیں گے۔ اور آج یہی کچھ ہو رہا ہے اس لئے قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ یہودیوں کے ان امراض کو ذکر کیا ہے جنکی وجہ سے اللہ کی محبوب قوم مغضوب بن گئی۔ یہود کے یہ امراض بہت زیادہ ہیں قرآن مجید میں غور کرنے کے بعد ہم نے ان امراض کے لئے چالیس عنوانات کا انتخاب کیا ہے یعنی "یہود کی چالیس بیماریاں" ذیل میں ان چالیس بیماریوں کی فہرست پیش کی جارہی ہے۔ انشاء اللہ آگے چل کر ان میں سے ہر بیماری کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہود کی بیماریاں اور خرابیاں چالیس سے بہت زیادہ ہیں مگر ہم نے بات سمجھانے کے لئے چالیس عنوان قائم کئے ہیں اور ان کے ذیل میں اور بھی کئی بیماریوں کا تذکرہ آجاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جب کوئی انسان بہت زیادہ بیمار ہوجاتا ہے اور اس کے اعصاب اور قویٰ میں اعتدال نہیں رہتا تو اسکی بے شمار بیماریاں آپس میں خلط ہوجاتی ہیں، یہی حال یہود کا ہے کہ ان کی ہر بیماری کے اندر کئی بیماریاں گھسی ہوئی ہیں اور کئی بیماریاں ایسی خلط ہوچکی ہیں کہ ان میں سے ہر بیماری پر دوسری بیماری کا

اثر نظر آتا ہے۔ اس لئے درج ذیل فہرست کے بارے میں یہ نہ سوچا جائے کہ یہ تو مختصر ہے اور یہ بھی خیال نہ کیا جائے کہ اسمیں تو تکرار ہے۔

یہود کی چالیس بیماریوں کی فہرست

(۱) اللہ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی اور حدود سے تجاوز (۲) بغیر ایمان اور عمل کے صرف نسبت پر فخر (۳) تفریق فی الایمان یعنی بعض احکامات کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا (۴) خواہشات نفسانی کو اپنا معبود بنانا (۵) کتمان حق یعنی حق کو چھپانا (۶) تلبیس بین الحق والباطل، حق اور باطل کو خلط کرنا (۷) دین میں تحریف اور دین فروشی (۸) حرص اور بے صبری (۹) جھوٹ، دھوکہ اور خیانت کی عادی زبانیں (۱۰) بخل اور ترغیب بخل (۱۱) انبیاء کرام پر عدم اعتماد (۱۲) دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت (۱۳) جہاد سے روگردانی (۱۴) عہد شکنی (۱۵) احکام الٰہی میں چون چرا (۱۶) اپنے گناہ دوسروں کے سر ڈالنا (۱۷) تحلیل حرام اور حرام خوری (۱۸) اپنوں کے خلاف غیروں کا تعاون (۱۹) بے سند دعوے اور فضول خوش فہمیاں (۲۰) بلعمیت (۲۱) حسد اور ضد کی وجہ سے باہمی فرقہ واریت (۲۲) باہمی قتل وغارت (۲۳) زندگی کا حرص اور بزدلی (۲۴) حق کو پہچان کر اسکا انکار کرنا (۲۵) احکام الٰہی پر رکیک اعتراضات (۲۶) فرشتوں میں تفریق (۲۷) قارونیت (۲۸) اطاعت اولی الامر کا فقدان (۲۹) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک (۳۰) جادو میں انہماک (۳۱) کتاب اللہ کو نافذ نہ کرنا (۳۲) اہل حق کو ستانے، گمراہ کرنے یا تباہ کرنے کا ٹھرک (۳۳) قساوت قلبی (۳۴) حضرت مریم پر تہمت (۳۵) اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام کی توہین اور گستاخی (۳۶) سامریت (۳۷) انبیاء کرام کا قتل (۳۸) نفاق (۳۹) کفر (۴۰) شرک۔

تیسرا باب

چالیس بیماریوں کا قدرے تفصیلی جائزہ

گلا اور معدہ خواہ کسی کا بھی ہو، چھری کا کام کاٹنا اور مہلک زہر کا کام مارنا ہے۔ وہ چالیس بیماریاں جنکا تذکرہ قرآن مجید نے کیا ہے اور یہودیوں میں انکی موجودگی کا پتہ بتایا ہے، مہلک زہر کی چالیس اقسام ہیں۔ یہ زہر یہودیوں نے کھایا اور خوب کھایا چنانچہ وہ تباہ و برباد ہوگئے اور اب تک ذلیل و رسوا اور دوسروں کے محتاج ہیں اور اس زہر نے یہودیوں پر ایمانی اور اخلاقی اعتبار سے موت طاری کردی اور وہ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور اخلاق سے بھی، انکی آخرت بھی تباہ ہوئی اور دنیا بھی۔ اب یہی زہر وہ دوسروں میں بانٹ رہے ہیں تاکہ اپنے دوزخ کے رفقاء کی تعداد بڑھا سکیں اور دنیا کو کفر و فساد سے بھر سکیں۔ اس باب میں ہم یہودیوں کی ان چالیس بیماریوں کا قدرے تفصیلی جائزہ لیں گے۔ اس جائزے کی ترتیب یوں ہوگی کہ سب سے پہلے ہم قرآن مجید سے ثابت کریں گے کہ ان چالیس بیماریوں میں سے ہر بیماری پوری قوت کے ساتھ یہودیوں میں موجود تھی اور موجود ہے۔ قرآن مجید کی شہادت سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔ ہر مسلمان قرآن مجید کی صداقت پر مکمل ایمان رکھتا ہے اور یہود و نصاریٰ کے منصف محقق بھی قرآن مجید کو سچی کتاب مانتے ہیں مگر ضد اور عناد کی وجہ سے اس پر ایمان لانے کا اعلان نہیں کرتے۔ دوسرے نمبر پر ہم ان یہودی بیماریوں کے برعکس قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں اسلامی دعوت پیش کریں گے جس پر عمل کرنا ان بیماریوں کا علاج اور سدّباب ہے اور بعض مقامات پر ہم یہودی اکابرین اور اسلام کے

اکابرین کا موازنہ بھی پیش کریں گے۔ جو مسلمانوں کو انکا تابناک اور قابل رشک ماضی یاد دلانے میں مدد ہوگا اور آخر میں ہم عبرت اور موعظۃ کے عنوان سے اس بات کا جائزہ لیں گے کہ یہ یہودی بیماریاں کہیں مسلمانوں میں تو نہیں پھیل رہیں۔ قرآن مجید نے یہودیوں کو مسلمانوں کا سب سے بدترین اور سخت دشمن قرار دیا ہے اور اس طرح کا دشمن ہمیشہ خفیہ وار کرتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان بیماریوں کی تفاصیل کو اچھی طرح پڑھیں اور پھر اپنے اندر جھانک کر دیکھیں اور اپنی روح، اپنے عقیدے، اپنی نیت اور اپنے اعمال کو خوب اچھی طرح کھنگالیں اور اگر خدانخواستہ کہیں بھی یہودیت کا ادنیٰ سا اثر نظر آئے تو اسے مٹانے، اسے ہٹانے اور اس سے بچنے کی پوری کوشش کریں۔

یہودیوں کی پہلی بیماری

اللہ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی اور حدود سے تجاوز

یہود کی دیگر بیماریوں مثلاً کفر، شرک اور قتلِ انبیاء کے مقابلے میں یہ بیماری بظاہر بہت چھوٹی اور ادنیٰ معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی بیماری انکی دیگر بیماریوں کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کر کر کے دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ان دلوں میں خیر کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت ہی انسان کی انسانیت ہے۔ چنانچہ جس انسان میں یہ خوبی نہیں ہے وہ اگرچہ شکل وصورت کے اعتبار سے انسان نظر آتا ہو لیکن حقیقت میں وہ انسانیت کے جوہر سے محروم اور جانوروں سے بدتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی ایک بندے کی شان ہے اور یہی بنی آدم کا امتحان ہے۔ یہودی یہ شان حاصل کرنے میں اور اس امتحان میں پورا اترنے سے بری طرح ناکام رہے۔ کیونکہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں تھی۔ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے انبیاء کی محبت سے خالی تھے۔ یہودی خود غرض اور نفس پرست تھے اور آخرت کو بھلا چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کو ہمیشہ ٹھکرادیا جو خود ان کے فائدے کے لئے اترے تھے اور انہوں نے رسولوں کی دردبھری دعوت پر کان نہیں دھرے حالانکہ اس دعوت کو قبول کرنے ہی میں ان کے لئے دنیا آخرت کی سعادتیں چھپی ہوئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اطاعت کی بجائے نافرمانی اور آزادی کو فخر سمجھا جو کہ کسی بھی انسان کے لئے فخر نہیں ایک بڑا عیب اور عار ہے۔ قرآن مجید نے یہودیوں کے عصیان اور نافرمانی کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے چند آیات ملاحظہ فرمایئے:

(۱) وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. (بقرہ: ۶۱)

اور ذلت (ورسوائی) اور محتاجی (بے نوائی) ان پر مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوگئے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کردیتے تھے۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

یعنی نافرمانی اور حدود سے تجاوز کی وجہ سے کفر اور انبیاء کے قتل میں مبتلا ہوئے اور کفر اور انبیاء کے قتل کی پاداش میں ان پر ذلت، مسکنت اور اللہ تعالیٰ کا غضب مسلط ہوگیا۔

(۲) وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ. (بقرہ: ۶۵)

اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل وخوار بندر ہو جاؤ۔

حکم ملا تھا کہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار نہیں کرنا مگر انہوں نے اللہ رازق کے اس حکم کو اپنی روزی میں ترقی کے خلاف سمجھا اور حیلے بہانے کرکے ہفتے کے دن شکار کرنے لگے۔ چنانچہ ان کی شکلیں مسخ کردی گئیں۔ آج کے یہودی اپنے بڑوں کے اس عبرتناک انجام سے بخوبی واقف ہیں مگر پھر بھی انہوں نے خود کوئی عبرت نہیں لی اور آج تک حرام کھا رہے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلا رہے ہیں بلکہ حرام لین دین کی نحوست میں پوری دنیا کو جکڑ رہے ہیں۔ تورات کو تو انہوں نے بدل ہی ڈالا اب اس بدلی ہوئی تورات پر بھی ان سے عمل نہیں بن پاتا۔

(۳) وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ

بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا. (بقرہ: ۹۳)

اور جب ہم نے تم لوگوں سے عہد لیا اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا کہ) جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور (تمہیں جو حکم ہوتا ہے اسے) سنو تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے سن لیا لیکن مانتے نہیں۔

بنی اسرائیل فرعون کی بدترین غلامی کا شکار تھے اور دن رات فرعونیوں کے اشاروں پر ناچتے اور ذلت ناک خدمات سرانجام دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور انہیں آزادی ملی۔ آزادی کے بعد انہوں نے شریعت مانگی تو تورات جیسی عظیم الشان کتاب ملی، تب انہوں نے اسے ماننے سے انکار کردیا چونکہ ان کی ذہنیت غلاموں جیسی ہو چکی تھی کہ بغیر شدت اور ڈنڈے کے کچھ نہیں ماننا، اس لئے ان پر کوہ طور کو لا کھڑا کیا گیا اور چاروں طرف آگ جلادی گئی، یہ حالات دیکھ کر انہوں نے اطاعت کا وعدہ کر لیا مگر جیسے ہی پہاڑ ان کے سر سے ٹلا تو انہوں نے "عصینا" یعنی ہم نے تو نافرمانی کا عزم کر رکھا ہے کا نعرہ بلند کردیا۔ کیسی بدقسمتی کی بات ہے کہ جو لوگ انہیں ذلت میں ڈالتے رہے انکی یہ رات دن مانتے رہے اور جب کامیابی اور عزت کا راستہ ملا اور اس پر چلنے کی تاکید خود اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے فرمائی تب یہ اکڑ گئے اور انکار کرنے لگے۔ بدقسمتی کی یہ صورت حال آج تک جاری ہے کہ یہود اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ کے احکامات تو نہیں مانتے البتہ ہر دور میں کسی نہ کسی قوم یا فرد کے تلوے چاٹتے رہتے ہیں۔

(۴) وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ. فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کرلو اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھاؤ اور (جب شہر میں داخل ہونا) "حطۃ" (یعنی توبہ توبہ) کہنا اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔ ہم تمہارے گناہ معاف

مِنهُمْ قَوْلاً غَيْرَ الَّذِیْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ. (اعراف: ۱۶۱، ۱۶۲)

کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے مگر جو ان میں ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جسکا ان کو حکم دیا گیا تھا بدل کر اسکی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لئے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

پہلے انہیں شہر میں داخلے کے لئے جہاد کا حکم ملا تو نافرمانی کی اور لڑنے سے انکار کر دیا چنانچہ اسکی سزا کے طور پر چالیس سال تک "وادی تیہ" میں بھٹکتے رہے پھر شہر میں داخلے کی اجازت ملی مگر شرط یہ رکھی گئی کہ جھک کر اور "حطۃ" کہتے ہوئے یعنی استغفار کرتے ہوئے داخل ہوں۔ اس پر انکی نافرمانی والی رگ پھر پھڑک اٹھی اور وہ جھک کر چلنے کی بجائے سرینوں پر چل کر زبان سے "حطۃ" کی بجائے "حنطۃ" یعنی گندم کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کھلم کھلا نافرمانی پر طاعون کے مرض نے انہیں آگھیرا اور اس میں ان کے ستر ہزار افراد ہلاک ہوگئے۔ کس قدر بد قسمتی کی بات ہے کہ ایک گناہ بے لذت اور معصیت برائے شرارت کی وجہ سے اتنی بربادی جھیلی جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مان لیتے تو مغفرت اور طرح طرح کی نعمتیں پاتے۔ لیکن جب دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور ان میں خیر کی رمق باقی نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ کے آسان سے آسان حکم پر عمل کرنا مشکل اور شیطان کے مشکل سے مشکل حکم کو ماننا نفس کو مرغوب ہو جاتا ہے۔ یہود آج بھی اسی طرح کے بے لذت گناہوں میں مبتلا ہیں اور انہوں نے ان گناہوں کو دور دور تک پھیلا دیا ہے۔

(۵) وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (اعراف: ۱۷۱)

اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گر پڑیگا تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو اور جو اسمیں

لکھا ہے اس پر عمل کرو تا کہ بچ جاؤ۔

مزہ تو یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی اور خوشی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے تبھی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی محبت اور رحمت نصیب ہوتی ہے۔ واللہ یحب المحسنین (اللہ تعالیٰ دل سے نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے) یہودیوں کو اس کی توفیق نہیں تھی مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کی نوازشات دیکھئے کہ زبردستی ان پر خیر کو لادا گیا اور انہیں بھلائی کے رستے پر چلنے کے لئے مجبور کرنے کے لئے پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ کر ان کے سروں پر لا کھڑا کیا گیا مگر نافرمانی ان کی گھٹی میں پڑ چکی تھی۔ چنانچہ پہاڑ کے ہٹتے ہی وہ علانیہ نافرمانی پر اتر آئے۔

(۶) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (الحشر: ۴)

یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہے۔

یہودیوں کے مشہور اور طاقتور قبیلے بنی نضیر کو حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا تھا۔ قرآن مجید انکی اس ذلت اور شکست کا سبب بتا رہا ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت اور نافرمانی کی وجہ سے وہ نہ دنیا کے رہے نہ آخرت کے، نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اسکی بجائے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات مان لیتے اور رسول کی پیروی کر لیتے تو انہیں آخرت میں کامیابی اور دنیا میں حکومت و ریاست سبھی کچھ مل جاتا مگر ان کے دل ٹیڑھے ہو چکے تھے۔ ایک آسان کام جس میں ان کے لئے فلاح ہی فلاح تھی ان کو مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا تھا۔

(۷) فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ. (الصف: ۵)

پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور (زیادہ) ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

بدی کرتے کرتے قاعدہ ہے کہ دل سخت اور سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے حتی کہ نیکی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ ہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسول سے ضد ہی کرتے رہے اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے تو آخر مردود ہوئے اور اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا کہ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ کی یہی عادت ہے۔ (تفسیر عثمانی: ص:۷۳۱)

یہودیوں نے اونچے اونچے دعوے کئے مگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ان کا ہر دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا اور وہ ان تمام کامیابیوں اور بھلائیوں سے محروم ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرنے سے انہیں نصیب ہوتیں۔ اسی صورت حال کے مد نظر قرآن مجید نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا بار بار حکم دیا اور انہیں یہ بات باور کرائی کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر انکا دعویٰ ایمان قابل قبول نہیں ہو سکتا اور نہ وہ اس کے بغیر دنیا کے امتحانات اور آخرت کی آزمائشوں میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

پھر قرآن مجید نے مسلمانوں کو یہ بھی سکھلایا کہ محبت کے بغیر اطاعت اور اطاعت کے بغیر محبت نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی مقبول۔ چنانچہ قرآن مجید کی آفاقی آیات نے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ اور اس کے تمام رسولوں خصوصاً حضرت محمد ﷺ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی اور اس محبت کی حفاظت اور اس محبت کی کامیابی کا طریقہ اطاعت کو قرار دیا۔

آیئے چند قرآنی آیات اور احادیث کو پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہمارا مہربان رب ہمیں کس قدر تاکید کے ساتھ اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم فرما رہا ہے۔ حالانکہ وہ ہماری اطاعت کا محتاج نہیں ہے، بلکہ ہم اسکی اطاعت کرنے کے محتاج ہیں۔

اسلامی دعوت

اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت

(۱) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ.
(آل عمران: ۳۱، ۳۲)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اسکے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

یعنی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت نہ کرنا کفر ہے اور اس کفر کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے محبوب ہیں، بہت عجیب ہے۔ یہود و نصاریٰ نافرمانی کا کفر بھی کرتے تھے اور ساتھ ساتھ محبوب ہونے کے دعوے بھی۔ چنانچہ اس آیت میں ان پر رد فرمایا گیا ہے اور مسلمانوں کو محبت الٰہی کے حقیقی راستے یعنی اطاعت کی تلقین فرمائی گئی ہے کیونکہ مسلمان تو کہتے ہی اسے ہیں جو فرمانبردار ہو، اللہ کا بھی اور اس کے رسول کا بھی۔

(۲) وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (آل عمران: ۱۳۲)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہونے کے لئے شرط ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، جیسا کہ آیت مبارکہ میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی کچھ نافرمانی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت اٹھ گئی۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کر کے اس آیت میں یہ سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت کی

امید تبھی کی جاسکتی ہے جب اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کی جائے۔

(۳) تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ.

(النساء: ۱۳، ۱۴)

یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کریگا اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور رسول کی نافرمانی کریگا اور اسکی حدود سے تجاوز کریگا اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اسکو رسوا کن عذاب ہوگا۔

ان آیات سے قبل میراث، وصیت اور یتیموں کے حقوق کے بارے میں احکامات بیان فرمائے گئے اور پھر ان آیات میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر اخروی کامیابی چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ احکامات پر عمل کرو یعنی زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے۔ خواہ ان احکامات کا تعلق میراث اور وصیت سے ہو یا یتیموں کے حقوق سے یا مسلمانوں کے اجتماعی یا انفرادی زندگی کے کسی اور شعبے سے۔ اور ان تمام شعبوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا آگ میں جلنا ہے۔ آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی۔ اور آج یہ آگ ہر طرف بھڑکتی نظر آرہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی عام ہوچکی ہے۔ خصوصاً عائلی معاملات میں تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہیں کی جاتی۔

(۴) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اپنے حکام کی اور اگر کسی بات

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا.

(النساء: ۵۹)

میں تم میں اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اسکا انجام بھی اچھا ہے۔

حقیقت میں تو حکم اور اطاعت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی لازم ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے "ان الحکم الا للہ" لیکن اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تشریح و تفصیل کا کام حضور اکرم ﷺ کے ذمہ ہے، اس لئے حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال بھی حقیقت میں حکم الٰہی کے ترجمان ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کی اطاعت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ پھر ان احکامات کو نافذ کرنے کا کام اسلامی حکمرانوں کے سپرد ہے۔ اور ان میں غیر منصوص احکامات کی قرآن و سنت کی روشنی میں تخریج علماء مجتہدین کا کام ہے۔ چنانچہ اولوالامر یعنی حکام اور علماء مجتہدین کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا۔ یہ اطاعت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکام ہی کی اطاعت ہے لیکن اس آخری قسم یعنی "اولوالامر" کی اطاعت کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کا حکم یا انکی تخریج اللہ تعالیٰ کے حکموں کے خلاف نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

السمع والطاعة حق مالم یؤمر بمعصیة، فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة.

(بخاری: ص:۴۱۵، ج۱)

امام کی بات سننا اور ماننا ہر شخص پر ضروری ہے جب تک کسی گناہ کی بات کا حکم نہ دیا جائے۔ پھر اگر کسی گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ضروری ہے نہ ماننا۔

اس لئے فقہ کی کتابوں میں نہایت صراحت کے ساتھ یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص خواہ وہ حاکم ہی

کیوں نہ ہو کسی مسلمان حجام سے کہے کہ میری ڈاڑھی مونڈ دو یا اس میں غیر شرعی تراش خراش کردو تو حجام کے لئے اسکا حکم ماننا حرام ہے۔

البتہ یہاں پر یہ بات ذہن میں ہونی چاہئے کہ امت مسلمہ کے معتبر اور مقبول فقہاء اسلاف کی تخریجات کے بارے میں بلا دلیل یہ فیصلہ کردینا کہ انکی مرتب کردہ فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے، ہرگز درست نہیں ہے بلکہ یہ بھی قیامت کی علامات میں سے ہے کہ امت کا آخری طبقہ پہلوں کو برا بھلا کہنے لگ جائیگا۔ جو بجائے خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

(۵) وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلاَّ لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ.

(النساء: ۶۴)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اسکا حکم مانا جائے۔

(۶) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا.

(النساء: ۸۰)

جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو ہم نے آپ کو انکا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

ان دونوں آیات کی تشریح حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے بخوبی ہو جاتی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قالوا: ومن یأبی؟ قال: من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد أبی.

(صحیح بخاری: ص:۱۰۸۱، ج۲)

میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو انکار کرے گا۔ پوچھا گیا کہ انکار کرنے والے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

ایک اور روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

انما مثلی ومثل ما بعثنی اللہ به کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رأیت الجیش بعینی وانی انا النذیر العریان فالنجاء، فاطاعه طائفة من قومه فادلجوا وانطلقوا علی مهلهم فنجوا، وکذبت طائفة منهم فاصبحوا مکانهم فصبحهم الجیش فأهلکهم واجتاحهم، فذلك مثل من اطاعنی فاتبع ما جئت به، ومثل من عصانی وکذب بما جئت به من الحق.

(بخاری: ص:۱۰۸۲، ج۲)

میری اور اس دین کی مثال جس کو دیکر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اس آدمی جیسی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن کا) لشکر دیکھا ہے اور میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں تم اپنے بچاؤ کا سامان کرو۔ پس قوم میں سے ایک جماعت نے اس کی بات مان لی اور اندھیرے ہی میں نکل گئی اور اپنے بچاؤ کی جگہ پہنچ گئی جبکہ ایک جماعت نے اسے جھٹلا دیا اور وہ اپنی جگہ پر ہی رہے پس صبح ہوتے ہی دشمن نے ان پر حملہ کردیا اور ان کو ہلاک و برباد کردیا۔ پس یہی مثال میری اتباع کرنے والوں کی اور میرے دین کو جھٹلانے والوں کی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت آپ کے مبارک زمانے سے لے کر قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہوئی ہے اس لئے آپکی اطاعت ہی اب کامیابی کا واحد راستہ ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس امت میں سے جو شخص بھی ہو، خواہ نصرانی ہو یا یہودی، جو بھی میری نبوت کی خبر پائے گا اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے بغیر مر جائیگا وہ یقیناً جہنمی ہے۔ (صحیح مسلم)

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

(۷) وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاۤءَتْ مَصِيْرًا. (النساء: ۱۱۵)

رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

اس آیت میں امت مسلمہ کی کامیابی اور وحدت کے لئے دو نسخے بتائے گئے ہیں: ایک اطاعت رسول اور دوسرا اجماع امت کا احترام، اور ان دونوں سے محرومی کو ابدی محرومی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

(۸) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۤءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا. (النساء: ۶۹)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے دن) ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔

اس آیت مبارکہ کے شان نزول میں حضرات مفسرین نے جو سچے واقعات لکھے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی والہانہ محبت اور شیفتگی کا اظہار کرنے کے بعد اس پر اپنی تشویش ظاہر فرمائی کہ دنیا میں تو ہمیں آپکا قرب اور محبت نصیب ہے لیکن آخرت میں آپ کے بلند مقامات تک ہماری رسائی نہیں ہو سکے گی اور یوں ہم وہاں پر آپ کی زیارت اور محبت سے محروم رہیں گے۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اور قیامت تک کے اطاعت گزاروں کو یہ خوشخبری سنادی گئی کہ انہیں جنت میں حضور اکرم ﷺ، اور صدیقین، شہداء اور صالحین کی زیارت اور ملاقات نصیب ہوگی بس اس سے بڑھ کر اطاعت گزاری کا اور کیا انعام ہو سکتا ہے؟

(۹) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ. (مائدہ: ۹۲)

اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔ اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کھول کر پہنچا دینا ہے۔

اس آیت سے پہلے حلال و حرام کے بعض احکامات، قسم کے کفارے، اور اپنی اچھی قسموں کی حفاظت کی تاکید نیز شراب، جوئے، بت پرستی اور تیروں کے ذریعے فال نکالنے کی حرمت کا بیان ہے۔ ان تمام معاشی اور معاشرتی احکامات کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تاکید فرمائی جا رہی ہے کیونکہ اطاعت کا جذبہ ہوگا تبھی ان احکامات پر عمل کرنا ممکن اور آسان ہوگا لیکن اگر اطاعت کا جذبہ نہیں ہوگا تو انسان اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ معیشت کی بجائے کافروں کی سودی اور حرام معیشت کو اختیار کریگا اور شراب جوئے وغیرہ خرابیوں سے بھی نہیں بچے گا اور یوں اسکی دنیا تباہ اور آخرت ویران ہو جائیگی۔ اس لئے کسی بات کی حکمت یا نفع نقصان سمجھ آئے یا نہ آئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔

(۱۰) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (انفال: ۱)

(مجاہد حضرات) آپ سے غنیمت کے مال کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا مال ہے پس اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر ایمان والے ہو تو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔

یعنی فتح کی خوشی ہو یا شکست کا غم، غربت و فقر و فاقے کی دھول ہو یا مال غنیمت کے ڈھیر مؤمن کا کام بس اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ بھلا وہ شخص کیسے مؤمن ہو سکتا ہے جو خوشی اور غم کے وقت اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ یہی

حال یہودیوں کا تھا اور یہی حال ان لوگوں کا ہے جن میں یہودیت کے اثرات داخل ہوتے جارہے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔

(۱۱) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُو اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ. وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ. (الانفال: ۲۰، ۲۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو کہتے ہیں کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا مگر (حقیقت میں) نہیں سنتے۔

اس سے پہلے فرمایا گیا کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا اور رسول کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے جس سے وہ خدا کی نصرت اور حمایت کے مستحق ہوں؟ سو بتلا دیا کہ ایک مؤمن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن خدا اور رسول کا فرمانبردار ہو۔ احوال وحوادث خواہ کتنا ہی اسکا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سن کر سمجھ چکا اور تسلیم کر چکا تو قولاً وفعلاً کسی حال میں ان سے منہ نہ پھیرے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو صرف زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سننا ہی کیا جو آدمی سیدھی سی بات کو سن کر سمجھے نہیں یا سمجھ کر قبول نہ کرے؟ پہلے یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا سمعنا وعصینا (ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں) مشرکین کا قول آگے آتا ہے قد سمعنا لو نشاء لقلنا مثل هذا یعنی جو قرآن آپ سناتے ہیں بس ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔ مدینہ کے منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے اور دل سے اسی طرح منکر رہے۔ بہر حال مؤمن صادق کی شان ان یہود اور مشرکین ومنافقین کی طرح نہ ہونی چاہئے اس کی شان یہ ہے کہ دل سے، زبان سے، عمل سے، حاضر وغائب، احکام الٰہیہ اور فرامین نبویہ پر نثار ہوتا رہے۔ (تفسیر عثمانی: ص: ۲۳۷)

(۱۲) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ. (انفال: ۲۴)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت وہ بلائیں تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اس کے روبرو جمع کئے جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کے لئے چند نصائح ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرنے ہی میں بھلائی اور زندگی ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ کی دعوت ہی میں دنیا میں عزت کی زندگی اور آخرت میں حیات ابدی کا پیغام ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں اطاعت کی برکت سے کفر اور معصیت کو نہیں آنے دیتا اور کافر کے دل میں نافرمانی کی نحوست کی وجہ سے ایمان وطاعت کو نہیں آنے دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ فرمانبرداری بڑی نافع چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ نافرمانی بڑی مضر چیز ہے۔ (ملخص از بیان القرآن)

(۳) جب بھی کسی نیک کام کے کرنے یا گناہ سے بچنے کا موقع آئے تو اس میں دیر نہیں کرنی چاہئے کیونکہ بعض اوقات آدمی کے ارادے کے درمیان قضائے الٰہی حائل ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ (ملخص از معارف القرآن)

(۱۳) وَاَطِیْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ. (انفال: ۴۶)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے

والوں کے ساتھ ہے۔

(۱۴) وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۤءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰۤئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. (توبہ: ۷۱)

اور مومن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی رحم کرے گا بے شک اللہ تعالی غالب حکمت والا ہے۔

پچھلی آیات میں منافقین کی عادتوں کا بیان تھا، وہ عادتیں جن کی وجہ سے وہ لعنت کے مستحق ہوئے۔ اس آیت میں ایمان والوں کی صفات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ پس جن میں یہ صفات ہونگی وہی سچے مؤمن ہونگے اور وہی رحمت الٰہی کے مستحق ہونگے۔

(۱۵) اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ. (نور: ۵۱)

مؤمنوں کی تو بات یہ ہے کہ جب اللہ اور اسکے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کردیں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا اور تو ایسے لوگ ہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

یعنی سچے مؤمن کی شان ہی یہی ہے کہ جب بھی اسے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اپنی رائے اپنی خواہش اور اپنا موقف سب کچھ چھوڑ دیتا ہے اور فوراً اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کردیتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں فوز یعنی دین دنیا کی

کامیابی کے لئے چار چیزوں کو بیان کیا گیا ہے (۱) اللہ کی اطاعت (۲) رسول کی اطاعت (۳) خشیت (۴) تقویٰ۔

روایات میں ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں کھڑے تھے اچانک ایک رومی دھقانی آدمی بالکل آپ کے برابر آکر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا انا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ. حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا میں اللہ کے لئے مسلمان ہوگیا ہوں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا اس کا کوئی سبب ہے؟ اس نے کہا: ہاں بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور، اور انبیاء سابقین کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب قدیمہ کو اپنے اندر سمو لیا ہے تو مجھے یقین ہوگیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے: تو اس رومی دھقان نے یہی آیت مذکورہ تلاوت کی اور اس کے ساتھ اس کی تفسیر بھی عجیب وغریب اس طرح بیان کی۔ من یطع اللہ. فرائض الٰہیہ کے متعلق ہے۔ ورسولہ. سنت نبوی کے متعلق ہے۔ ویخش اللہ. گذشتہ عمر کے متعلق ہے۔ ویتقہ. آئندہ باقی عمر کے متعلق ہے۔ جب انسان ان چاروں چیزوں کا عامل ہو جائے تو اس کو اولئک ھم الفائزون. کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اس کو ٹھکانہ ملے۔ (قرطبی بحوالہ معارف القرآن: ص: ۴۳۷، ج۶)

(۱۶) قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ. (نور: ۵۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالی کی فرمانبرداری اور رسول کی فرمانبرداری کرو پھر اگر منہ موڑوگے تو رسول پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو ان کے ذمے ہے اور تم پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو تمہارے ذمے ہے اور اگر تم انکے فرمان پر چلو

گے تو سیدھا راستہ پالو گے اور رسول کے ذمے تو صاف صاف (احکام الٰہی) کو پہنچا دینا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں ان لوگوں کو زمین پر حکومت دینے کا وعدہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے کامل فرمانبردار ہیں اور انہیں یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ وہ زمین پر حکومت پا کر اللہ کے دین کی تنفیذ کریں گے اس کے بعد والی آیت میں پھر تمام انسانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ اگر اللہ کی رحمت چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

(۱۷) فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (النور: ۶۳)

تو جو لوگ ان (یعنی اللہ یا رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہئے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔

فتنہ سے مراد کفر و نفاق کا فتنہ ہے یعنی اللہ اور رسول کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے خطرہ ہے کہ ان کے دلوں میں کفر و نفاق نہ پیدا ہو جائے۔ بعض مفسرین حضرات کے نزدیک فتنہ سے مراد دنیاوی آفات و آزمائشیں ہیں۔ یعنی اللہ اور رسول کے احکامات کی نافرمانی کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی دنیاوی آفت نہ آجائے یا آخرت کے تکلیف دہ عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس آیت سے یہ بات صراحت سے معلوم ہو گئی کہ کفر اور نفاق جیسی خطرناک بیماریوں کی بنیاد بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہے۔

(۱۸) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اسکا رسول کوئی امر مقدر کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے

مُّبِيْنًا. (الاحزاب: ۳۶)

رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا۔

(۱۹) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا. (احزاب: ۷۱)

اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک بڑی کامیابی پالے گا۔

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کو ضلالاً مبینا یعنی صریح گمراہی قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہی نافرمانی بے شمار روحانی امراض یہاں تک کہ کفر و شرک کا سبب بن جاتی ہے جب کہ دوسری آیت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو فوز عظیم یعنی عظیم کامیابی قرار دیا گیا۔ بے شک جو شخص اپنے نفس کو سدھار لے اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کے لئے آمادہ کرلے وہ بے شمار دنیاوی اور اخروی ہلاکتوں سے بچ جاتا ہے اور حقیقی کامیابی کے راستے کو پالیتا ہے۔

(۲۰) وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (الحشر: ۷)

پس جو چیز تمہیں رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم رسول بھی اگر ثابت ہو جائے تو وہ قرآن مجید کے حکم کی طرح واجب التعمیل ہے۔

اس موضوع پر آیات تو اور بھی ہیں مگر ہم انہی آیات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں اور ان آیات کو پڑھنے والا ہر شخص یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی ایمان اور کامیابی کی بنیاد ہے۔ یہودیوں نے اس بنیاد کو کھو دیا تو ایمان سمیت ساری بھلائیاں وہ کھوتے چلے گئے۔ چنانچہ قرآن مجید نے نہایت تاکید کے ساتھ اس بنیاد کو مضبوط پکڑنے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے۔ چونکہ یہ اہم ترین اور بنیادی موضوع ہے اس لئے قرآن مجید کی کئی آیات کے علاوہ بہت ساری احادیث میں بھی اسکی تاکید وارد ہوئی ہے۔ اسلام کے

عظیم مفکر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ترغیب دینے والی بیسیوں قرآنی آیات اور احادیث پر غور فرمایا اور آپ نے قرآن وسنت کے ان خزینوں سے وہ چالیس ثمرات تلاش فرمائے جو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرنے والوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ آیئے ان چالیس ثمرات وفوائد کو پڑھتے ہیں۔ کیا بعید ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی اور اپنے رسول کی کامل اطاعت اور اس کے تمام ثمرات وفوائد نصیب ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کے لئے چالیس انعامات

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: پھر میں نے غور کیا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اس کو لازم سمجھتا ہے اور عمر بھر اسی راستے پر چلتا رہتا ہے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتے ہیں وہ چالیس کرامتیں اور خلعتیں ہیں۔ بیس تو ان میں سے دنیا میں ہیں اور بیس آخرت میں۔ دنیا کی بیس کرامتیں یہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ فرماتے ہیں اور اسکی تعریف کرتے ہیں۔ اور کتنا معزز ہے وہ بندہ جس کی تعریف کر کے اللہ تعالیٰ اس پر احسان کریں۔ (۲) اللہ تعالیٰ اسکی شکر گزاری فرماتے ہیں اور اسکی تعظیم کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی تیرے جیسی عاجز مخلوق تیرا شکریہ ادا کرے اور تیری تعظیم کرے تو تو اس کو کافی عزت سمجھتا ہے پھر اگر پہلوں اور پچھلوں کا معبود ایسا کرے تو اسکا اندازہ کرو۔ (۳) اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اگر تیرے محلے کے رئیس یا شہر کے حاکم کو تجھ سے محبت ہو تو تو اس پر فخر کرے گا اور کئی مقام پر اس سے فائدہ اٹھائے گا پھر سوچ کہ رب العالمین کی محبت کیسی ہوگی؟ (۴) اللہ تعالیٰ اسکے کارساز ہو جاتے ہیں اور اس کے اُمور کی تدبیر کرتے ہیں۔ (۵) اللہ تعالیٰ اس کے رزق کے کفیل ہو جاتے ہیں اور بغیر کسی محنت اور مشقت کے رزق کو اس کی طرف لاتے رہتے ہیں۔ (۶) اللہ اس کے

مددگار بن جاتے ہیں اور اس کے ہر دشمن اور ہر بدخواہ کو اس سے روکتے ہیں۔ (۷) اللہ تعالیٰ اس کے انیس ہو جاتے ہیں اور وہ کسی حال میں بھی وحشت (یا تنہائی) محسوس نہیں کرتا اور نہ تبدل و تغیر کا اسے خوف ہوتا ہے۔ (۸) نفس کی عزت اسے نصیب ہوتی ہے اور اسے دنیا اور دنیا والوں کی خدمت کی ذلت نہیں پہنچتی بلکہ وہ اس پر بھی رضامند نہیں ہوتا کہ دنیا کے بادشاہ اور جابر لوگ اس کی خدمت کریں۔ (۹) ہمت کی بلندی اسے نصیب ہو جاتی ہے اور وہ دنیا اور دنیا والوں کی گندگی میں آلودگی سے بلند ہو جاتا ہے اور وہ دنیا کے کھیل تماشے اور خرافات کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ (۱۰) اسے دل کا غنا نصیب ہو جاتا ہے اور وہ دنیا کے ہر غنی سے زیادہ غنی ہوتا ہے۔ ہمیشہ پاکیزہ نفس اور فراخ سینہ رہتا ہے۔ اسے کوئی حادثہ گھبراہٹ میں نہیں لاتا اور نہ کسی چیز کے گم ہونے کی اسے فکر ہوتی ہے۔ (۱۱) دل کا نور اسے نصیب ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے دل کے نور کے ساتھ ان علوم اور اسرار اور حکمتوں پر مطلع ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض کی اطلاع بڑی مدت اور بڑی کوشش کے ساتھ ہوتی ہے۔ (۱۲) اسے شرح صدر نصیب ہو جاتا ہے کہ دنیا کے مصائب اور تکالیف اور لوگوں کی عیاریوں اور مکاریوں سے دل تنگ نہیں ہوتا۔ (۱۳) اسکی ہیبت اور رعب لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے کہ سب نیک و بد اسکا احترام کرتے ہیں اور ہر فرعون و جابر اس سے خوف کھاتا ہے۔ (۱۴) اللہ تعالیٰ اس کے لئے دلوں میں محبت پیدا کر دیتے ہیں کہ تمام دل اسکی محبت پر مجبور ہو جاتے ہیں اور تمام لوگ اس کی تعظیم پر بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ (۱۵) برکت عامہ اس کے کلام، نفس، افعال، کپڑوں، مکان غرض ہر چیز میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اس کے پاؤں کے نیچے کی مٹی کو بھی متبرک سمجھتے ہیں اور اس جگہ کو بھی جہاں وہ کسی دن بیٹھا ہو اور اس انسان کو بھی جس نے اسے دیکھا ہو یا اس کے ساتھ صحبت رکھی ہو۔ (۱۶) جنگلات، سمندر، غرض ساری زمین اس کے لئے مسخر کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ (اللہ کی توفیق سے) ہوا میں اڑتا ہے، پانی پر چلتا ہے، یا ساری زمین کو ایک گھڑی میں طے کر لیتا ہے۔ (۱۷)

حیوانات خواہ درندے ہوں یا وحشی یا حشرات الارض، سب اس کے لئے مسخر کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر وحشی جانور اس سے محبت رکھتے ہیں اور درندے اسے چاہتے ہیں۔ (۱۸) اسے زمین کے خزانوں کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔ (۱۹) اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے ایسی وجاہت اور عزت نصیب ہوتی ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی خدمت کر کے وسیلہ ڈھونڈتی ہے۔ (۲۰) اللہ تعالیٰ کے جناب میں اسکی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ وہ جو کچھ مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرماتا ہے اور اگر کسی کی سفارش کرتا ہے تو اسکی سفارش قبول ہوتی ہے اور اگر اللہ کے نام کی قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔

یہ بیس تو دنیا کے انعامات ہیں جبکہ آخرت کے بیس انعامات یہ ہیں:

(۲۱) اللہ تعالیٰ اس پر سکرات الموت کو آسان فرما دیتے ہیں۔ اور یہ وہ چیز ہے کہ جس سے انبیاء علیہم السلام کے دل بھی ڈرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے بھی سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ سکرات الموت کو ان پر آسان کر دے۔ اللہ کے فرمانبردار بندوں پر یہ سکرات اتنی آسان ہو جاتی ہے کہ ان میں سے بعض کے نزدیک موت اس سے بھی زیادہ خوشگوار ہوتی ہے جیسے پیاسے آدمی کو صاف پانی پینے کو مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ. (نحل: ۳۲)

جنکی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں۔

(۲۲) ایمان پر اور معرفت پر ثابت قدمی اور یہ وہ چیز ہے جس کے زوال کا خوف اور گھبراہٹ بہت سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ. (ابراہیم: ۲۷)

اللہ تعالیٰ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا)۔

(۲۳) فرشتوں کی ملاقات، خوشبو، بشارت اور رضامندی کا حصول۔ اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے:

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. (حم السجدہ: ۳۰)

نہ خوف کرو، نہ غمگین ہو اور جنت کی جسکا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے خوشی مناؤ۔

نیز وہ آخرت کی آئندہ ہولناکیوں سے خوف نہیں کھاتا اور دنیا میں جو کچھ چھوڑ گیا ہے اسکا اسے غم نہیں ہوتا۔

(۲۴) جنتوں میں ہمیشہ کی رہائش اور اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی۔ (۲۵) آسمان وزمین کے فرشتے اسکی روح کو عزت اور احترام سے اٹھاتے ہیں اور اس کے بدن کو ظاہر میں جنازے کی تعظیم حاصل ہوتی ہے۔ اور اس پر جنازہ کی نماز کے لئے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ اس کی تجہیز و تکفین میں لوگ جلدی کرتے ہیں۔ اور اس کو بہت بڑا ثواب سمجھتے ہیں اور بہت بڑی غنیمت جانتے ہیں۔ (۲۶) اسے قبر کے سوال وجواب کے فتنہ سے امن نصیب ہوتا ہے۔ وہ قبر کی ہولناکی سے محفوظ رہتا ہے اور اسے صحیح جواب کا القا کیا جاتا ہے۔ (۲۷) اسے قبر کی فراخی اور روشنی نصیب ہوتی ہے۔ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں قیامت کے دن تک رہتا ہے۔ (۲۸) اسکی روح عزت پاتی ہے اور وہ سبز پرندوں کے جسم میں رکھ دی جاتی ہے۔ وہ اپنے نیک بھائیوں کے ساتھ رہتا ہے اور جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بخشا ہے اس پر خوش رہتا ہے۔ (۲۹) اس کی میدان حشر میں حاضری عزت وکرامت کے ساتھ ہوگی۔ اسکو لباس فاخرہ اور تاج پہنایا جائے گا اور وہ براق پر سوار ہوگا۔ (۳۰) اسکا چہرہ منور اور روشن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ. (القیمہ: ۲۲، ۲۳)

کئی چہرے اس دن تروتازہ ہونگے۔ اپنے رب کو دیکھتے ہونگے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ. ضَاحِكَةٌ

کئی چہرے اس دن روشن، ہنستے ہوئے، خوش

مُسْتَبْشِرَة. (عبس: ۳۸،۳۹)   ہونگے۔

(۳۱) اسے قیامت کی ہولناکیوں سے امن نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اَمَّنْ يَّاْتِىْ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ.   یا وہ شخص جو آئے گا قیامت کے دن امن کی حالت میں۔ (حم السجدہ:۴۰)

(۳۲) اسے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہونگے جنہیں حساب کتاب کی ضرورت نہیں ہوگی (مثلاً شہداء کرام یا سرحد پر پہرہ دیتے ہوئے انتقال کرنے والے مجاہدین کرام)۔ (۳۳) حساب کی آسانی۔ (۳۴) ان کی نیکیوں کا بوجھ بڑھادیا جائے گا اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہونگے جن کو اعمال کے وزن کے لئے کھڑا نہیں کیا جائیگا (مثلاً مجاہدین اور شہداء کرام)۔ (۳۵) حوض کوثر پر حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہونا۔ وہاں جو ایک بار پئے گا پھر کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ (۳۶) پل صراط سے گزر جانا اور آگ سے نجات پاجانا یہاں تک کہ بعض ان میں سے اسکی آواز تک نہیں سنیں گے اور وہ ایسی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے جن کو وہ چاہیں گے اور ان کے لئے آگ بجھ جائے گی۔ (۳۷) قیامت کے میدان میں شفاعت کرنا جس طرح انبیاء اور رسول شفاعت کریں گے۔ (۳۸) جنت میں ہمیشہ کی بادشاہت کا نصیب ہونا۔ (۳۹) اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رضامندی کا نصیب ہونا۔ (۴۰) اللہ رب العزت کی زیارت اور ملاقات کا نصیب ہونا۔

(منہاج العابدین: ص:۳۳۷)

امام غزالیؒ ان چالیس انعامات کے تذکرے کے بعد لکھتے ہیں:

"پھر میں کہتا ہوں کہ میں نے ان کو اپنے فہم اور اپنے مبلغ علم کے مطابق شمار کیا ہے اگرچہ میرا علم نہایت ناقص اور قاصر ہے۔ اور پھر اس پر مزید یہ ہے کہ میں نے ان کو نہایت مختصر ذکر کیا ہے اور ان کو اصولاً اور اجمالاً ذکر کردیا ہے اور اگر میں ان میں سے بعض کی تفصیل

بیان کرتا تو یہ کتاب اس کی متحمل نہ ہوسکتی۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ میں نے ہمیشہ کی بادشاہت کو ایک ہی خلعت (ونعمت) شمار کیا ہے۔ اگر میں اس کو تفصیل سے بیان کرتا تو یہی چالیس خلعتوں سے زیادہ ہوجاتی جیسے حور کا نور اور محلات اور لباس وغیرہ کی تفصیل"۔

(منہاج العابدین۔ ص:۳۴۲)

عطر کلام یہ ہے کہ یہود نے اللہ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کو اپنا شیوہ بنایا تو وہ چالیس خطرناک اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہوئے اور آخرت کی ذلت اور عذاب اس کے علاوہ ہے لیکن جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنائے گا اور اس میں کمال حاصل کرے گا، اسے وہ چالیس انعامات نصیب ہونگے جنکا تذکرہ قرآن وسنت کی روشنی میں حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے۔ یااللہ! یا ارحم الراحمین! ہمیں اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی کامل اطاعت نصیب فرما اور اس اطاعت کے صلے میں اپنی رضا، اپنی محبت اور رسول کی محبت اور وہ تمام انعامات عطا فرما جس کا تونے اور تیرے نبی نے وعدہ فرمایا ہے۔ آمین

عبرت وموعظہ

یہودیوں کے لئے ذلت، عبرت اور شرم کا مقام ہے کہ ان کے بڑوں نے اپنے نفس کی غلامی کی۔ بچھڑے کی پوجا کی اور ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ قرآن مجید پڑھئے! تاریخ کا مطالعہ کیجئے! ماضی اور حال کو دیکھئے! یہودیوں نے ہر دور میں معصیت اور نافرمانی ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور ہمیشہ ذلت اور ناکامی ان کا مقدر بنی رہی۔ یہودیوں میں اگر تھوڑی سی بھی شرم اور غیرت ہوتی وہ اپنی تاریخ کو پڑھنے کے بعد یہودی کہلانا بھی گوارہ نہ کریں۔ مگر یہودی اور شرم وحیا، دریا کے دو کنارے ہیں جو کبھی جمع نہیں ہوتے اور اگر کبھی اتفاق سے جمع ہوجائیں تو پھر یہودی، یہودی نہیں رہتا بلکہ اسے اسلام کی توفیق مل جاتی ہے۔

بہر حال یہودیوں کا ماضی جتنا شرمناک ہے مسلمانوں کا ماضی اتنا ہی روشن اور تابناک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کی صحبت کے لئے جن افراد کا انتخاب فرمایا، یہ وہ عظیم لوگ تھے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے بعد سب سے زیادہ پسند فرمایا اور پھر اس نے ان دلوں میں اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی محبت اور اطاعت کے جذبے کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ حضرات صحابہ کرام نے جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حضور اکرم ﷺ کی فرمانبرداری میں خود کو کھپایا، نہ ان سے پہلے اس کی مثال ملتی ہے نہ ان کے بعد۔ وہ حکم تو بڑی بات، ابرو کے اشارے پر جان قربان کرتے تھے، وہ وہی کھاتے تھے جسکا انہیں حکم ملتا تھا، وہ وہی پہنتے تھے جسے پہننے کا ان سے تقاضا کیا جاتا تھا، وہ وہی بولتے تھے اور ویسے ہی بولتے تھے جیسا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند تھا۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلہ میں نہ جان کی پرواکی نہ مال کی۔ نہ وطن ان کے راستے میں رکاوٹ بنا نہ ان کی سابقہ قومیت۔ نہ انہوں نے نفس کی پوجا کی نہ خواہشات کی۔ انہوں نے بیوی بچے بھی قربان کرڈالے اور مکان و دکان بھی۔ انہوں نے اپنی خواہشات کو ذبح کرڈالا اور اپنی رائے اور سوچ کو بھی۔ شریعت انکی طبیعت بن چکی تھی۔ اسلامی احکامات ان کی زندگی کا دستور تھے اور نبی ﷺ کی اتباع ان کی سب سے مرغوب غذا تھی۔ آسمان سے جو حکم بھی اترتا تھا وہ فوراً ان کے دلوں میں، ان کے گھروں اور ان کے معاشرے میں یوں جاری ہو جاتا تھا کہ وہ اس حکم کی چلتی پھرتی مثال نظر آتے تھے۔ نبی ﷺ جو کچھ فرماتے تھے وہی ان سب کی آواز بن جاتی اور اللہ کے نبی کا ہر فرمان ان کے دل و دماغ میں یوں رچ بس جاتا جیسے یہ خود انکی اپنی سوچ ہو۔ وہ اطاعت الٰہی کے راستے میں آگے بڑھے تو انہوں نے فرشتوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور وہ اطاعت رسول کے راستے میں آگے بڑھے تو ان چند افراد نے دنیا کے بیشتر حصے کو اپنے پاک نبی ﷺ کے رنگ میں رنگ دیا۔ نبی ﷺ کی نافرمانی تو در کنار اسکا تصور بھی ان کے لئے زہر سے زیادہ کڑوا تھا۔ اگر ان میں سے کسی کے مکان پر نبی ﷺ کی نظر ناگواری سے پڑ جاتی تو بس اتنی سی

بات پر وہ مکان زمین کے ساتھ ملا دیا جاتا تھا۔ نبی ﷺ جب انہیں آگے بڑھنے کا حکم دیتے تو پھر چند کھجوریں کھانے کا وقفہ بھی انہیں لمبا نظر آتا تھا۔ نبی جب انہیں میدانوں میں نکلنے کا حکم دیتے تو ٹانگوں اور آنکھوں سے معذور ہونے کے باوجود اور زخموں سے چور ہونے کے باوجود وہ دیوانہ وار نکل پڑتے۔ آسمانوں سے جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے ہونٹوں سے لگے ہوئے پیالے بھی پھینک دیئے اور شراب مدینہ کی نالیوں میں بہنے لگ گئی۔ انہوں نے سود کی حرمت کا سنا تو لاکھوں کروڑوں کے قرضے کھڑے کھڑے معاف کردیئے۔ انہیں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی تو انہوں نے اپنے گھر میں سوئی رکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ جب انہیں فقر و فاقے کی فضیلت معلوم ہوئی تو پھر غذا کے بجائے پتھر ان کے پیٹ کے ساتھ بندھے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان کی عورتوں کو حیا اور پردے کا حکم ملا تو انہوں نے ایسا عمل کیا کہ حوران بہشت کو بھی رشک آیا ہوگا۔ انہیں ایثار کا حکم ملا تو موت کی کڑواہٹ، رستے زخموں کا درد اور پیاس کی شدت بھی انہیں یہ حکم نہ بھلا سکی اور وہ یہ حکم پورا کرتے کرتے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت سمجھ میں آئی تو پھر اسکی فرمانبرداری میں انہوں نے بادشاہوں کے تاج و تخت اپنے قدموں تلے روند ڈالے اور پوری دنیا کو اللہ کی فرمانبرداری پر لانے کے لئے انہوں نے جنگل دیکھے نہ صحرا، یہاں تک کہ سمندروں میں اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ بلاشبہ مسلمان اپنے ان اکابرین کی تاریخ پر فخر کرسکتے ہیں اور انہیں یہودیوں کی طرح اس بارے میں کسی شرمساری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن اگر ہم صرف اپنے بڑوں اور اپنے پہلوں کی اطاعت گزاری پر ہی فخر کرتے رہیں گے اور خود ان کے نقش قدم پر نہیں چلیں گے تو اللہ کی محکم اور ناطق کتاب قرآن مجید ہمیں بھی وہی کچھ کہہ دے گی جو اس نے ان یہودیوں کو کہا جو اپنے انبیاء پر فخر کرتے تھے مگر ان کے راستے پر نہیں چلتے تھے۔ قرآن مجید نے ان سے صاف صاف فرما دیا:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ   وہ کچھ لوگ تھے جو گزر چکے۔ انہیں ان کے

وَلَکُمْ مَا کَسَبْتُمْ. اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال کا۔ (بقرہ: ۱۳۴)

نسبت اور تعلق بڑی چیز ہے مگر یہ اس وقت کام آتا ہے جب اس نسبت کی لاج رکھی جاتی ہے کیونکہ اگر خالی نسبت سے کام چل جاتا تو حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ہمیشہ کی ناکامی و نامرادی میں مبتلا نہ ہوتا۔ پس مسلمانوں کو بھی اس چیز کا حق ہے کہ وہ صحابہ کرام کے ساتھ اپنی نسبت اور تعلق پر خوشی منائیں اور دوسری قوموں مثلاً یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں اپنے تابناک ماضی پر اپنا سر بلند رکھیں۔ مگر صرف اسی پر اکتفا نہ کرلیں بلکہ اپنا ایمان صحابہ کرام کے ایمان جیسا، اپنا عقیدہ صحابہ کرام کے عقیدے جیسا، اپنا عمل صحابہ کرام کے عمل جیسا، اپنی سوچ صحابہ کرام کی سوچ جیسی، اپنا معاشرہ صحابہ کرام کے معاشرے جیسا، اور اپنی تہذیب صحابہ کرام کی تہذیب جیسی بنائیں۔ تب انہیں بھی وہی کچھ ملے گا جو صحابہ کرام کو ملا یعنی اللہ کی رضا، دنیا آخرت کی بے مثال کامیابی اور حقیقی عزت۔ لیکن اگر انہوں نے صحابہ کرام کے راستے کو چھوڑ کر یہودیوں کے راستے کو اختیار کیا تو پھر انہیں بھی وہی کچھ ملے گا جو یہودیوں کو ملا یعنی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، دنیا اور آخرت کا خسارہ اور ذلت ہی ذلت۔ آیئے ہم اپنے اندر جھانک کر دیکھیں! آیئے سر اٹھا کر اپنے گرد و پیش میں مسلمانوں کے حالات دیکھیں! ہمیں عام رجحان کیا نظر آرہا ہے؟ فرمانبرداری کا یا نافرمانی کا؟ نیکی کا یا معصیت کا؟ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا یا نفس پرستی کا؟ یقیناً ہمیں ہر طرف عمومی منظر بہت دردناک نظر آرہا ہے۔

یہ کون لوگ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں مگر اللہ کو چھوڑ کر قبروں پر جھکے ہوئے ہیں، یہ صحابہ کرام کا طریقہ ہے یا یہودیوں کا؟ یہ کون لوگ ہیں جو حکومت کی کرسیوں پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو بھلا چکے ہیں اور کفر و نافرمانی، عیاشی اور فحاشی اور یہود و نصاریٰ کی دوستی ان کے انگ انگ میں گھسی ہوئی ہے؟ یہ کس کے راستے پر چل رہے ہیں، صحابہ کرام کے یا یہودیوں کے؟

یہ کون لوگ ہیں جو سود کھا رہے ہیں، شراب پی رہے ہیں، ان کے نام کے ساتھ محمد اور اللہ جیسے الفاظ لگے ہوئے ہیں مگر وہ جوا کھیل رہے ہیں، بونڈ اور لاٹری کا کاروبار کر رہے ہیں، ناچ رہے ہیں گانے گا رہے ہیں اور میوزک سن کر اپنے دل سیاہ کر رہے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ ماضی اور حال میں یہودیوں کا شیوہ نہیں تھا؟ کیا صحابہ کرامؓ ان گناہوں کا تصور بھی کرتے تھے؟ یہ کون لوگ ہیں جن کے گھروں میں قرآن مجید کے نسخے ہیں مگر ان کی چھتوں پر سادہ اور ڈش انٹینے اژدھوں کی طرح پھنکار رہے ہیں اور جن کے گھروں میں ٹی وی اور وی سی آر ہر برائی اور فحاشی کا زہر اگل رہے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ آخرت کی تیاری کے لئے ہے یا قبر میں یہ سب کچھ کام آئے گا؟ کیا یہودیوں کے یہ بھیجے ہوئے تحفے ہمیں صحابہ کرام کے راستے سے نہیں ہٹا رہے؟ کیا ٹی وی نے ہر طرف ٹی بی پھیلا کر ہمیں ہمارے تابناک ماضی سے کاٹ کر محض شہوت پرست جانور نہیں بنا دیا؟ کیا اسی ٹی بی کی وجہ سے آج گھروں میں پریشانی اور بے چینی کی آگ نہیں جل رہی؟

یہ کون لوگ ہیں جو مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہیں، ختنہ کراتے ہیں، اور ترقی پسند شعراء کہلاتے ہیں؟ ان کے منہ سے شراب کی اور ان کے کلام سے کفر کی بو آتی ہے۔ وہ اپنی لفاظی کے زور پر ہمارے معاشرے کو یہودی معاشرہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ شراب کی بوتل کے عوض اپنا کلام اور اپنے جھوٹے افسانے بیچنے والے یہ لوگ مسلمانوں کو ان کے ماضی سے کاٹ رہے ہیں اور انہیں کفر کی غلامی پر ابھار رہے ہیں۔

یہ کون لوگ ہیں جو بازار میں جا کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام بھول جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ جعلی چیزیں بنا کر لوگوں کی صحت سے کھیلتے ہیں اور سارا دن جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے مقدر کی چند کوڑیاں کماتے ہیں۔ آخر یہ کن کے راستے پر چل رہے ہیں؟ یہ تجارت صحابہ کرام کی تجارت ہے یا یہودیوں کی؟

یہ کون لوگ ہیں جو اذان کی آواز سنتے ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے؟ کیا جان بوجھ کر نماز

چھوڑنا کفر نہیں ہے؟ کیا فرض عبادت میں سستی کرنا صحابہ کرام کا راستہ ہے؟

یہ کون لوگ ہیں جو فلمیں بناتے ہیں، سینما چلاتے ہیں، جنہوں نے بڑے بڑے ڈانس کلب اور میوزک سینٹر کھول رکھے ہیں؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ ان کاموں سے وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں اور ہزاروں لوگوں کو نافرمانی اور معصیت میں مبتلا کرنے کا گناہ بھی اٹھا رہے ہیں؟ کیا یہی یہودیوں کا طرز عمل نہیں تھا؟

یہ کون ہیں؟ غازے اور میک اپ میں لپٹی ہوئی، عریاں کپڑے پہنی ہوئی مخلوق، جسے عورت کہنا لفظ عورت کی توہین ہے۔ یہ ستم زدہ عورتیں جو کل تک باپردہ تھیں مگر حرص، ہوس، لالچ اور شیطان پرستی نے انہیں بے آبرو کر دیا۔ وہ ایک ایک کو خوش کرتی ہیں مگر کوئی خوش نہیں ہوتا۔ وہ یورپ کی تباہی زدہ عورتوں کے پیچھے دوڑ دوڑ کر ہانپ چکی ہیں اور اپنی آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی ویران کر چکی ہیں۔ کیا یہ اماں خدیجہؓ اور اماں عائشہؓ اور اماں فاطمہؓ کی بیٹیاں ہیں؟ نہیں نہیں! ان عورتوں کا ایسے پاک ناموں سے کیا واسطہ؟ ممکن ہے کل تک صحابہ کرام کی بیٹیاں ہوں مگر آج تو یہودیت کا زہر ان کی رگوں میں اتر رہا ہے۔

یہ کون ہیں جنہیں وہ شکل گوارہ نہیں جو حضور اکرم ﷺ جیسے محسن اور حسن کے پیکر نبی نے اپنائی، جنہیں وہ لباس پسند نہیں جو شریفانہ کہلاتا ہو۔ جنہیں وہ تعلیم پسند نہیں جس سے اللہ کی فرمانبرداری اور رسول کی اطاعت کے راستے معلوم ہوتے ہوں۔ جنہیں وہ قوانین پسند نہیں جو قرآن مجید نے بیان فرمائے۔ جنہیں وہ معیشت پسند نہیں جو اسلام نے مسلمانوں کو سکھائی۔ جنہیں وہ تہذیب پسند نہیں جو مدینہ منورہ میں اپنی عظمت کا ڈنکا بجا چکی ہے؟ یہ سب کون ہیں؟ انکی سوچ صحابہ کرام والی ہے یا خدانخواستہ یہ بھی یہودیوں کے راستے پر چل پڑے ہیں؟

یہ کون لوگ ہیں جو یہ جانتے ہوئے کہ مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، صرف قومیت اور علاقہ پرستی کے نعروں پر مر رہے ہیں؟ جو لسانی تعصبات پھیلا کر اسلام کے آفاقی

نظام کو بھلا چکے ہیں۔ جو صرف علاقائی یا لسانی تفریق پر مسلمانوں کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے جان نہیں دیتے مگر علاقہ پرستی اور لسانیت کے تعصب میں شمشیر بکف ہیں۔ کیا یہ صحابہ کرام کے راستے پر چل رہے ہیں؟

یہ کون لوگ ہیں جو لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ چوریاں اور ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ غیر شرعی تجارت کے ذریعے لوگوں کی جیبیں کاٹ رہے ہیں۔ غلط لیبل چپکا کر دھوکہ بازی کو عام کر رہے ہیں۔ چرس اور ہیروئن کی تجارت کر کے انسانیت کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔ کاش! یہ سوچیں کہ انہوں نے کس کا راستہ اختیار کر لیا ہے؟

یہ کون لوگ ہیں جو دین کے نام پر اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے نام پر چندے کرتے ہیں، مال جمع کرتے ہیں مگر پھر ان اجتماعی اموال سے اپنے ذاتی مکانات اور کوٹھیاں بنواتے ہیں، گاڑیاں خریدتے ہیں اور لوگوں کو دین کے نام پر دھوکا دیتے ہیں۔ کیا یہ یہودیوں کا طریقہ نہیں تھا؟

یہ کون لوگ ہیں جنہیں جہاد کا نام سنتے ہی بخار ہو جاتا ہے۔ جو نعوذ باللہ جہاد کو فساد کہتے ہیں۔ جو کافر اور ملحد حکمرانوں سے امن کے ایوارڈ لینے کے لئے جہاد کی آیات میں تحریف کرتے ہیں اور جہاد جیسے حکم الٰہی سے خود بھی منہ موڑتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ یہودیوں کی طرح بزدلی اور مصلحت پسندی نے ان کو اندھا کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جان دینے کا جذبہ ان کے دلوں سے نکل چکا ہے۔ کاش! یہ غور کریں کہ اسلام میں اس طرح کی یہودیت کی کہاں گنجائش ہے؟

یہ کون لوگ ہیں جن کے ہاتھوں میں حکومت اور قانون کی باگ دوڑ ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نافذ کرنے کی بجائے کافروں کے طریقے اور قوانین کو نافذ کر رہے ہیں؟

یہ شیطانی ساز اور باجے بجانے والے، اللہ کے پاک نام کی ناپاک موسیقی سے توہین کرنے والے، ناچنے گانے اور قوالیاں کرنے والے کون ہیں؟

یہ کون لوگ ہیں جو رشوت لیتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کی مجالس سجاتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، گناہوں کی دلالی کرتے ہیں، خیانت اور عہد شکنی میں ملوث ہیں؟

یہ کون ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں مگر ان کے ہاتھ مسلمانوں کے خون ناحق سے رنگین ہیں۔ حرام خوری اور حرام کاری ان کا شیوہ بن چکی ہے؟

یہ کون لوگ ہیں جو اپنے مسلمان ممالک کی دولت کے انبار اٹھا کر امریکہ اور یورپ جاتے ہیں اور پھر مسلمانوں کا قیمتی سرمایہ نیلی آنکھوں اور گورے رخساروں پر لٹادیتے ہیں اور اپنا منہ اور دل کالا کر کے اپنے وطن لوٹتے ہیں؟

یہ نائٹ کلب، یہ مجرا خانے، یہ کوٹھے، یہ سینما، یہ سودی بینک، یہ تعلیم کے نام پر فحاشی کے اڈے، یہ سب کہاں ہیں؟

بخدا سوچ کر بھی دل پھٹتا ہے کہ یہ سب کچھ مسلمانوں کے ملکوں اور علاقوں میں موجود ہے اور ہمارے حکمران اور جدید پڑھے لکھے ابھی یہ رونا رو رہے ہیں کہ ہم ان چیزوں میں یورپ سے پیچھے کیوں ہیں؟ لڑکیاں گھروں سے بھاگ رہی ہیں اور فلموں میں کام کی لالچ میں بے آبرو ہو رہی ہیں مگر یہودیوں کے ادارے یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ تو ترقی کا لازمی عنصر ہے۔ بعض لوگ اپنی ماں بیٹی کے ساتھ منہ کالا کر رہے ہیں مگر ترقی پسند کہہ رہے ہیں کہ دنیا کے ساتھ چلنے کے لئے یہ سب کچھ برداشت کرنا ہوگا۔ بے لگام مصنفین کے قلم قرآن وسنت کا مذاق اڑا رہے ہیں مگر جدید یئے یہی درس دے رہے ہیں کہ آزادی خیال کا حق ہر کسی کو حاصل ہے۔ خاندانی زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں، مگر جدت پسند یہی رونا رو رہے ہیں کہ ابھی تک ہم امریکہ اور یورپ کے کلچر کو اچھی طرح نہیں اپنا سکے۔

ہائے افسوس! کوئی ایسا گناہ نہیں جو مسلمانوں کے سروں پر ترقی کے نام سے نہ تھوپا جا رہا ہو اور کوئی ایسی برائی نہیں جسے سرکاری تعاون سے عام نہ کیا جا رہا ہو۔ کس کس معصیت

کا تذکرہ کیا جائے، اب تو ذہن اور دماغ ہی بدل چکے ہیں۔

تن ہمہ داغ داغ شد   پنبہ کجا کجا نہم

اب تو ایک دوڑ ہے کہ کون اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں آگے بڑھے۔ نئی نئی برائیاں درآمد کی جا رہی ہیں۔ اگر ان سب کا تذکرہ کیا جائے تو ہزاروں صفحات کالے ہو جائیں گے۔ کیا ان حالات میں بھی صرف اتنا فخر کر لینا کافی ہے کہ ہماری نسبت صحابہ کرام کے ساتھ ہے؟ ایک زمانہ تھا جب گناہ خال خال ہوتے تھے۔ اب خالص نیکی ملنا مشکل ہے۔ نفس پرست لوگ خود کو تو بدلتے نہیں، دین اور قرآن کو بدلنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اسلام کے جس حکم پر عمل مشکل نظر آتا ہے اسکا انکار کر دیا جاتا ہے۔ اور جو حکم سمجھ نہیں آتا اسے بدل دیا جاتا ہے۔ کل تک یہودی معصیت کی جس آگ میں جل رہے تھے۔ آج مسلمان اس آگ کو اپنے اندر پھیلاتے چلے جا رہے ہیں۔ شادی ہو یا غم، یہ آگ ہر گھر میں جل رہی ہے۔ چند اللہ کے بندے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں: آؤ اللہ کی طرف، آؤ رسول اللہ کی طرف، آؤ کامیابی اور فلاح کے راستے کی طرف۔ اور وہ دن رات یہی درس دے رہے ہیں کہ لوگو اللہ کی نافرمانی اور بغاوت چھوڑ دو، یہی تمہاری پریشانیوں کا حل ہے۔ اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ یہی ہر کامیابی اور سعادت کی کنجی ہے۔ مگر اس دردمندانہ پکار کو سننے والے بہت تھوڑے ہیں۔ اسی وجہ سے ذلت عام ہے، مسکنت عام ہے، ہر جگہ ہمیں مارا جا رہا ہے، کاٹا جا رہا ہے، لاکھوں مسلمان کافروں کے ملکوں میں ذلت کے ساتھ روزی کمانے پر مجبور ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے سفارتخانوں کے باہر ویزے کی بھیک مانگنے والوں کی لائنیں لگی ہیں۔ ان میں دیندار بھی ہیں اور بے دین بھی۔ سب ہی دنیا کے شیطانی تقاضوں کو پورا کرنے یا ان کے الفاظ میں اپنا مستقبل سنوارنے کے لئے ویزے کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ صحابہ کرام کے راستے کو مضبوطی سے پکڑ لیتے تو کافر ان کے دروازوں پر کھڑے ہوتے۔ مگر صحابہ کرام کا راستہ تو جہد اور جہاد کا تھا جبکہ آج کا مسلمان تو دنیاوی عیش و عشرت اور بزدلی کا خوگر

بن چکا ہے، اسے جہد سے کیا غرض؟ اسے جہاد سے کیا غرض؟ چنانچہ اللہ کو بھی اس سے غرض نہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلادیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں تنہا چھوڑ دیا۔ مگر اللہ کی رسی اب بھی لٹک رہی ہے۔ اطاعت گزاری اور جہاد کی شاہراہ اب بھی کھلی ہے۔ اگر مسلمان کامیابی چاہتا ہے تو اسے شیطان کے گندے راستے کو چھوڑ کر اس شاہراہ پر چلنا ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. اگر تم ایمان والے رہے تو پھر تم ہی غالب رہو گے۔ (آل عمران: ۱۳۹)

بس اتنی سی بات ہر مسلمان ہمیشہ یاد رکھے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کو شیوہ بنالینا یہودیوں کا کام ہے، مسلمانوں کا ہرگز نہیں۔ مسلمان سے تو اگر کبھی نافرمانی ہو بھی جائے تو وہ فوراً توبہ کرتا ہے اور اس نافرمانی کو چھوڑ دیتا ہے۔

............☆☆☆............

یہودیوں کی دوسری بیماری

بغیر ایمان اور عمل کے صرف نسبت پر فخر

جب سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کو بھیجنے کا سلسلہ شروع فرمایا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ کا یہ نظام چلا آتا ہے کہ جو لوگ انبیاء علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور انبیاء علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقے سے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور ان باتوں سے بچتے ہیں جو ایمان کے لئے نقصان دہ ہیں، تو ایسے لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں کامیابی کی بشارت دی جاتی ہے اور ہر زمانے میں اور مختلف آسمانی کتابوں میں ان ماننے والوں یعنی ایمان والوں کے لئے کوئی نہ کوئی نام تجویز کیا گیا ہے۔ مثلاً تورات میں ان ایمان والوں کو یہودی یا عبری کا نام دیا گیا، انجیل میں انہیں نصرانی کے لقب سے نوازا گیا۔ اور قرآن مجید میں حقیقی ایمان والوں کے لئے مسلمان کا نام چنا گیا ہے۔ لیکن کامیابی کا مدار اللہ پر ایمان اور رسول کی اطاعت پر ہے نہ کہ کسی خاص نام پر۔ تورات میں اگر یہ کہا گیا ہے کہ یہودی اللہ کے محبوب ہیں یا یہودی جنت میں جائیں گے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو شخص اپنے اوپر یہودی کا لیبل چسپاں کرلے گا وہ اللہ کا محبوب یا جنت کا مستحق بن جائے گا خواہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے، نیک اعمال کرے یا نہ کرے، رسول زمانہ کی پیروی کرے یا نہ کرے۔ مگر یہودیوں نے یہ ستم کیا کہ وہ یہودیت جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھی اسے شیطانی یہودیت میں بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے دین کو اپنی خواہشات کی بھینٹ چڑھادیا، تورات میں تحریف کرڈالی، انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا اور تورات کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کا اور پھر نبی آخرالزماں حضرت

محمد ﷺ کا بھی انکار کردیا۔ اور پھر ان سب کفریات اور مظالم کے باوجود وہ اسی بات پر فخر کرتے رہے اور آج تک کر رہے ہیں کہ وہ یہودی ہیں اور تورات میں یہودیوں کو کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے اور انہیں اللہ کا محبوب کہا گیا ہے۔

قرآن مجید نے یہودیوں کی اس خطرناک بیماری کو کھول کھول کر بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ صرف یہودی کہلوانے ہی کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں حالانکہ یہودی کہلوانا کافی نہیں۔ کیونکہ کامیابی تو اس یہودی کے لئے تھی جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار شریعت کا پابند اور انبیاء کا فرمانبردار ہو۔ جبکہ یہ یہودی شیطان اور نفس کے فرمانبردار، شریعت کے دشمن اور انبیاء کے قاتل اور منکر ہیں۔ آیئے پہلے قرآن مجید کی وہ چند آیات پڑھتے ہیں جن سے ہمیں یہ معلوم ہو کہ یہ بیماری واقعی یہودیوں میں عام ہو چکی تھی۔ اس کے بعد ہم اسلامی دعوت کے عنوان سے قرآن مجید کی وہ آیات پڑھیں گے جن میں یہودیوں کے اس مغالطے کا ازالہ فرمایا گیا ہے اور کامیابی کا وہ قانون عام بیان کیا گیا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے انسانوں کے لئے یکساں ہے اور اس قانون سے کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

(۱) وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. (بقرہ: ۱۱۱)

اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی اور عیسائیوں کے علاوہ کوئی جنت میں نہیں جائیگا یہ ان کے باطل خیالات ہیں (اے پیغمبر آپ) کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے لفظ یہودی اور لفظ نصرانی ہی کو کامیابی کی ضمانت سمجھ لیا تھا اس لئے اتنا بڑا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ یہ لوگ نہ ایمان پر تھے نہ شریعت پر اور نہ ان کے پاس وہ یہودیت اور نصرانیت موجود تھی جو آسمانوں سے اتری تھی بلکہ انہوں نے اپنے من گھڑت شیطانی عقائد اور اعمال کو یہودیت اور نصرانیت قرار دے

رکھا تھا۔

(۲) وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (بقرہ: ۱۳۵)

اور (عیسائی اور یہودی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھی راہ پا جاؤ گے (اے نبی ان سے) کہہ دیجئے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم دین ابراہیم پر ہیں جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

یہودیوں اور نصرانیوں کی یہ دعوت تھی کہ ہماری من گھڑت یہودیت اور نصرانیت اختیار کرلو کہ یہی ہدایت کا راستہ ہے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ اصلی یہودیت اور نصرانیت تو رہی نہیں کیونکہ اگر وہ خود تم میں موجود ہوتی تو تم سب سے پہلے نبی آخر الزماں ﷺ کو مان لیتے جنکا تذکرہ تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی، حالانکہ تم تو نبی آخر الزماں ﷺ کے سب سے پہلے منکر اور انسانیت کے بدترین دشمن ہو۔ ہاں حنیفیت سچا دین ہے اور ہم اسی پر ہیں اور انبیاء سابقین بھی اسی پر تھے۔

(۳) اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ. (بقرہ: ۱۴۰)

(اے یہودی ونصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور انکی اولاد یہودی یا عیسائی تھے (اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ۔

یہودیوں اور نصرانیوں کو بس اسی بات کا ٹھرک پڑ گیا تھا کہ اللہ کے ہاں کامیابی کے لئے اپنے اوپر "یہودی" یا "نصرانی" کا لیبل لگانا ضروری ہے چنانچہ یہ فضول اور بے دلیل دعویٰ کرتے ہوئے ان کا دماغ بھی ساتھ نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ وہ ان انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی یہودی اور نصرانی ہونے کا دعویٰ کردیتے تھے جو تورات کے نازل ہونے سے

پہلے گزر چکے تھے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہم، قرآن مجید نے یہودیوں کے اس طرح کے فضول دعووں کا منہ توڑ جواب دیا ہے اور یہودیوں کو قیامت تک کے لئے بے دلیل کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان اور عمل سے ہٹ کر جب بھی کچھ لوگ کسی طرح کے گروہی، نسلی اور لسانی تعصب میں مبتلا ہوتے ہیں تو پھر ان کے دل اور آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور وہ ایسے حقائق کا بھی انکار کر جاتے ہیں جو سورج کی طرح عیاں ہوتے ہیں۔ چند دھائیاں قبل امریکہ میں اسلام کے نام پر ایک باطل فرقہ "نیشن آف اسلام" وجود میں آیا۔ یہ لوگ سیاہ فام قومیت کے علمبردار تھے اور ان کے ہاں کامیابی کی پہلی شرط سیاہ فام ہونا تھی چنانچہ جس طرح یہودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کے یہودی ہونے کا دعویٰ کر ڈالا اسی طرح اس باطل فرقے کے سربراہ عالی جاہ محمد نے بھی بار بار یہ اعلان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء کرام سیاہ فام تھے۔ اگرچہ سیاہ فام ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے لیکن تاریخی اور واقعاتی تناظر میں عالی جاہ محمد کا دعویٰ بھی یہودیوں کے دعوے کی طرح ہے۔ تشابهت قلوبهم (اگلے پچھلے گمراہوں کے دل ایک جیسے ہیں)۔

(٤) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (مائدہ: ۱۸)

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہو کہ پھر وہ تمہاری بد اعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ نہیں بلکہ تم بھی اسکی مخلوق میں (دوسروں کی طرح) انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے۔

یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنے یہودی اور نصرانی لیبل کی وجہ سے یہ زعم تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے کوئی نسبی رشتہ

نہیں ہے، اسکی محبت صرف اطاعت اور حسن عمل سے حاصل ہو سکتی ہے جبکہ تم تو اپنے برے عقائد اور بد اعمالیوں کی وجہ سے دنیا آخرت میں سخت سزا کے مستحق بن چکے ہو۔ یہودیوں کی اس بیماری کی تفصیل میں اور بھی کئی آیات پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم انہیں چار آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر آپ اس یہودی بیماری کی مزید تشریح چاہتے ہیں تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مایہ ناز تفسیر "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" کے باب اول کی پہلی فصل کا مطالعہ فرمائیں۔

اسلامی دعوت

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

(١) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (بقرہ: ٦٢)

جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا صابئین (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان (کے اعمال) کا صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا اور ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہی مضمون اور قانون عام سورہ مائدہ آیت ٦٩ میں بھی تقریباً اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ ویسے دوسرے اور مختلف پیرایوں میں یہ قانون قرآن مجید میں بار بار بیان ہوا ہے۔ قانون کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی کے لئے کوئی امتیازی معاملہ نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی عقیدے اور عمل میں اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کرے گا وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور کامیاب ہو گا۔ یعنی اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے نہ کہ کوئی مخصوص نام یا

لیبل، البتہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کا کامل فرمانبردار وہی ہوگا جو حضور اکرم ﷺ پر بھی ایمان لائے گا اور آپ کی اطاعت کرے گا۔ چنانچہ اس کامل اطاعت کے صلے میں اسے "مسلمان" کا خوبصورت لقب ملے گا جو اولین و آخرین کا پسندیدہ لقب اور نام ہے۔ اسی قانون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے اوپر مسلمان کا لیبل تو چپکا لے مگر ایمان اور عمل صالح کو اختیار نہ کرے تو صرف مسلمان کہلوا لینا اس کی نجات اور کامیابی کا باعث نہیں ہو سکتا کیونکہ کامیابی دنیا کی ہو یا آخرت کی، اس کی اولین شرط ایمان اور عمل صالح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۲) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (النحل: ۹۷)

جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو دنیا میں پاک (اچھی اور آرام دہ) زندگی دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا اچھا صلہ دیں گے۔

اس آیت میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ دنیا میں حیات طیبہ یعنی پرلطف مزے کی زندگی، ایمان اور عمل صالح کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان کی حقیقت کو پا چکے ہیں اور اعمال صالحہ کو اپنا چکے ہیں وہی جانتے ہیں کہ انکی دنیاوی زندگی کا کیا مزہ اور ٹھاٹ ہے؟ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں حلال روزی، قناعت، غنائے قلبی، سکون و طمانیت، ذکر اللہ کی لذت، حب الٰہی کا مزہ، فرض عبودیت کی ادائیگی کی خوشی، کامیاب مستقبل کا تصور، اور تعلق مع اللہ کی حلاوت عطا فرماتا ہے اور یہ وہ میدان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کو مکمل مساوات عطا فرمائی ہے کہ جو بھی اس میدان میں جتنا چاہے بڑھ جائے اس آیت میں آخرت کی کامیابی کا بھی تذکرہ ہے جبکہ دوسری جگہ نہایت صراحۃ کے ساتھ آخرت میں کامیابی کے قانون کو بیان فرمایا گیا ہے۔

(۳) وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا. (بنی اسرائیل: ۱۹)

اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہو اور اس کے لئے اتنی کوشش کرے جتنی اس کے لائق ہے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔

سعی سے مراد اعمال صالحہ ہیں مگر ان کی قبولیت کی شرط بھی ایمان ہے اور ایمان نام ہے ان تمام چیزوں کی دل سے تصدیق کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کا جو حضور اکرم ﷺ صراحۃ لے کر آئے ہیں اور اعمال صالحہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو اخلاص کے ساتھ کئے جائیں اور شریعت کے مطابق ہوں۔ پس جس میں ایمان نہیں وہ کافر ہے اور ناکام ہے، خواہ وہ اپنا نام یہودی رکھے یا مسلمان۔ اور جو ایمان تو رکھتا ہے مگر اعمال صالحہ کا تارک ہے وہ فاسق و نافرمان ہے۔ قرآن مجید نے اس قانون کو بار بار بیان فرمایا ہے تاکہ یہودیوں کی اس بیماری کی اصلاح ہو اور وہ صرف یہودی کہلانے پر فخر کرنے اور مطمئن ہونے کی بجائے ایمان اور اعمال صالحہ کو اختیار کریں اور اس میں مسلمانوں کے لئے بھی نصیحت ہے کہ وہ صرف مسلمان کہلوانے ہی کو کامیابی کی ضمانت نہ سمجھ لیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ حقیقی مسلمان بن کر دکھائیں۔

ایک بہت ہی اہم نکتہ

یہودیوں کے لئے آسمان سے شریعت اتری۔ ان پر لازم تھا کہ اسے مضبوطی سے پکڑیں اور اس پر عمل کریں اور صرف اسی شخص کو یہودی کہیں یا یہودی کہلوانے کا حق دیں جو اس شریعت کے مطابق عقائد اور اعمال رکھتا ہو۔ اگر یہودی اس پر عمل کرتے تو یہودیت محفوظ رہتی اور شیطانی عقائد و افکار کا نام نہ بنتی۔ مگر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا بلکہ جس شخص نے بھی خود کو یہودی کہا انہوں نے اسے قبول کر لیا اور یہودی کے لیبل کو کافی سمجھا اور اسی لیبل کی اشاعت اور تشہیر میں مگن رہے۔ یہی حال عیسائیوں کا بھی ہے۔ حالانکہ

یہودیوں کے علماء پر لازم تھا کہ آسمان سے اترے ہوئے دین کی حفاظت کرتے اور اس میں باطل نظریات اور غلط عقائد اور فاسد اعمال کو شامل نہ ہونے دیتے اور نہ ہر کسی کو یہ حق دیتے کہ وہ دین میں جو چاہے کمی یا زیادتی کرے۔ مگر یہودیوں کے علماء تو خود ہی بگڑے ہوئے تھے انہوں نے خود ہی باطل عقائد اور نظریات کو اپنے مذہب کا حصہ بنایا اور یہودی کا لیبل چپکانے والے ہر شخص کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ جو چاہے دین میں کمی یا زیادتی کرے۔ البتہ خود کو یہودی کہلواتا رہے۔ بس اس طرح سے یہودیت تباہ و برباد ہو گئی اور یہودی مسلسل راہ حق سے ہٹتے رہے یہاں تک کہ جب نبی آخر الزماں تشریف لائے تو یہودیوں نے ان کا بھی انکار کر دیا اور دنیا کی علمی قیادت اور آخرت کی کامیابی کا سنہری موقع ضائع کر دیا۔ لیکن الحمد للہ مسلمانوں نے اس بارے میں کافی حد تک بیداری کا ثبوت دیا اور انہوں نے ہر کسی کو اپنے اوپر مسلمان کا لیبل چپکانے کی کھلم کھلا اجازت نہیں دی بلکہ جس شخص نے دین کی بنیادی باتوں کا انکار کیا اور وہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہوا یا جس شخص نے بھی اسلام کا نام لے کر کوئی کفریہ عقیدہ اختیار کرنے یا پھیلانے کی کوشش کی تو علماء اسلام نے فوراً اس کی پیش بندی کی اور اسے اسلام اور مسلمانوں کا نام استعمال کرنے سے روکا۔ علماء اسلام کی اسی کوشش اور قربانی کا نتیجہ ہے کہ الحمد للہ آج بھی اسلام اپنی اسی اصل شکل و صورت کے ساتھ محفوظ ہے جس پر حضور اکرم ﷺ اسے امت کو دے کر گئے تھے اور اس میں ایک شوشے کی بھی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی۔ آج کے دور میں مسلمانوں پر یہ دباؤ بڑھایا جا رہا ہے کہ وہ ہر کسی کو مسلمان کہلوانے کی اجازت دیں اور اس دباؤ کا مقصد اسلام کو بھی یہودیت کی طرح تباہ و برباد کرنا ہے۔ لیکن جب تک سورج مشرق سے نکل رہا ہے اہل حق ہر طرح کی ملامت کی پروا کئے بغیر اسلام کی حفاظت کرتے رہیں گے اور کسی غلط عقیدے یا فاسد عمل کو اسلام کا حصہ نہیں بننے دیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

عبرت و موعظة

یہود و نصاریٰ کی پیروی کرنے کی بابت حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کی صداقت کھلی آنکھوں سے ہمارے سامنے ہے۔ یہودیوں نے اس عقیدے اور ان اعمال کو چھوڑ دیا جو سات آسمانوں کے اوپر سے ان کی فلاح کے لئے نازل ہوئے تھے مگر انہوں نے لفظ یہودی کو تھام لیا اور اسی کو کامیابی کی ضمانت سمجھنے لگے۔ یہودیوں کی یہ بیماری بعض بد قسمت مسلمانوں میں بھی سرایت کر گئی ہے۔ ان بد قسمت لوگوں نے ختم نبوت جیسے اسلامی عقیدے کا انکار کر دیا اور مشرقی پنجاب کے ایک مخبوط الحواس، مجسم شر شخص کو اللہ کا نبی مان لیا مگر پھر بھی انہیں اصرار ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور انہیں مسلمان کہلوانے کا حق ہے اور بس وہی جنتی ہیں اور باقی سب مسلمان نعوذ باللہ دوزخی ہیں۔ یہودیوں کی طرز پر چلنے والے ان بد قسمت انسانوں کو اپنے عقائد، اپنے قائدین کے عقائد اور اپنے اور اپنے پیشواؤں کے اعمال کا بغور جائزہ لینا چاہئے اور پھر قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ایمان کے مفہوم کو سمجھنا چاہئے تب انہیں یقین ہو جائے گا کہ واقعی وہ تو یہودیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور ایمان اور اعمال صالحہ سے کورا ہونے کے باوجود خود کو کامیاب اور ناجی سمجھ رہے ہیں۔

اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے یکفینا کتاب اللہ (اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے) کا نعرہ لگا کر حضور اکرم ﷺ کی احادیث کا انکار کر دیا ہے اور اس نعرے کی آڑ میں خود کو دین کے بہت سارے عقائد اور احکامات سے آزاد کر لیا ہے، یہ لوگ بھی قرآن مجید کے حقیقی آئینے میں اپنا چہرہ دیکھیں تو انہیں اپنے منہ پر یہودیت کی کالک صاف نظر آئے گی۔ ان کے لئے بھی موقع ہے کہ وہ یہودیت کے ذلت ناک راستے کو چھوڑ کر خالص اسلام کے باعزت اور پاک راستے کو اختیار کریں اور اپنی عصری تعلیم کے زور پر اسلام کو بدلنے کی مکروہ کوششوں سے باز رہیں۔ اسی میں ان کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اگر وہ نہیں

مانیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے۔

اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے اس امت میں سے سب سے زیادہ یہودیت کا اثر قبول کیا اور نعوذ باللہ قرآن مجید کا انکار کر دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اصل قرآن تو بارہویں امام کے پاس ہے اور بارہواں امام غار میں ہے۔ ان لوگوں نے اسلام کے کلمے اور اذان تک کو بدل دیا۔ رسالت اور امامت کو خلط ملط کر دیا۔ قرآن و سنت کے عینی گواہوں پر جرح کی اور نعوذ باللہ ان کے کفر تک کے فتوے جاری کر دیئے اور طرح طرح کی شرکیہ رسوم کو اسلام بنا کر پیش کیا۔ اسلام میں یہودیت کے یہ علمبردار ہمیشہ سے مسلمانوں کے گلے کاٹتے اور دل دکھاتے آرہے ہیں۔ کاش! یہ بھی عقل و دانش سے کام لیں اور یہودیت کا راستہ چھوڑ کر اسلام کے پاک راستے کو اپنائیں۔ ورنہ ان کے موجودہ عقائد اور اعمال اور پھر اسلام کا دعویٰ یہودیوں کے دعوے نحن ابناء اللہ و احباؤہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ گھوڑوں اور آستانوں پر سر جھکانے والے اور اصحاب رسول کو سب وشتم کا نشانہ بنانے والے یہ لوگ اس قرآنی قانون کو پڑھیں اور اس میں غور کریں:

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.

(بقرہ: ۱۱۲)

ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو قیامت کے دن نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تحریف قرآن اور "بدا" جیسا کفریہ عقیدہ اور صحابہ کرام اور ازواج مطہرات پر سب وشتم اور متعہ جیسا عمل رکھتے ہوئے اسلام کا دعویٰ دنیا میں تو شاید کچھ لوگ قبول کر لیں مگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہونے والا نہیں ہے۔ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے اور تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتاری جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

اسی طرح وہ مسلمان جن کے ماں باپ نے ان کے اسلامی نام رکھے ہیں چنانچہ وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ مگر وہ یورپ اور امریکہ میں جا کر اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال کو بھول چکے ہیں یا اپنے ہی ملکوں میں سخت قسم کے کبیرہ گناہوں میں پڑ کر اب اسلامی عقائد تک سے غافل ہوتے جا رہے ہیں یا روزی کی بھول بھلیوں میں پڑ کر انہیں یہ یاد ہی نہیں رہتا کہ ان کا عقیدہ اور عمل کیا ہونا چاہئے، انہیں اپنے ایمان کی سخت فکر کرنی چاہئے۔ کیونکہ شرابوں اور گناہوں میں پڑ کر اگر خدانخواستہ ایمان ہی چھن گیا تو نہ مسلمان کہلانا کام دے گا نہ اسلامی نام، نہ نماز جنازہ ادا کرنے سے بخشش ہوگی نہ زم زم میں دھلے کفن میں لپٹنے سے، نہ بعد کی فاتحہ خوانی کام آئے گی نہ ورثاء کی طرف سے کیا جانے والا صدقہ خیرات۔ اس لئے ہم سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ یہودیوں کی مذکورہ بالا بیماری کا تذکرہ پڑھنے اور نجات کے لئے قرآن مجید کا عمومی قانون معلوم ہو جانے کے بعد فوراً اپنے ایمان، اپنے عقائد و نظریات، اپنی فکر و سوچ اور اپنے اعمال کا از سر نو جائزہ لیں اور موروثی مسلمان بننے کی بجائے شعوری مسلمان بنیں اور اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہیں اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہیں اور جہاں بھی کسی طرح کی شیطانی ملاوٹ نظر آئے فوری طور پر اس کا ازالہ کریں۔ خود ہمارا رب ہم مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیتا ہے۔

خالی اسلام کا لیبل چسپاں کرنا جب کافی نہیں ہے تو کسی تنظیم یا پارٹی یا گروہ کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ صرف اس کا لیبل اپنے اوپر لگا دینا نجات کی علامت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.

(بقرہ: ۲۰۸، ۲۰۹)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر تم روشن احکام پہنچنے کے بعد لڑکھڑا جاؤ تو جان لو اللہ تعالیٰ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

آج ایمان کے ڈاکو اور شیطان کے کارندے گلی گلی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ الحاد اور بدعات کی بادسموم شجر ایمان کو جلانے کے لئے بے تاب ہے۔ حق اور روشنی کی کرن وہ اللہ والے علماء کرام ہیں جو یہود و نصاریٰ کے اثرات اور دنیا پرستی سے محفوظ ہیں اور قرآن وسنت کا باقاعدہ اور مستند علم اور اپنے اکابر کی نسبت سے سرفراز ہیں۔ بس انہیں کی رہنمائی میں اپنے ایمان اور اپنے اعمال کی حفاظت ہمارے لئے مذکورہ بالا یہودی بیماری سے بچنے کا بہترین راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اسلامی عقیدہ کیا ہے؟ اسلامی اعمال کیا ہیں؟ یہ سمجھے اور سیکھے اور اپنے بچوں کو ایسی درسگاہوں میں بھیجے جہاں انہیں اسلامی عقائد اور اعمال کا علم حاصل ہو۔ اگر آپ نے انہیں ڈاکٹر اور انجینئر بنانے کی ٹھان رکھی ہے تب بھی پہلے انہیں شعوری مسلمان بنایئے اور جب تک وہ مضبوط اور شعوری مسلمان نہ بن جائیں اس وقت تک انہیں ان درسگاہوں میں نہ بھیجئے۔ جہاں پر یہود و نصاریٰ کو آئیڈیل بنا کر تعلیم دی جاتی ہے۔ کیونکہ آپ نے قرآنی آیات کی روشنی میں پڑھ لیا ہے کہ صرف نام کا اسلام یا نام کا مسلمان ہونا بالکل کافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو حقیقی اور شعوری مسلمان بنائے۔ آمین ثم آمین

یہودیوں کی تیسری بیماری

تفریق فی الایمان۔ بعض کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا

دین میں کمی ہو یا زیادتی، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بدترین جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو ایک شریعت عطا کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا ان کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ کسی بھی قوم کی کامیابی اسی بات میں ہوتی ہے کہ وہ ان تمام چیزوں پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہو اور شریعت کے تمام احکام کو بھی دل وجان سے قبول کرے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یہی سلسلہ چلتا رہا اور بالآخر حضور اکرم ﷺ کو ایک ایسا کامل دین اور ایسی کامل شریعت دے دی گئی جو تمام جہان کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ یہودیوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کا یہی قانون تھا اور انہیں بھی نہایت تفصیل کے ساتھ دین اور شریعت کے احکام سمجھائے گئے اور ان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان سب کو مانیں اور ان سب پر ایمان لائیں چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ.

(الاعراف: ۱۴۵)

اور ہم نے تورات کی تختیوں پر ان کے لئے ہر قسم کی نصیحت اور (ضروری احکام کے متعلق) ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا) اسے زور سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (لکھی ہوئی ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے

رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھلادوں گا۔

یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام مل گئے تھے اور یہی احکام بہترین تھے مگر نافرمانی تو یہودیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور انہیں بس اپنے یہودی کہلوانے پر فخر تھا، اس لئے انہوں نے بعض احکامات کو مان لیا جو ان کے نفس کو اچھے لگے اور بعض احکامات کا انکار کردیا۔

قرآن مجید انکی اس بیماری کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

(۱) اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ. (بقرہ: ۸۵)

(یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب اللہ کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کردیتے ہو تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

یہ یہودیوں کی بہت بڑی بیماری اور کمزوری تھی کہ وہ اپنے دل ودماغ کو احکام الٰہی کا تابع نہ کرسکے۔ بالفاظ دیگر ان کی فطرت ہی بگڑ چکی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں اور جنکی فطرت ٹھیک ہو، انہیں اللہ تعالیٰ کا ہر حکم خوب سمجھ آتا ہے اور وہ حکم الٰہی کے انکار کا تصور بھی نہیں کرسکتے مگر یہودی بد فطرت تھے اور ان کے لئے احکام الٰہی کا انکار کرنا، بعض احکام کو بدل دینا اور طرح طرح کی تاویلوں کے ذریعے سے احکام الٰہی کو چھپا دینا کچھ مشکل نہیں تھا اور ان کی یہ بیماری اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ ان چیزوں میں بھی تفریق کرنے لگے تھے جن کے ماننے کو ہر شریعت میں لازم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ ان میں سے بھی بعض چیزوں کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا. (النساء: ۱۵۰،۱۵۱)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں وہ بلاشبہ کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یعنی ایمان ایسی چیز نہیں ہے جس میں تفریق اور تجزی ہو سکے کہ جس کی مرضی جسے چاہے مان لے اور جسکا چاہے انکار کردے۔ بلکہ جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ ماننا سب کو نہ ماننے جیسا ہے۔ اور قرآن مجید نے اسے اعلیٰ درجہ کا کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو تو مانتا ہوں مگر وقت کے نبی کو نہیں مانتا تو اسکا اللہ تعالیٰ کو ماننا بھی قابل قبول نہیں ہوگا۔ ایمان لانا ایک فرض ہے کسی پر احسان نہیں۔ اس لئے جن جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو جو ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کریگا تو گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا ہی انکار کردیا۔ یہودی چونکہ شہرت پسند تھے اور انہیں اپنی کم ہمتی اور پست ذہنی کی وجہ سے ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا تھا کہ وہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ افراد کو خوش رکھیں تاکہ انہیں تحفظ ملا رہے اور وہ خوب دنیا لوٹتے رہیں، اس لئے وہ کفر اور ایمان کے درمیان ایسی راہیں ڈھونڈتے تھے جن پر وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع کرسکیں اور ایمان بیچ کر زیادہ سے زیادہ مقبولیت حاصل کرسکیں۔ لوگوں کے ڈر اور مقبولیت حاصل کرنے کے اس شوق میں وہ ایمان میں تفریق جیسی کفریہ حرکتیں کرتے تھے اور چونکہ اس طرح کی کفریہ حرکتوں کی تاثیر ہی ذلت ہے، اس لئے نہ انہیں ایمان نصیب ہوتا تھا اور نہ لوگوں کے درمیان مقبولیت۔ خسر الدنیا والآخرہ.

اسلامی دعوت

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو مذکورہ بالا یہودی بیماری سے بچانے کے لئے بھرپور طریقے سے ایمان کامل اور مکمل فرمانبرداری کی بار بار تاکید فرمائی ہے اور بنیادی طور پر ان امور ششگانہ (چھ چیزوں) پر بلا تفریق مکمل ایمان کی دعوت دی۔

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان (۲) ملائکۃ اللہ پر ایمان لانا (۳) اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان (۴) اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان (۵) آخرت کے دن پر ایمان (۶) تقدیر پر ایمان۔

ان چھ امور پر دل سے ایمان لانا اور زبان سے تصدیق کرنا ایک ایسا لازمی امر ہے جس کے بغیر ایمان کا دعویٰ سچا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے نہایت صراحت کے ساتھ ان امور پر ایمان لانے کو لازمی قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ.

(بقرہ: ۲۸۵)

رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ (یہ) سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔

(۲) وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا. (نساء: ۱۳۶)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اسکی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور قیامت کے دن سے انکار کرے تو وہ دور کی گمراہی

میں جا پڑا۔

ان دو آیات میں چھ میں سے پانچ امور کا تذکرہ آگیا جبکہ تقدیر کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے:

(۳) اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۤءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا.

(النساء: ۷۸)

(اے جہاد سے ڈرنے والو) تم کہیں رہو موت تو تمہیں آکر رہے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں رہو اور ان (منافق) لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی گزند پہنچتی ہے تو (اے محمد آپ سے) کہتے ہیں کہ یہ آپ کی وجہ سے ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات ہی نہیں سمجھتے؟

"کل من عند اللہ" کے مختصر جملے کے ذریعے سے تقدیر کے مہتم بالشان مسئلے کو سمجھا دیا گیا۔

ان چھ چیزوں پر ایمان لانا تو بنیاد ہے جبکہ مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ کل ماجاء بہ النبی ﷺ وعلم مجیئہ بالضروۃ پر ایمان لائے یعنی تمام ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ضروریات دین کا مطلب یہ ہے کہ جن امور اور احکام کا دین اور شریعت میں سے ہونا بالکل یقینی اور واضح ہے، ان کو ماننا ضروری ہے اور جو بھی ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کریگا وہ ہرگز مؤمن نہیں ہوگا بلکہ وہ بھی یہودیوں کی طرح تفریق فی الایمان جیسے عظیم جرم کا مرتکب اور بلاشبہ کافر ہوگا۔ چنانچہ یہ بھی جائز نہیں کہ انبیاء میں تفریق کی جائے اور بعض کو مانا جائے اور بعض کو نہ مانا جائے بلکہ سب کو ماننا ضروری

ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ قرآن مجید کے بعض احکامات کو مانا جائے اور بعض کو نہ مانا جائے جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۴) قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ۔ (بقرہ: ۱۳۶)

کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر، اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور انکی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں اور جو اور نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان پر (ایمان لائے)! ور ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

یعنی ہم سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور سب کو حق سمجھتے ہیں اور اپنے اپنے زمانے میں سب واجب الاتباع ہیں۔ اور ہم خدا کے فرمانبردار ہیں جس وقت جو نبی ہو گا اس کے ذریعے سے جو احکام خداوندی پہنچیں گے ان کا اتباع ضروری ہے۔ بخلاف اہل کتاب کے کہ اپنے دین کے سواسب کی تکذیب کرتے ہیں چاہے ان کا دین منسوخ ہی ہو چکا ہو۔ اور انبیاء کے احکام کو جھٹلاتے ہیں جو خدا کے احکام ہیں۔ (تفسیر عثمانی۔ ص:۲۶)

حقیقت میں ملت ابراہیمی نام ہی ایمان کامل اور اتباع کامل کا ہے کیونکہ ملت ابراہیمی دو چیزوں کا مرکب ہے (۱) حنیفیت یعنی سب کو چھوڑ کر ایک اللہ کا ہو جانا (۲) اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری۔

چنانچہ اس امت کا نام بھی مسلمان رکھا گیا یعنی اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو دل وجان سے ماننے والی امت، چنانچہ ارشاد باری ہے:

(۵) مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا۔ (الحج: ۷۸)

(اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اس نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے)۔

چنانچہ حقیقی "مسلمان" صرف وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو اسی طرح مانے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ماننے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح ملائکہ، انبیاء، آخرت، آسمانی کتابوں اور تقدیر کے بارے میں وہی عقیدہ رکھے جیسا عقیدہ رکھنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن امور کو فرض کیا ہے انہیں فرض مانے۔ جنہیں حرام کیا ہے انہیں حرام مانے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہم تک حضور اکرم ﷺ کے ذریعے پہنچے ہیں اور حضور اکرم ﷺ ہی قیامت تک کی انسانیت کے لئے آخری نبی ہیں، اس لئے حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی آسمانی کتاب قرآن مجید اور حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی کامل شریعت کو ماننا ہی ایمان ہے۔ اور اس سے سرمو انحراف کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

(۶) قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (اعراف: ۱۵۸)

اے نبی! اعلان فرمادیجئے کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔

یعنی آپکی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے۔ عرب کے امیین یا یہود ونصاریٰ تک محدود نہیں۔ جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے آپ اس کے رسول مطلق ہیں اب ہدایت اور کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ لے کر آئے ہیں۔ یہی (وہ) پیغمبر ہیں جن پر ایمان لانا تمام انبیاء ومرسلین اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مرادف ہے۔ (تفسیر عثمانی۔ ص:۲۲۶)

پھر آپ ﷺ کو جو دین دیا گیا ہے وہ دین کامل ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔

اب نہ اس میں کسی کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی۔ دنیا بیسویں صدی میں رہے یا اکیسویں میں داخل ہو جائے، لوگ گھوڑوں کی سواری کریں یا راکٹوں پر اڑنے لگیں۔ کامیابی اور ہدایت اسی دین میں ہے۔ اور دنیا کی کسی بھی تبدیلی یا تقاضے کی وجہ سے اس دین کو نہیں بدلا جائے گا البتہ دنیا کو اور تقاضوں کو اس دین کے مطابق ڈھالنا ہوگا تبھی کامیابی ملے گی۔ قرآن مجید اس دین کے کامل و مکمل ہونے کا واشگاف اعلان ان الفاظ سے فرماتا ہے:

(۷) اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (مائدہ: ۳)

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ وہ آیت کریمہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کے انتقال سے اکیاسی روز پہلے نازل ہوئی اور اس میں یہ اعلان کردیا گیا کہ اگر اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہو اور اللہ کی نعمتوں سے مالامال ہونا چاہتے ہو تو اس پورے اور مکمل دین کو مکمل طور پر مان لو اور اختیار کرلو۔ اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اب اسلام میں کسی طرح کے اضافے یا ترمیم کی، یا کسی کے صاد یا تصحیح کی، نہ ہی ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔ چنانچہ جن لوگوں کے سینے میں انسان کا دل ہوتا ہے اور جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے وہ اللہ کے اس پسندیدہ دین کی ہر بات کو مانتے ہیں اور دل وجان سے پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ. (انعام: ۱۲۵)

پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت بخشا چاہتا ہے اسکا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرکے اسکا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کردیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ ایک طرح کی ایسی روشنی ڈال دیتے ہیں جس سے اسکا دل دین حق کی ہر بات کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے کھل جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا کوئی ایسی علامت بھی ہے جس سے یہ شخص پہچانا جائے؟ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نعم الانابة الی دار الخلود والاعراض عن دارالغرور والاستعداد للموت قبل نزوله.

(تفسیر ابوالسعود حاشیہ جلالین: ص:۱۲۴)

ہاں (ایسے شخص کی علامت یہ ہے کہ) اس شخص کی رغبت ہمیشہ کے گھر آخرت کی طرف ہو جاتی ہے اور وہ دنیا کے دھوکے والے گھر سے منہ موڑلیتا ہے اور موت آنے سے پہلے اس کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔

واقعی آخرت کی فکر رکھنے والے اور دنیا سے بے رغبتی رکھنے والے اور موت کی تیاری میں لگے رہنے والے افراد ہی دین کو سمجھتے ہیں اور انہیں دین کا ہر حکم بھلا معلوم ہوتا ہے۔ بے شک ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی نور پیدا کردیا جاتا ہے کہ دنیا والوں کی ہزار مخالفتوں اور اعتراضات کے باوجود ان کا ذہن دین کے کسی حکم سے نہیں پھرتا اور دنیا کی تبدیلیاں اور تقاضے انہیں دین کے احکامات کا انکار کرنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔

عبرت و موعظة

قرآن مجید کی روشنی میں یہودیوں کی بیماری ہمارے سامنے آگئی اور اسلام کا موقف اور اسلامی دعوت کو بھی ہم نے پڑھ لیا۔ آجکل کے حالات کا جائزہ لینے سے پہلے ہم ماضی پر ایک نظر دوڑاتے ہیں اور یہودیوں کے اکابرین اور اپنے اکابرین کے کردار پر ایک مختصر سی نظر ڈالتے ہیں۔ یہودیوں کا حال تو خود قرآن مجید میں اور خود انکی تاریخی کتابوں میں مذکور

ہے کہ ان کے بڑوں کی اکثریت کے دلوں میں دین نہیں اترا تھا کیونکہ ان کے دل اندھے تھے اور ان کے دلوں پر نفسانی اغراض اور خواہشات کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آسمان سے اترنے والی شریعت میں خود ہی اپنے نفسانی تقاضوں کے تحت ترمیم شروع کی اور دین کے احکامات میں اس طرح کتر و بیونت سے کام لیا کہ کچھ ہی عرصے میں اصلی دین کا حلیہ بگڑ گیا۔ انکی ہر نسل دین کے کچھ نہ کچھ حصے کو کاٹ کر پھینکتی رہی اور انکے ہر حکمران اور ہر مذہبی رہنما نے اپنی استطاعت کے مطابق دین کے احکامات کا انکار کیا اور دین کو اس مردہ لاش کی طرح سمجھ لیا جو گدھوں کے تصرف میں آجائے اور لاش کا کوئی ولی وارث بھی نہ ہو۔ یہودیوں کو چاہئے تھا کہ اپنے نفس اور اپنی عقل کو دین کے مطابق ڈھالتے مگر انہوں نے دین کے ہر حکم کو اپنے نفس اور اپنی عقل کی عدالت میں لا کھڑا کیا۔ چنانچہ جس حکم کو ان کے نفس یا عقل نے مان لیا اسے انہوں نے لے لیا اور جس حکم کو ان کے نفس نے قبول نہ کیا یا جس حکم کو سمجھنے سے انکی عقل ناکام رہی اس حکم کا انہوں نے بے دھڑک انکار کر دیا۔ پھر چونکہ ہر فرد کی عقل دوسرے سے الگ ہوتی ہے اس لئے کسی کی عقل نے کسی حکم کو جھٹلایا تو کسی کی عقل نے کسی حکم کو۔ اور یوں پورا دین اور پوری شریعت بے لگام عقل اور ظالم نفس کی بھینٹ چڑھ گئی اور سوائے نام کے اور کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ دین میں چھانٹی کا یہ مرض یہودیوں کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوا اور وہ چھانٹی کرتے کرتے کامیابی کے راستے سے مکمل طور پر ہٹ گئے اور کفر و ذلت کی تاریک گھاٹیوں میں جا گرے۔

مگر اس کے برعکس ہمارے اکابر خصوصاً حضرات صحابہ کرام کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ انہوں نے آسمان سے نازل ہونے والے اور حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے بیان ہونے والے ایک ایک حکم کو مکمل طور پر سمجھا اور قبول کیا۔ اور جس طرح زرخیز زمین آسمان کی طرف سے آنے والی بارش کو مکمل طور پر قبول کر لیتی ہے اور پھر اس سے پھلوں اور پھولوں کی فصلیں پھوٹ پڑتی ہیں، اسی طرح حضرات صحابہ کرام نے ہر آسمانی حکم کو قبول کیا

اور پھر اس حکم کی حکمتیں پوری دنیا پر عیاں کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو قبول کرنے کے بہترین نتائج خوبصورت فصلوں کی طرح ان پر لہلہاتے ہوئے نظر آئے اور پوری دنیا ان فصلوں سے فیض یاب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کا انکار کرنا تو در کنار، انہیں کسی حکم میں شبہ تک پیدا نہیں ہوا۔ انہیں جب کہا گیا کہ سب انبیاء کو مانو تو وہ یہودیوں کی طرح کسی طرح کے قومی تعصب میں مبتلا نہ ہوئے بلکہ انہوں نے اپنے دل تمام انبیاء علیہم السلام کی عقیدت اور محبت کے لئے کھول دیئے۔ انہیں جب کہا گیا کہ تمام کتابوں کی تصدیق کرو تو وہ کسی طرح کے مذہبی تعصب میں مبتلا نہ ہوئے۔ انہیں جب ملائکہ پر ایمان لانے کو کہا گیا تو انہوں نے یہودیوں کی طرح فرشتوں میں چھانٹی نہیں کی کہ فلاں ہمیں اچھا لگتا ہے اور فلاں نہیں بلکہ انہوں نے ملائکہ کو اپنے دل میں وہی مقام دیا جس مقام کا ان سے تقاضا کیا گیا تھا۔ جب انہیں کہا گیا کہ آخرت کو مانو تو پھر انہوں نے دنیا کو ایک گزرگاہ ہی سمجھا اور اسے یکسر فراموش کر دیا اور دنیا کو اس طرح سے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا جسکا یہودی تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ تقدیر پر ایمان لاؤ تو انکی یہ حالت ہو گئی کہ زخم کھا کر بھی مسکراتے تھے۔ بھوکے رہ کر بھی خوش ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر حالت کا اس طرح سے استقبال کرتے تھے جیسے کہ وہ اسی کے انتظار میں ہوں۔ انکی عورتیں اپنے شیر خوار بچوں کے انتقال پر واویلا کرنے کی بجائے اپنے خاوندوں کو سمجھاتی تھیں کہ اللہ کی امانت تھی جو اس نے واپس لے لی۔ انہیں جب کہا گیا کہ پورے کے پورے دین کو قبول کرو تو انہوں نے اپنی عقل اور اپنی سوچ تک کو دین کا تابع کر لیا اور اپنے نفس کو ایسا مسلمان بنایا کہ وہ بھی اللہ کے کسی حکم کے انکار کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔ یہودی تو خود اللہ کے احکام کا انکار کرتے رہے جبکہ صحابہ کرام نے اللہ کے احکامات کی حفاظت کو اپنا مشن بنا لیا اور فرائض تو فرائض دین کے آداب اور اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کی اداؤں تک کو محفوظ کر لیا۔ حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد جب ایک قبیلے نے حضور اکرم ﷺ کے مقرر فرمودہ طریقے کے مطابق

زکوٰۃ دینے سے انکار کیا گیا تو سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے خلاف قتال کا ارادہ فرمایا اور جب دوسرے صحابہ کرام نے مشورہ دیا کہ قبائل کے یہ لوگ ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں اس لئے زکوٰۃ کی بابت ان پر سختی نہ کی جائے بلکہ ان سے نماز ہی کو کافی سمجھ لیا جائے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اگر یہ لوگ مجھے ایک رسی دینے سے انکار کریں گے جو جناب رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے اور پھر دنیا کے سارے درخت، پتھر، انسان اور جن بھی ان کے ساتھ مل کر آجائیں گے تب بھی میں ان سے ضرور جہاد کروں گا یہاں تک کہ میری روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز و زکوٰۃ میں تفریق نہیں فرمائی بلکہ ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ (کنز العمال بحوالہ حیات الصحابہ، حصہ سوم)

مؤرخین نے اس موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وہ تاریخی الفاظ محفوظ کرلئے ہیں جو قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ جبکہ یہودیوں سمیت تمام باطل فرقے اپنی تاریخ میں ایسے الفاظ نہیں دکھا سکتے بلکہ ان الفاظ نے انکی گردنوں کو شرم سے جھکا دیا ہے کیونکہ وہ لوگ خود اپنے ہاتھوں سے دین کے احکامات کو کاٹتے رہے اور ان کا انکار کرتے رہے۔ جبکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

أینقص الدین وأنا حيّ؟ — یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں زندہ ہوں اور دین میں کمی کی جائے، کتر و بیونت کی جائے؟

سبحان اللہ! کیا جذبات انگیز وجد آفرین الفاظ ہیں۔ واقعی ایک مؤمن صادق اپنی زندگی میں دین کے کسی حکم کا انکار کرنا تو درکنار کسی اور کو بھی دین میں کمی کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا بلکہ وہ اس طرح کی ہر مذموم کوشش کے مقابلے میں جان ہتھیلی پر رکھ کر سینہ سپر ہوجاتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اس موقع پر خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروقؓ کے مبارک الفاظ بھی نقل کردیئے جائیں تاکہ انہیں پڑھ کر مسلمانوں کو اسلام کے ایک ایک حکم پر ڈٹے رہنے کی توفیق ملے اور یہودیوں کا سر شرم سے جھک جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں:

انا کنا اذل قوم فاعزنا اللہ بالاسلام فمهما نطلب العز بغیر ما اعزنا اللہ به اذلنا اللہ. (مستدرک)

ہم ایک ذلیل وخوار قوم تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین اسلام کی برکت سے عزت بخشی جب بھی ہم کسی ایسے طریقہ سے عزت حاصل کرنا چاہیں گے جو اسلام کے خلاف ہو گا تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کردے گا۔

ان الفاظ سے دین میں کمی اور زیادتی دونوں کی نفی ہوگئی۔ یہ الفاظ حضرات صحابہ کرام کے جذباتی دعوے نہیں تھے بلکہ حقیقت میں ان کا سینہ پورے دین کے لئے کھل چکا تھا اور وہ اسلام کے کسی ادنیٰ سے حکم کو بھی مٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہم اس تقابلی جائزے کا اختتام مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ پر کرتے ہیں۔

"قرآن کی آیات وہ بے شمار احکام لائیں جو ان (صحابہ کرام) کے لئے پہلے سے مانوس نہ تھے، نفس ومال، اولاد وخاندان کے بارے میں احکام نازل ہوئے جنکی تعمیل کچھ ہنسی کھیل نہ تھی۔ لیکن انہیں خدا اور رسول کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ گئی تھی۔ شرک وکفر کی گتھی جب سلجھ گئی تو ساری گتھیاں ہاتھ لگاتے ہی سلجھ گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار ان کے ایمان کے لئے کوشش فرمائی پھر ہر امر ونہی اور ہر نئے حکم کے لئے مستقل کوشش اور جدوجہد کی ضرورت نہ رہی .... وہ لوگ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے، مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آگئے۔ ان پر جب حق واضح ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی۔ آپ کے فیصلہ پر ان کو کبھی ذہنی یا قلبی کشمکش پیش نہ آئی"۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: ص: ۹۹ تا ۱۰۰)

ایک نظر گریبان پر

صحابہ کرام نے یہودیوں کی طرح ایمان میں کسی طرح کی تفریق نہیں فرمائی، نہ

عقائد میں نہ احکام میں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے ایمان کی جگہ جگہ تعریف فرمائی اور انہیں کے کامل ایمان کو قیامت تک کی انسانیت کے لئے معیار قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ. (بقرہ: ۱۳۷)

تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں گے اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو پھر وہی ہیں ضد پر۔

اس آیت میں آمنتم کے مخاطب حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام ہیں چنانچہ ان کے ایمان کو مثالی نمونہ قرار دے کر تمام انسانوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ بھی حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام جیسا ایمان لائیں اور اس سے ذرہ برابر انحراف نہ کریں۔

اب ہمارے سامنے دو بالکل واضح مثالیں موجود ہیں۔ ایک صحابہ کرام کے ایمان کامل کی اور دوسری یہودیوں کی جنہوں نے الحاد سے کام لیا اور ایمان میں تفریق کی۔ اب ہمیں اپنے ماضی اور حال کا جائزہ انہیں دو مثالوں کو سامنے رکھ کر لینا چاہئے۔ چنانچہ ماضی میں بھی اور حال میں بھی ہمیں اپنے اندر یعنی مسلمان کہلانے والوں کے اندر دونوں مثالوں کی اتباع کرنے والے افراد نظر آتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے کہ ماضی اور حال دونوں میں ہمیں اپنے اندر اکثریت ان افراد کی نظر آتی ہے جنہوں نے صحابہ کرام کے طریقے پر ایمان کامل کو تھاما اور دین میں کمی، کتر و بیونت اور الحاد کی یہودی بیماری سے محفوظ رہے۔ لیکن ہمیں اس چیز کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ماضی اور حال دونوں میں ہمارے اندر ایسے بد قسمت افراد کی بھی کمی نہیں رہی جو حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق یہودیت کی اس بیماری کا شکار ہو کر الحاد جیسے بدترین جرم میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے دین کی بہت سی بنیادی اور اہم باتوں کا انکار کر دیا یا بہت سی اہم باتوں کو غیر اہم قرار دے دیا۔ ملحدین

کے اس ٹولے کے بعض افراد نے اسلام کی بنیاد پر وار کرنے کی کوشش کی تو بعض نے اس کے تنے اور شاخوں پر الحاد کی آری چلانے کی جسارت کی۔ مگر چونکہ دین اسلام کے محافظ ہر دور میں موجود رہے اور انشاء اللہ تا قیامت موجود رہیں گے۔ اس لئے ملحدین کا یہ ٹولہ اصل اسلام کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا البتہ انہوں نے اپنے اور اپنے بد قسمت متبعین کے دین کو تباہ کر ڈالا اور وہ اپنے پیچھے سیئات جاریہ کا بھڑکتا الاؤ چھوڑ گئے۔ قرآن مجید ان ملحدین کے انجام کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ آيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْ آمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (حم السجدہ: ۴۰)

جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن وامان سے آئے؟ جو چاہو سو کر لو جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

الحاد بھی کفر ہی کی ایک قسم ہے اور چونکہ اس امت کے جن بد قسمت افراد نے تفریق فی الایمان کے جرم کو ماضی یا حال میں اپنایا ہے انہوں نے کھلم کھلا انکار کرنے کی بجائے الحاد ہی کے راستے کو اختیار کیا ہے، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ الحاد کے معنی بھی بیان کر دیئے جائیں۔

الحاد۔ لغت میں الحاد کہتے ہیں کسی جانب مائل ہونے اور منحرف ہونے کو۔

لحد عن کذا۔ ھٹنا، منحرف ہونا۔ (القاموس الجدید: ص:۸۲۰)

لحد السھم عن الھدف۔ تیر کا نشانے سے خطا ہونا۔ (مصباح اللغات ص:۷۶۹)

اسی لفظ کی مناسبت سے بغلی قبر کو بھی لحد کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی ایک جانب مائل ہوتی ہے۔ تفسیر روح المعانی میں الحاد کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

الانحراف عن الحق الی الباطل — الحاد کہتے ہیں حق سے باطل کی طرف منحرف

ہونے کو۔ (روح المعانی بحوالہ حاشیہ جلالین: ص:۳۹۹)

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ الحاد کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

الحاد: ھو وضع الکلام علی غیر موضعه. (تفسیر اکلیل) کلام کی غلط تشریح وتفسیر کو الحاد کہتے ہیں۔

الحاد کی مذکورہ بالا تشریحات سے معلوم ہوا کہ الحاد کفر کی ایک قسم ہے جو ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو ظاہری طور پر تو ایمان بالقرآن کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ قرآن مجید کی اور دیگر احکام اسلامیہ کی ایسی تشریح کرتے ہیں جو قرآن مجید کے اصل الفاظ اور مقصد سے میل نہیں کھاتی، یعنی یہ لوگ احکام الٰہی کا کھلم کھلا انکار کرنے کی بجائے فاسد تاویلات کا سہارا لیتے ہیں اور "چونکہ چنانچہ" کی کھچڑی پکا کر اسلام کے واضح احکامات کا انکار کرتے ہیں اور قرآن وسنت کی ایسی تشریحات کرتے ہیں جو قرآن وسنت کے بنیادی اصولوں اور اجماع امت کے بالکل خلاف ہوتی ہیں۔ ملحدین کا یہ ٹولہ ماضی بعید میں بھی موجود تھا مگر ہم اسکا ذکر نہیں کریں گے کیونکہ ہمارا مقصد دور حاضر کا جائزہ لینا ہے اور اگر ہم نے تفصیل کے ساتھ ماضی کے ان بھیانک الحادی فتنوں کا تذکرہ شروع کر دیا تو بات بہت دور چلی جائے گی اور بہت لمبی ہو جائے گی۔ اس لئے آیئے ماضی قریب کو لیتے ہیں کیونکہ ماضی قریب میں الحاد کے فتنے نے خوب ترقی کی ہے کیونکہ جب سے مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہوئی ہے اور دنیا پر انگریزوں اور دوسری باطل قوتوں کی حکومت قائم ہوئی ہے اس وقت سے الحادی فتنوں کا ایک سیلاب عرب وعجم اور مشرق ومغرب میں امڈ آیا ہے اور چونکہ ان الحادی فتنوں کی پیٹھ پر کافر حکمرانوں کا ہاتھ تھا اس لئے خباثت کے یہ خاردار درخت خوب پھلے پھولے اور ان کے پھیلائے ہوئے جراثیم سے بہت سارے مسلمان متاثر ہوئے اور آج تک ہو رہے ہیں اور اب تو نعوذ باللہ حالت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ الحاد ایک فیشن بن چکا ہے اور نفس پرست

لوگ اسلام کے بعض احکامات کا انکار صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ انہیں دنیا میں شہرت ملے اور امن واعتدال کے ایوارڈ ان کے گلے میں ڈالے جائیں اور دنیا کے چند حقیر ٹکے انہیں نصیب ہو جائیں۔ بقول اقبالؒ ۔

کچھ غم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگدست — تہذیب نو کے سامنے سر اپنا خم کریں
رد جہاد میں تو بہت کچھ لکھا گیا — تردید حج میں کوئی رسالہ رقم کریں

(کلیات اقبال: ۲۲۵)

ماضی قریب میں ہمیں کفر کے سرپرستی یافتہ جو ملحدین نظر آتے ہیں ان میں خاص طور پر مرزا غلام احمد قادیانی، عبداللہ چکڑالوی، اسلم جیراج پوری، غلام احمد پرویز، طٰہٰ حسین، ضیاء گوگ الپ، سرسید احمد خان، نیاز فتح پوری، ڈاکٹر احمد الدین، حکیم نورالدین وغیرہم کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ ان سب نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کے بہت سارے بنیادی امور کا انکار کیا اور انگریز کی سرپرستی میں ایسی کتابیں لکھیں جو آج تک بہت سارے سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں اور وہ اسلام کے بہت سارے احکامات کے بارے میں ایسے وساوس اور شبہات چھوڑ گئے ہیں جن میں آج تک بہت سارے مسلمان غوطے کھا رہے ہیں۔ ان ظالموں نے ختم نبوت، نزول عیسیٰ علیہ السلام، احادیث رسول اللہ ﷺ کی حجیت، معجزات، جہاد فی سبیل اللہ جیسے محکم اور قطعی امور دین کا انکار کیا۔ ان سب کا الحاد الگ الگ رنگ کا ہے لیکن چونکہ ان سب کی بنیاد اور غرض محض اسلام دشمنی تھی اس لئے اگر آپ ان کی تحریریں پڑھیں تو یوں لگتا ہے کہ یہ سب ایک ہی مکتب کے تربیت یافتہ اور ایک دوسرے کے استاذ وشاگرد ہیں۔ ان سب نے اسلام پر وار کرنے کے لئے شیطانی مشورے کے مطابق علماء کرام کو اپنا پہلا ہدف بنایا اور اس بات پر زور دیا کہ دین کو سب سے زیادہ نقصان مولویوں نے پہنچایا ہے اور مولوی ہی مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اور مولویوں نے دین کو نہیں سمجھا اور مولوی ہی لوگوں کی گمراہی اور پسماندگی کا

سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ بالفاظ دیگر انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن وسنت کا براہ راست علم حاصل کرنے والے علماء کرام تو دین کے دشمن ہیں جبکہ انگریز کی گود میں پلے اور انگریزی علوم میں رنگے ہوئے یہ منشی مسلمانوں کے خیر خواہ اور دین کی سمجھ رکھنے والے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان ایمان فروشوں نے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے سے پہلے مسلمانوں کے دفاعی نظام کو توڑنا ضروری سمجھا۔ یہ لوگ چونکہ مسلمانوں سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے کہ عام مسلمان دین کے بارے میں صرف سطحی علم رکھتا ہے اور علماء سے پوچھ کر دین پر عمل کرتا ہے۔ اب اگر یہ لوگ مسلمان عوام کو علماء سے توڑے بغیر ان میں وساوس پھیلاتے تو ان کا یہ حربہ کامیاب نہ ہوتا کیونکہ مسلمان عوام علماء کرام کے پاس جا کر ان وساوس اور شبہات کا جواب معلوم کر لیتے اور ان وساوس پھیلانے والوں کے بھی دشمن بن جاتے۔ چنانچہ انہوں نے پہلا وار علماء کرام پر کیا اور ان کے خلاف اتنا کچھ لکھا اور اتنا کچھ کہا کہ بعض لوگ اس سے متاثر ہو کر علماء کرام سے کٹ گئے۔ چنانچہ اگلے مرحلے میں ان پر طرح طرح کے شبہات اور وساوس کا حملہ کر دیا گیا۔ یہ لوگ خود علم نہیں رکھتے تھے اور علماء کرام سے بھی کٹ چکے تھے چنانچہ وہ ان زہریلے تیروں کا شکار ہو کر ملحدین کے ٹولوں میں شامل ہو گئے اور اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بقول اقبال مرحوم: ابلیس نے اپنے فرزندوں کو یہ گر سکھایا تھا کہ مسلمانوں میں سے غیرت ایمانی ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں علماء سے کاٹ دو۔

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج   ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

(کلیات اقبال: ۲۲۵)

ویسے تو ہمارے زمانے اور ماضی قریب کے ملحدین کی کئی ظاہری نشانیاں ہیں جن سے یہ فوراً پہچانے جاتے ہیں مگر تین نشانیاں ان سب میں بالکل واضح طور پر نظر آتی ہیں:

(۱) اسلاف یعنی امت کے پہلے طبقوں پر یہ تہمت لگانا کہ انہوں نے دین کو اچھی طرح سے

نہیں سمجھا بلکہ دین کے بہت سارے حقائق ان پر مخفی رہے اور وہ لوگ قرآن وسنت کے سمجھنے میں غلطیاں کرتے رہے۔ (۲) کافروں کی نام نہاد مادی ترقی سے مرعوب ہونا اور اس کو ان کی بہت بڑی کامیابی سمجھ کر انہیں کامیاب انسان اور ان کی تہذیب کو کامیاب تہذیب سمجھنا اور مسلمانوں کو بھی جدت پسندی کی اور کافروں کے پیچھے پیچھے دوڑ لگانے کی کھلم کھلا یا مخفی دعوت دینا۔ (۳) علماء کرام کی مخالفت کو لازم سمجھنا اور ان پر تنقید اور انکی تعیب کا کوئی موقع ضائع نہ کرنا اور مسلمانوں کی تمام تر پستی، کسمپرسی اور بقول ان کے پچھڑے پن کا ذمہ دار علماء کرام کو قرار دینا۔

بظاہر یہ تین امور صرف نشانی یا علامت کا درجہ رکھتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو یہی تین امور کسی شخص کو ملحد بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں کیونکہ دین میں کمی اور کتر وبیونت کا جرم وہ شخص کرتا ہے جسے اسلاف امت پر اعتماد نہیں ہوتا۔ یا وہ شخص کرتا ہے جو کافروں سے یا جمہور یعنی اکثریت سے مرعوب ہوتا ہے۔ یا وہ شخص کرتا ہے جو کم علمی اور جہالت کے باوجود اسلام کا علمی دفاع کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے لیکن جب منجھے ہوئے اسلام دشمن اسکالر اس پر تابڑ توڑ سوالات کرتے ہیں اور وہ اپنی جہالت اور کم علمی کی وجہ سے انہیں جواب نہیں دے سکتا تو وہ خود الحاد کا شکار ہو جاتا ہے۔ یا وہ شخص کرتا ہے جو دنیا کی غلاظت اور مال و دولت کا طلب گار اور بزدل ہوتا ہے چنانچہ لوگوں کے خوف سے اور اپنے نفس کی لالچ سے مجبور ہو کر وہ دین کے بعض امور کا انکار کر دیتا ہے اور اس بات کی امید رکھتا ہے کہ اب کافر مجھے طرح طرح کے انعامات سے نوازیں گے اور میری جان اور میرے بچوں کا دنیاوی مستقبل محفوظ رہے گا۔ یا وہ شخص یہ جرم کرتا ہے جس کی فہم کمزور اور علم ناقص ہوتا ہے مگر خاندانی وجاہت یا کسی وجہ سے لوگ اسے اپنا بڑا اور اپنا سردار بنا لیتے ہیں تب وہ دین سیکھنے یا مسئلہ پوچھنے کے لئے کسی کے پاس جانے کو عیب سمجھتا ہے اور خود اس میں اتنی سمجھ ہوتی نہیں کہ وہ امور دین کو مکمل طور پر سمجھ سکے چنانچہ وہ اپنی مرضی سے دین میں

اضافے کرتا ہے اور اپنی مرضی سے دین کے بعض امور کا انکار کر دیتا ہے اور جاہل لوگوں کی اتباع اور واہ واہ اس کا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہے۔ یا وہ شخص یہ جرم کرتا ہے جس کا اسلام اور مسلمانوں سے کچھ لین دینا نہیں ہوتا بلکہ وہ اسلام دشمن طاقتوں کا باقاعدہ ایجنٹ اور انہیں کا پروردہ ہوتا ہے اور اسے باقاعدہ سازش کے تحت مسلمانوں میں گھسایا جاتا ہے اور اسے مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور دین کے بنیادی امور سے ہٹانے کا مشن سونپا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ شخص مذہب، سیاست، یا قوم پرستی کے کسی نعرے کے ساتھ اٹھتا ہے اور کافروں کے عطا کردہ سرمائے کی بدولت کچھ مفاد پرستوں کو ساتھ ملا لیتا ہے اور پھر موقع ملتے ہی اسلام میں کمی، زیادتی اور کتر و بیونت کا کام شروع کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کی باقاعدہ تربیت کی جاتی ہے اور غیر ملکی یونیورسٹیوں میں انہیں دین میں تحریف کرنے کے گُر اور طریقے سکھائے جاتے ہیں اور انہیں وساوس اور شبہات پھیلانے والا ایسا خنّاس بنا دیا جاتا ہے جو جہاں بھی بیٹھتا ہے مسلمانوں کے ایمان کو چوہے کی طرح کترنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ ملحدین کی یہ تمام اقسام آج ہمارے گرد و پیش میں اور عرب و عجم میں پھیلی پڑی ہیں۔ یہ لوگ ہر دن کوئی نیا انکشاف کرتے ہیں اور تحقیق جدید کے نام پر تضلیل کی نئی نئی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی نماز کا انکار کر چکا ہے تو کوئی حج کا، کسی نے جہاد کے خلاف مہم چلائی ہوئی ہے تو کوئی شرعی پردے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے، ان میں سے کوئی حدیث شریف کا منکر ہو رہا ہے تو کوئی اجماع امت اور اجتہاد کا، ان میں سے کسی نے اسلام کے معاشی نظام کا انکار کر دیا ہے تو کسی کو اسلام کے عدالتی نظام سے خوف محسوس ہو رہا ہے، ان میں سے کوئی ختم نبوت جیسے بنیادی اسلامی عقیدے کے انکار پر تلا ہوا ہے تو کوئی امامت کو نبوت بنا کر زندقہ پھیلا رہا ہے۔ الغرض الحاد اور اس کے داعی اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں سے کس کس کا تذکرہ کیا جائے؟ مسلمان چونکہ جہاد و خلافت کے سبق کو عمومی طور پر بھلا چکے ہیں اور دنیا پر عملی طور پر کفر کی حکومت قائم ہے، اس لئے اسلام کو مٹانے کی ہر

تحریک پورے زور و شور کے ساتھ اٹھتی ہے اور وہ جدت اور دنیاوی اسباب کا ایسا مسحور کن جادو جگاتی ہے کہ عام لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ گویا کہ دنیا میں ایک طرح کی دجالیت قائم ہوتی جارہی ہے یعنی کھوٹے کو کھرا بنا کر اور جعلی کو اصلی بنا کر دکھایا جارہا ہے۔ زنگ آلود لوہے پر سونے کا پانی اس طرح سے چڑھا دیا جاتا ہے کہ لوگ اسے اصلی سونے سے افضل سمجھنے لگتے ہیں۔ دراصل حکمران طبقے کا عوام پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اور آج حکومت عمومی طور پر کافروں اور منافقوں کے ہاتھ میں ہے چنانچہ حالت یہ ہو چکی ہے کہ پینٹ جیسا تکلیف دہ اور غیر فطری لباس لوگوں کو اچھا لگتا ہے جبکہ آرام دہ اور ساتر تہبند اور شلوار کو پسماندگی سمجھا جاتا ہے۔ اور تو اور کھڑے ہو کر کھانے اور پیشاب کرنے جیسے حیوانی افعال تک فیشن بنتے جارہے ہیں۔ تو جب عقلوں کا یہ حال ہے تو پھر یہ عقلیں جو غیر فطری امور کو پسند کرنے لگی ہیں فطری دین کو کس طرح قبول کر سکتی ہیں۔ چنانچہ اس ماحول میں الحاد خوب پھل پھول رہا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کا انکار کیا آج اس کی تائید کرنے والے افراد لاکھوں کی تعداد تک پہنچ چکے ہیں اور ان سب کا مقصد صرف اور صرف دنیا حاصل کرنا اور فساد پھیلانا ہے۔ مرزا قادیانی نے جہاد کا انکار کیا اور جہاد جیسے محکم فریضے کے بارے میں ایسے وساوس پھیلا دیئے کہ آج لاکھوں لوگ مرزا کی چھوڑی ہوئی بانسری بجا کر اس فریضے کا مذاق اڑاتے ہیں جو قرآن مجید کی چار سو سولہ آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور جس فریضے کی جڑوں میں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خون کی مقدس دھاریں اب تک نظر آرہی ہیں۔ دہلی کا ایک بزدل ملحد ہر دوسرے دن اخبارات میں مضمون شائع کر کے جہاد کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہے اور اس کے ہر مضمون میں یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ صلح، اصل اسلامی قانون ہے جبکہ قتال فی سبیل اللہ صرف مجبوری کا نام ہے کیونکہ قرآن مجید میں یہ تو کہا گیا ہے کہ "الصلح خیر" لیکن پورے قرآن میں کہیں بھی "الحرب خیر یا القتال خیر" کا لفظ نہیں ملتا۔ یہ ملحد جسے کچھ عرصہ قبل انڈیا کے

وزیراعظم نرسمہاراؤ نے ہندو مسلم ایکتا کیلئے محنت کے عوض میں ایک لاکھ روپے اور تعریفی ایوارڈ سے نوازا، اپنی اس دلیل کو بار بار پیش کر کے قرآن اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ کیا اللہ کا قرآن اس ملحد کا تابع ہے کہ وہ جو الفاظ کہے قرآن ان الفاظ میں نازل ہو؟ کیا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ ایک اسلامی فریضے کو ماننے کے لئے مخصوص الفاظ میں نازل ہونے والی آیت کا مطالبہ کرے؟ کل کوئی شخص اس لچر دلیل کو آڑ بنا کر کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہیں بھی یہ نہیں فرمایا "الصلوۃ خیر" چنانچہ میں نماز نہیں پڑھتا اور قرآن میں کہیں بھی نہیں ہے "الصیام خیر" اس لئے میں روزہ بھی نہیں رکھتا۔ بے شک یہ سچ ہے کہ ملحد کی عقل ٹیڑھی اور فطرت مسخ ہوتی ہے، اسی لئے اس ملحد نے یہ نہیں سوچا کہ وہ الفاظ جسے وہ دلیل سمجھ کر اپنے ہر مضمون میں دھراتا ہے الحاد کے بے شمار دروازے کھولنے کا سبب بن سکتا ہے۔ پھر اسکی یہ بات بھی غلط ہے کہ قرآن مجید نے صلح کو خیر کہا ہے مگر قتال کو خیر نہیں کہا جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ واضح فرمان موجود ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.

(بقرہ: ۲۱۶)

(مسلمانو) تم پر (اللہ کے راستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے لئے خیر والی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس آیت میں واضح طور پر قتال کو ایک فریضہ اور خیر قرار دیا گیا ہے۔

لیکن اس ملحد کو "رسالہ" نامی الحادی ماہنامہ نکالنے، مجاہدین کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے، بابری مسجد کو مندر بنانے کی وکالت کرنے، انٹرنیٹ اور دوسری نئی ایجادات کی

تعریف کرنے اور دارالکفر انڈیا کے دارالاسلام افغانستان سے بہتر ہونے پر لیکچر دینے، اپنی تصویر کھنچوانے اور دین فروشی کے عوض کمائے ہوئے نوٹوں کو گننے سے فرصت ہو تو وہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں غور کرے۔ اور اپنے اس غلط بیان سے توبہ کرے کہ نعوذ باللہ قتال فی سبیل اللہ خیر نہیں ہے۔ اور وہ یہ سوچے کہ اگر قتال خیر نہیں ہے تو قرآن مجید میں اس کی ترغیب کے لئے سینکڑوں آیات کیوں اتاری گئیں؟ اللہ تعالیٰ نے خود کو مجاہدین کا محبت کرنے والا اور ان کی جانوں کا خریدار کیوں قرار دیا؟ لیکن ستیاناس ہو یہودیت کے مرض تفریق فی الایمان اور الحاد کا کہ جس شخص پر حملہ آور ہوتا ہے اس کی عقل کو سلب کر لیتا ہے۔ چنانچہ دور حاضر کے اسی ملحد نے انڈین اخبارات میں بہانگ دھل یہ اعلان کر دیا کہ اجتہاد کا دروازہ چار سو سال سے بند تھا بالآخر گاندھی جی نے آکر اجتہاد کیا اور اس بند دروازے کو کھولا۔ یقیناً اگر ماتم جائز ہوتا تو اس طرح کے بیانات دینے والوں کی عقل پر ہی کیا جاتا۔ گذشتہ کئی سال سے اس ملحد کے ایسے مضامین اخبارات میں چھپ رہے ہیں جس میں اس نے کئی ضروریات دین، کئی قرآنی آیات اور کئی احادیث مبارکہ کا انکار کیا ہے اور فاسد تاویلات کے ذریعے دین میں تحریف عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ انشاء اللہ اگر وہ سارے مضامین ہمارے ہاتھ لگ گئے اور اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا تو عصر حاضر کے اس ملحد کے وساوس اور شبہات کا تحقیقی جواب لکھیں گے۔ اللہ کرے اہل اسلام کو قوت نصیب ہو تاکہ مضبوط بنیادوں پر ان الحادی فتنوں کا مقابلہ کیا جاسکے اور ان ملحدوں کو بتایا جاسکے کہ اللہ کا دین لاوارث نہیں ہے کہ تم مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کو خوش کرنے کیلئے اس میں کمی اور کتر و بیونت کرتے رہو۔ مگر آج تو یہ حالت ہے کہ وہ لوگ جو صرف مسلمان کہلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کو بھی پورا نہیں کرتے اور انہوں نے اپنی زندگیوں اور اپنے اعمال میں سے دین کو بالکل نکال کر پھینک دیا ہے، وہ بھی دین میں تبدیلی کا راگ الاپ رہے ہیں اور بار بار یہ اعلان کر رہے ہیں کہ اکیسویں صدی آچکی ہے مگر ہم وہیں کھڑے ہیں، اس لئے ہمیں بھی آگے بڑھنے کے لئے

اسلام میں تبدیلیاں کرنی چاہئیں اور اسے موجودہ دور میں قابل عمل بنانا چاہئے۔ گذشتہ دنوں پاکستان کے ایک سابق کرکٹر اور موجودہ سیاستدان نے بھی بی بی سی پر انٹرویو دیتے ہوئے یہی بات دھرائی کہ اسلام کو موجودہ دور میں قابل عمل بنانے کے لئے اجتہاد کرنا چاہئے۔ دوسرے الفاظ میں یہ تمام لوگ صرف اور صرف اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ اسلام کو محض ایک مذہب بنالیا جائے اور اسے عالمگیر دین نہ رہنے دیا جائے اور اس میں سے وہ باتیں نکال دی جائیں جو دنیا کے کافر حکمرانوں کو بری لگتی ہیں اور مستشرقین کا ٹولہ اسلام کے جس حکم پر اعتراض کرے اس حکم کو اسلام سے نکال دینا چاہئے۔ یہ مطالبہ کرنے والے بعض لوگ بظاہر اسلام کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہتے ہیں اور اپنے گمان میں وہ اسے بدنامی سے بچانا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہی خیر خواہی اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی ہے۔ اسلام دشمن مستشرقین کا شروع سے طریقہ ہی یہی رہا ہے کہ اسلام کے بنیادی احکامات پر اس قدر شدت سے اعتراضات کئے جائیں کہ عام مسلمان گھبرا جائیں اور جدید تعلیم یافتہ مسلمان شرم سے سر جھکا کر ندامت سے ہاتھ جوڑ کر معذرت کرنے لگ جائیں۔ ان کی مثال ان افراد جیسی ہے جن کے اپنے ناک کٹے ہوئے ہوں اور پھر جب کوئی ناک والا شخص ان کے درمیان چلا جائے تو وہ اس کی ناک کا اس قدر مذاق اڑائیں کہ بالآخر وہ بھی ناک کٹوانے پر تیار ہو جائے۔ چنانچہ کافروں کے بڑے بڑے عہدیدار ہمارے مسلمانوں کو اپنے سامنے بٹھا کر کہتے ہیں: یار ہمیں اسلام بہت پسند ہے لیکن اس میں جو جہاد کا مسئلہ ہے وہ اگر نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ چاہئے تو یہ کہ جس مسلمان کے سامنے اس طرح کی بات کی جائے وہ شرمانے، گھبرانے یا ندامت ظاہر کرنے کی بجائے صاف کہہ دے کہ اسلام تو بغیر جہاد کے اسی طرح نامکمل ہے جس طرح امریکہ اپنی فوجوں اور عسکری طاقت کے بغیر۔ اور وہ دین ہی کیا جس میں اپنے دفاع کی طاقت نہ ہو اور جس میں اپنے صالح مشن کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو اکھاڑ پھینکنے کی صلاحیت نہ ہو۔ لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا بلکہ جس مسلمان کے سامنے اس طرح

کی بات کی جاتی ہے اس کا دل اللہ کی عظمت سے خالی ہوتا ہے جبکہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے گورے رنگ کے کافر اور اس کے عہدے اور مال کی عظمت اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے چنانچہ وہ شرما جاتا ہے اور گھبرا جاتا ہے اور یوں معذرت کرتا ہے گویا کہ جہاد ایک جرم تھا جو قرآن میں لکھا گیا۔ جہاد ایک غلطی تھی جو نعوذ باللہ ہمارے نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے سرزد ہوئی اور اس بیچارے مسلمان کو اب اس جرم اور غلطی کی وجہ سے ایک انگریز کے سامنے شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کاش! مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قرآن کا علم اور سنت کا نور جگمگائے تب انہیں معلوم ہوگا کہ اعتراض کرنے والا یہ انگریز کوئی عقل مند شخص نہیں بلکہ پرلے درجے کا کم عقل بے وقوف ہے۔ خود قرآن مجید اسکی بے وقوفی کا اعلان ان الفاظ میں فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ. (بقرہ: ۱۳۰)

ملت ابراہیمی (یعنی اسلام) سے صرف وہی روگردانی کر سکتا ہے جو نہایت بے وقوف ہو۔

ان یہود و نصاریٰ کو ملت ابراہیمی کی دعوت دی گئی مگر ان دنیا پرست ظالموں نے دنیا کی حقیر زندگی اور یہاں کے فانی عیش کے بدلے اپنی آخرت کو برباد کر دیا اور ایمان کی بجائے کفر کو اختیار کیا۔ کیا آج کا مسلمان ان بے وقوفوں سے مرعوب ہوتا ہے؟ کیا یہ عقلمندی ہے کہ ہم کسی گورے کافر کے جہاد پر اعتراض کرنے سے گھبرا کر اپنے عسکری اور دفاعی نظام سے محروم ہو جائیں؟ کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم کسی کافر کی زبان سے اسلام کے لئے دو تعریفی کلمات سننے کے لئے پردے کے منکر بن جائیں اور اپنی ماؤں اور بہنوں کو بے پردہ کر کے سڑک پر لا کھڑا کریں؟

کاش! مسلمان اس بات کو سمجھیں کہ ہمارے دین کے سچا ہونے کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دے دی ہے۔ وکفی باللہ شہیدا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اسکی تمام تفصیلات کے ساتھ خود منتخب فرمایا ہے اور اسے اپنا پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہمیں اسلام کے اچھا ہونے کے لئے نہ تو نرسمہا راؤ جیسے مشرک کی تصدیق کی ضرورت ہے اور نہ بل کلنٹن جیسے گندے قاتل و کافر کی۔ بلکہ سچا اسلام تو وہی ہے جو ان اسلام دشمن کافروں کو برا لگتا ہے اور انہیں کھٹکتا ہے۔ قرآن کی درجنوں آیات اس پر گواہ ہیں۔ چنانچہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ہمیں اسلام سے دور کردیں یا کم از کم اسلام کے کسی حکم سے دور کردیں۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم (بقرہ: ۱۰۹)

بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد تم کو پھر کافر بنادیں۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ (مائدہ: ۴۹)

اور ان (یہود و نصاریٰ کافروں) سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تم کو بہکا نہ دیں۔

مگر افسوس آج انہیں کافروں کی مادی ترقی کا تذکرہ کر کے اسلام کے کئی احکامات اور امور کے انکار کی ترغیب اور دعوت دی جاتی ہے اور بار بار یہ جملہ دھرایا جاتا ہے کہ دنیا چاند تک جا پہنچی ہے جبکہ ہمارے علماء ابھی تک چودہ سو سال پرانی باتیں کر رہے ہیں۔ اور یہ فضول جملہ اسقدر طمطراق کے ساتھ دھرایا جاتا ہے کہ اچھے خاصے لوگ اسے سنکر شرمندہ ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنی ڈاڑھی اور اپنا اسلام برا لگنے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ دنیا تو ابھی تک چاند ہی پر پہنچی ہے جبکہ شیطان تو بہت پہلے آسمانوں کے اوپر جا چکا ہے اور اب بھی اس کے چیلے آسمانوں تک جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ شیطان آسمانوں تک پہنچ چکا ہے چنانچہ تم بھی شیطان بن جاؤ اور شیطانی سوچ اور شیطانی حلیہ اختیار

کرلو۔ اسی طرح آج تک کسی نے یہ دعوت نہیں دی کہ دیکھو مکھی تو ہوا میں اڑ رہی ہے جبکہ ہم ابھی تک نہیں اڑ سکتے اس لئے مکھی کی طرح گندگی پر بیٹھنا شروع کرو تاکہ تم بھی اڑ سکو۔ بالکل اسی طرح آج کے کافروں کی مادی ترقی کا سبب بھی نہ تو ان کا کفر ہے نہ انکی گندی تہذیب، جسے اختیار کرنے کے لئے ہمیں اپنے دین کا انکار کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ کیا دین سے ڈاڑھی کو نکال دینے یا سود کو حلال کرنے یا اسلام کے عدالتی نظام کو ختم کرنے سے ہم چاند تک پہنچ جائیں گے؟ جواب یقیناً نفی میں ملے گا۔ بے شک اسلام کے احکامات یا ضروریات دین کا انکار کر کے نہ تو ہم ترقی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ معاشی خوشحالی۔ البتہ اگر ہم پورے مسلمان بن جائیں اور اسلام کے ایک ایک حکم کو زندہ کریں اور اسلامی طریقے پر متحد ہو کر ایک امیر کی قیادت میں جہاد کریں تو پھر ہم ہی اس زمین کے مالک ہونگے۔ پھر ہماری مرضی ہوگی کہ ہم چاند پر جانے جیسے فضول کام کریں یا نہ کریں۔ آج ہماری پستی اور ذلت کا سبب اسلام سے دوری ہے اور الٹا یہ ملحدین ہمیں کہہ رہے ہیں کہ اسلام کے فلاں فلاں حکم کی وجہ سے ہماری ترقی رکی ہوئی ہے اس لئے ہمیں اپنے دین میں مزید تبدیلیاں کرنی چاہئیں۔

میر بھی کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

مادہ پرستی کے اس دور میں الحاد کی ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ جب بھی کچھ مسلمان اسلام کے ان احکامات کو زندہ کرتے ہیں جو اسلام کا حصہ ہیں مگر کافروں کو ناپسند ہیں تو مسلمانوں کا الحاد زدہ طبقہ فوراً یہ واویلا شروع کر دیتا ہے کہ اسلام بدنام ہو گیا، اسلام بدنام ہو گیا۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ اسلام کن کے ہاں بدنام ہو گیا ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ عالمی رائے عامہ، اقوام متحدہ اور امریکہ وغیرہ کے حکمرانوں اور عوام کی نظروں میں اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ یعنی گویا کہ اسلام پہلے تو امریکہ اور اقوام متحدہ کے حکام کے ہاں بہت مقبول اور پسندیدہ تھا اور وہ دھڑا دھڑ اسلام قبول کر رہے تھے اور نمازیں پڑھ رہے تھے بلکہ تہجد گزار

بنے ہوئے تھے۔ لیکن جب کچھ مسلمانوں نے جہاد کا اعلان کیا یا پردے کا حکم نافذ کیا تو امریکی صدر نے نماز اور تہجد چھوڑ دی اور اسلام چھوڑ کر دوبارہ عیسائیت اختیار کر لی۔ اسلام کی بدنامی کا رونا رونے والے احساس کمتری کا شکار یہ الحاد زدہ لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر اسلام امریکی صدر یا وہاں کی اکثر عوام کے ہاں مقبول ہوتا تو اسے ضرور قبول کر لیتے لیکن وہ لوگ تو فطرت کے دشمن ہیں، وہ اسلام کو کس طرح قبول کر سکتے ہیں؟ اسی طرح یہ الحاد زدہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ خود انہوں نے کافروں کو راضی کرنے کے لئے جس تحریف شدہ اسلام کو پیش کیا ہے اسے کتنے کافروں نے اب تک قبول کر لیا ہے؟ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ دہلی کے ملحد کی تحریروں کو اور ان کی اسلام کے بارے میں تشریح کو وزیر اعظم ہند نرسمہا راؤ نے پسند کیا ہے اور اسے خوب سراہا ہے اور اس کے عوض میں کچھ انعام بھی دیا ہے۔ لیکن ہم نے آج تک یہ نہیں سنا کہ نرسمہا راؤ نے اس نئی اور بظاہر امن پسندانہ اسلامی تشریح کو پڑھ کر اسلام قبول کر لیا ہے۔ واضح بات ہے کہ نرسمہا راؤ نے اسلام کو پسند نہیں کیا اس لئے وہ ابھی تک اپنے کفر و شرک پر ڈٹا ہوا ہے البتہ اسے یہ بات اچھی لگی ہے کہ مسلمان کہلانے والا ایک شخص اسلام کو بدل رہا ہے اور مسلمانوں کو غلامی اور شرک کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی دعوت دے رہا ہے اور انہیں جہاد کے اس فریضے سے روک رہا ہے جس کی بدولت ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے ہند پر حکومت کی۔

موجودہ دور میں الحاد کے پھیلنے کی ایک عام وجہ مسلمانوں کی دین سے جہالت ہے چنانچہ جو شخص بھی اسلاف کو گالیاں دے کر کوئی نیا دین لیکر کھڑا ہوتا ہے چند لوگ فوراً اس کی حمایت میں دستیاب ہو جاتے ہیں اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے وہ اسلاف جنہوں نے دین کی خاطر بے حد قربانیاں دیں اور دنیا پر اسلام کے سکے کو جاری کیا اور جنہوں نے نہایت محنت سے قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کی، جب وہ دین کو نہیں سمجھے تو غلامی کے اس دور میں انگریزی کی تعلیم گاہوں سے فارغ ہونے والے ان ڈاکٹروں اور پروفیسروں نے کہاں سے دین

کو سمجھ لیا؟

اسی طرح لوگوں کو یہ دعوت دینا کہ وہ جاہل ہونے کے باوجود قرآن و سنت کے ماہر مجتہدین کرام کی تقلید نہ کریں، الحاد کی پہلی سیڑھی ہے کیونکہ جاہل آدمی خود تو پورے دین کی تحقیق کر نہیں سکتا اور جب وہ ان ائمہ کرام کی تقلید بھی نہیں کرے گا جنہوں نے قرآن و سنت کو خوب اچھی طرح سمجھا اور صدیوں سے امت ان کی تقلید کرتی چلی آ رہی ہے تو لازماً ایسا شخص گمراہی کی طرف بڑھے گا اور جہاں تک شیطان اسے گھسیٹے گا وہاں تک جا پہنچے گا۔

اسی طرح ان فروعی مسائل کو جن میں حضرات صحابہ کرامؓ کا اختلاف تھا کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور انہیں کو حق و باطل کا معیار قرار دینا اور کسی ایک مؤقف کی تائید میں چیلنج بازی اور اشتہار بازی کرنا، یہ بھی گمراہی کی ایک قسم ہے۔ اور آج امت کا ایک طبقہ اس گمراہی میں مبتلا ہو کر چھوٹے چھوٹے نفس پرست دھڑوں میں بٹتا جا رہا ہے۔

اسی طرح دین کے احکامات کے متعلق عملی طور پر اپنی طرف سے یہ تفریق کرنا کہ پہلے فلاں حکم ہے اور پھر فلاں حکم، چنانچہ جب تک فلاں حکم پورا نہیں کر لیں گے اس وقت تک دوسرے نمبر والے حکم کی طرف توجہ نہیں دیں گے، یہ بھی ایک الحاد اور دین میں نقصان کا ذریعہ ہے کیونکہ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کا مکلف ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم، دین کے ہر واجب اور حضور اکرم ﷺ کی ہر سنت پر عمل کرنا اس کے ایمان کا امتحان ہے۔ چنانچہ کوئی شخص دنیا میں اسلام نافذ کرنے کو تو اہم سمجھے اور اسکی خاطر کچھ نہ کچھ محنت کرے لیکن خود کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کو ایک ثانوی چیز سمجھ کر اس سے غفلت کرتا رہے تو یہ شخص دین کے سمجھنے میں بھی غلطی کر رہا ہے اور خود اپنا بھی بہت بڑا نقصان کر رہا ہے۔

اسی طرح یہ نعرہ لگانا کہ ہمیں اللہ کی کتاب قرآن مجید کافی ہے اور ہمیں حدیث شریف کی ضرورت نہیں، یہ بھی بدترین الحاد اور یہودیوں کی بیماری تفریق فی الایمان کا واضح

اثر ہے۔

اسی طرح حدیث شریف کی بعض کتابوں مثلاً بخاری شریف اور مسلم شریف کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ قرآن سے بھی بڑھ کر ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے قرآن کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، یہ بھی الحاد کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ کرنا کہ پورا دین بخاری اور مسلم میں ہے اور ان احادیث کو اہمیت نہ دینا جو ان کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں سند صحیح کے ساتھ مروی ہیں یہ بھی گمراہی اور الحاد کی قسم ہے۔ مؤمن کے لئے تو ہر وہ بات بھرپور اہمیت رکھتی ہے جو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہو خواہ وہ کسی کتاب میں ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح اجماع امت کا انکار کرنا اور ان مسائل میں الگ رائے رکھنا جن مسائل پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو چکا ہے، یہ بھی گمراہی ہے اور اس طرح کی سوچ رکھنے والے لوگ بعض اوقات اپنی گمراہی میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ پھر نسلی کافر بھی ان سے شرماتے ہیں۔

آخری گذارش : اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں دین اسلام کی صورت میں ایک مکمل ضابطہ حیات دیا ہے اور اس دین میں ہمارے لئے سب کچھ ہے۔ دنیا جہاں بھی پہنچ جائے، جہاں بھی چڑھ جائے، جہاں بھی گر جائے، اسلام کسی حال میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں چھوڑتا بلکہ ہر وقت اور ہر موقع پر انکی رہنمائی کرتا ہے۔ البتہ بدقسمت مسلمان کئی مقامات پر اسلام کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اسلام ایک عظیم الشان نعمت ہے اور اس میں ہمارے لئے خیر ہی خیر ہے اور اسلام کے دامن کو چھوڑنے میں ہمارے لئے تباہی ہی تباہی ہے۔ ہم سے پہلے یہودیوں نے اپنے دین میں تفریق کی، کچھ مانا کچھ نہ مانا، کچھ کھایا کچھ تھوکا، چنانچہ وہ برباد ہو گئے۔ مگر آج یہ بیماری ہماری طرف منتقل ہو رہی ہے۔ اور ہم میں سے بہت

ساروں نے دین کے بنیادی اور اہم امور کا انکار کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس بیماری سے نجات حاصل کریں اور اللہ کے پورے دین کو اسی طرح مانیں جس طرح وہ نازل ہوا ہے۔ اور اگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے اسلام کے کسی حکم پر عمل نہ کر سکیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم اس حکم کو نہ ماننے یا اس میں تاویلیں کرنے کی بجائے اللہ کے حضور توبہ استغفار کریں کہ یا اللہ! فلاں حکم بے شک تیرے دین کا حکم ہے لیکن میں اپنی کمزوری، کم ہمتی، بزدلی یا نفس پرستی کی وجہ سے تیرے اس حکم کو پورا نہیں کر پا رہا۔ اے ارحم الراحمین! مجھے معاف فرما دے۔

امید ہے کہ اگر ہم توبہ استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہم پر نظر کرم فرمائے گا اور ہمیں اس کے کامل اتباع کی توفیق مل جائے گی لیکن اگر ہم لوگوں کی اکثریت کو گمراہی پر دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور ہم نے دین کے حکم کا انکار کر دیا تو ہم تباہی اور گمراہی کے گڑھوں میں جا گریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ.

(انعام: ۱۱۶)

اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم ان کا کہا مان لوگے تو وہ تمہیں اللہ کا راستہ بھلا دیں گے۔ یہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔

(کاش! جمہوری معاشرے کی مجبوری کا بہانہ بنا کر دین کے احکامات کا انکار کرنے والے قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھیں اور اس میں غور کریں)۔

اسی طرح اے مسلمان بھائیو! بے شک آج اقتدار کافروں کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر طرف اڑتے پھر رہے ہیں لیکن ان کا یہ اقتدار عارضی ہے اور جس دن دنیا کے اکثر مسلمان حقیقی مسلمان بن گئے، وہ دن کافروں کے اقتدار کا آخری دن ہو گا کیونکہ ایسے مسلمانوں کے لئے میدان جہاد میں آسمان سے فرشتے اترتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی باقی مخلوقات بھی ان کا

تعاون کرتی ہیں۔ چنانچہ آج کافروں کا اڑتے پھرنا ہم پر ایسا رعب نہ ڈال دے کہ نعوذ باللہ ہم اسلام کے کسی حکم کو حقیر سمجھنے لگیں۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادِ.	کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمہیں دھوکا نہ دے۔ (یہ دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ ہے پھر (آخرت میں) تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

(آل عمران: ۱۹۶۔۱۹۷)

آج مسلمان ان کافروں کی گوری چمڑی اور ظاہری فیشن سے گھبرا کر اپنا دین چھوڑنے لگتے ہیں حالانکہ یہ کافر جہنمی ہیں اور اللہ کے ہاں یہ خنزیر اور نالی کے چوہے سے بھی بدتر ہیں۔ کیا مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ ان کے رعب میں آکر یا ان کے خوف میں مبتلا ہو کر یا دنیا کی تھوڑی سی راحت کی خاطر اسلام کے احکامات کا انکار کریں اور دین کو بدلیں؟ ہر گز نہیں! ہر گز نہیں! بلکہ مسلمانوں کو تو صحابہ کرامؓ کی طرح دین کے ایک ایک حکم کا محافظ بن جانا چاہئے۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرح یہ اعلان کرنا چاہئے:

أأترك سنة حبيبي لهو لاء الحمقاء؟	کیا میں ان احمقوں کی خاطر اپنے محبوب حضور اکرم ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟

حضرت حذیفہؓ نے کافروں کے بڑے بڑے شان و شوکت رکھنے والے عہدیداروں کے درمیان کھانا کھاتے ہوئے زمین پر گرنے والا لقمہ اٹھانا چاہا تو بعض خیر خواہوں نے روکا کہ اس سے مسلمانوں کی بدنامی ہو گی۔ تب انہوں نے مذکورہ بالا تاریخی کلمات ارشاد فرمائے۔ بے شک ایک مسلمان جو اللہ کا عاشق اور آخرت کا طلبگار ہو اس کے نزدیک تو دنیا کی ترقی اور اس کے اسباب غلاظت کے ڈھیر کی طرح ہیں تو وہ کسی کے پاس زیادہ غلاظت دیکھ کر کس طرح متاثر ہو سکتا ہے؟ جبکہ اس کے مالک نے اسے کافروں کے مالی و دولت کی حقیقت بتلا دی ہے۔

خلاصہ اس پوری گفتگو کا یہ ہے کہ ہم سب مسلمان پورے دین کو مانیں اور پورے دین پر عمل کریں اور اگر دین کے کسی حکم پر عمل نہ کر سکیں تو خوب ندامت کے ساتھ توبہ کریں، استغفار کریں۔

لیکن دین کے کسی حکم کا ہر گز ہر گز انکار نہ کریں۔

..........☆☆☆..........

یہودیوں کی چوتھی بیماری

خواہشات نفس کو معبود بنانا

مخلوق میں جو فتنے، جو خرابیاں، جو گمراہیاں اور جو گناہ واقع ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے، ان کی بنیاد نفس اور نفس کی خواہش ہوتی ہے۔ نفس امارہ نہایت نقصان دہ دشمن ہے اور اس کی آفات نہایت سخت ہیں۔ اس کا علاج بہت مشکل اور اسکی بیماری نہایت خطرناک ہے اور اس کی دوا سب دواؤں سے دشوار ہے۔ یہ وہ دشمن ہے جو انسان کے دونوں پہلوؤں میں چھپا بیٹھا ہے۔ (منہاج العابدین)

پس جس نے بھی اپنے آپ کو نفس کے حوالے کر دیا وہ تباہ و برباد ہو گیا کیونکہ نفس امارہ انسان کا دشمن ہے۔ اور اسکی خواہشات بے انتہا ہیں اور وہ ان چیزوں کی دعوت دیتا ہے جن میں انسان کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ یہودیوں کی بہت بڑی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو معبود اور پیغمبروں کو مطاع بنانے کی بجائے اپنے نفس اور اسکی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا۔ حالانکہ ان کے لئے آسمان سے کتاب اتر چکی تھی اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ ان کے لئے بہترین موقع تھا کہ وہ کتاب اللہ کے نور اور انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ صحبت کے ذریعے اپنے نفوس کا تزکیہ کرواتے اور دلوں کی اصلاح کرواتے اور نفس امارہ کی حیوانیت سے نجات پاتے۔ لیکن یہودی بدقسمت تھے انہوں نے کتاب اللہ اور انبیاء اللہ کے ذریعے اپنے نفوس کو تو رذائل اور بیماریوں سے پاک نہ کیا، البتہ اللہ کی کتاب اور اللہ کے دین کو اپنے نفس کی گندگیوں سے آلودہ کر دیا اور اپنے نفس کی حیوانی خواہشات کے تحت کتاب اللہ تک کو بدل ڈالا۔ ان میں سے جنہوں نے علم دین پڑھا

وہ بھی اپنے دل کی گندگی اور نفس کی رکاوٹوں کی وجہ سے اس علم کو اپنے دل تک نہ پہنچا سکے بلکہ وہ ان گدھوں کی طرح رہے جن پر چند کتابیں لاد دی گئی ہوں کما فی قولہ تعالیٰ:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا. (الجمعۃ: ۵)

جن لوگوں پر تورات لادی گئی پھر انہوں نے اس (کے بار تعمیل) کو نہ اٹھایا، انکی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔

کیا خوبصورت مثال قرآن مجید نے پیش فرمائی ہے کہ گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں تب بھی گدھا گدھا ہی رہتا ہے۔ علم کی کتابیں لادنے سے عالم، حکمت کی کتابیں لادنے سے حکیم اور ڈاکٹری کی کتابیں لادنے سے وہ ڈاکٹر نہیں بن جاتا اور نہ ہی گدھا اپنے اوپر لادی ہوئی کتابوں کے مضامین کا کوئی اثر قبول کرتا ہے۔ گدھے پر اگر فرمانبرداری کے فضائل کی کتابیں لاد دی جائیں تب بھی وہ ضد اور ہٹ دھرمی نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح قناعت اور شرافت کے موضوع پر، اثر انگیز مضامین لکھ کر گدھے کی پیٹھ پر رکھ دیے جائیں تب بھی اسکی نگاہیں گھاس اور دوسری خواہشات کے پورا کرنے کی جستجو میں لگی رہیں گی۔ بالکل یہی حالت یہود کے علماء کی تھی اور قیامت تک کے نفس پرست علماء کی رہے گی کہ علم و حکمت کے رٹے رٹائے الفاظ اور نفس پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرنے کے مضامین تو انہیں یاد ہوتے ہیں مگر خود ان پر ان الفاظ اور مضامین کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ ان کا نفس امارہ انہیں صرف برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے اور علم کو ان کے دل میں نہیں اترنے دیتا، بلکہ اس طرح کے نفس پرست عالموں کا علم ان کے گندے نفس سے مل کر خود گندہ ہو جاتا ہے اور ان کے متبعین کے لئے زہر بن جاتا ہے۔ ہرچہ گیرد علتی علت شود۔

عارف رومی فرماتے ہیں ۔

علم چوں بر تن زنی مارے بود
علم چوں بر دل زنی یارے بود

یعنی علم کو اگر جسم پالنے کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ سانپ بن جاتا ہے اور اگر علم کو دل میں اتارا جائے تو وہ بہترین یار بن جاتا ہے۔

یہودیوں کا علم ان کے لئے یار نہیں مار (سانپ) بن گیا۔ انہوں نے اس علم اور انبیاء کی صحبت کی بدولت اپنے نفس کو تکبر، حسد، لالچ، حرص، انانیت، عجب، ریاکاری سے پاک نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے غصے اور جنسی میلانات میں اعتدال پیدا نہیں کیا بلکہ ان کے نفس نے انہیں ہلاکت کے جس گڑھے کی طرف ہانکا، وہ اسی کی طرف لپک پڑے۔ بس پھر کیا تھا؟ نفس امارہ نے انہیں کہیں کا نہ رکھا اور انہیں ایسا کر دیا کہ جانور بھی دیکھیں تو شرما جائیں۔ نہ قوتِ غضبیہ میں اعتدال نہ قوت شہویہ میں۔ نفس نے غصے میں ڈالا تو ان بدبختوں کی تلواریں حضرات انبیاء کے خون سے رنگین ہو گئیں اور جب نفس نے شہوت کو ابھارا تو پھر انہوں نے وہ کچھ کیا کہ سؤروں اور کتوں کو بھی شرم آنے لگی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ حرص نے انہیں پاگل کر دیا اور حسد کی آگ نے ہمیشہ انکی اجتماعیت کو پارہ پارہ کئے رکھا۔ یہودی نفس کے ہاتھوں بار بار ذلیل ہوئے مگر افسوس پھر بھی انہوں نے اس ظالم دشمن کو نہیں پہچانا وہ بار بار نفس کی وجہ سے ہلاکتوں کا شکار ہوئے پھر بھی انہیں اس نفس کے تزکیہ اور اصلاح کا خیال نہ آیا بلکہ وہ تو آسمان سے نازل ہونے والے احکامات اور انبیاء کی تعلیم تک کو اپنے گندے نفس کی عدالت میں کھڑا کرتے رہے۔ قرآن مجید یہودیوں کی اس خطرناک بیماری کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

(۱) اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۔ (بقرہ: ۸۷)

جب کوئی رسول تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا نفس (جی) نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور کچھ انبیاء کو جھٹلاتے رہے اور کچھ کو قتل کرتے رہے۔

یعنی نفسانی خواہشات اس قدر غالب تھیں کہ جب انبیاء علیہم السلام کسی ایسی بات کا

حکم فرماتے جو نفس کے خلاف ہوتی تو اپنے نفس کی مخالفت کر کے اسے پاک کرنے اور سنوارنے کی بجائے وہ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے لگتے اور اُن خیر خواہوں کو اپنا دشمن سمجھ کر شہید کر ڈالتے۔ بے شک نفس کی پیروی انسان کو جانوروں سے بھی بدتر بنا دیتی ہے اور اندھا کر دیتی ہے، ورنہ قتل انبیاء جیسے عظیم جرم کا تو کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن جس طرح نفس کا اندھا پن حلال اور حرام میں فرق نہیں کرنے دیتا بلکہ آدمی کو پیشاب اور شراب تک پلا دیتا ہے اور سود اور رشوت تک کھلا دیتا ہے، اسی طرح نفس کا اندھا پن بعض اوقات بیوی اور بیٹی میں تفریق نہیں کرتا اور زمین پر وہ گناہ ہو جاتا ہے جس سے آسمان بھی لرزتا ہے۔ اسی طرح نفس کا اندھا پن دوست اور دشمن کی حقیقی پہچان ختم کر دیتا ہے چنانچہ وہ ہستیاں جن کے سامنے آواز بلند کرنا بھی گناہ ہے، ان لوگوں کے ہاتھوں خاک و خون میں تڑپا دی جاتی ہیں جن لوگوں کو ناکامی سے بچانے کے لئے وہ ہستیاں تشریف لاتی ہیں۔

اسی مفہوم کو دوسری جگہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

(۲) لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ۔ (مائدہ: ۷۰)

ہم نے بنی اسرائیل سے عہد بھی لیا اور ان کی طرف پیغمبر بھی بھیجے (لیکن) جب کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جنکو انکے دل نہیں چاہتے تھے تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے۔

غلام کی وفاداری کا امتحان اس میں ہے کہ جس بات کو دل نہ چاہے آقا کے حکم سے کر گزرے اور اپنی رائے اور خواہش کو آقا کی مرضی کے تابع بنا دے، ورنہ صرف ان چیزوں کو مان لینا جو مرضی اور خواہش کے موافق ہوں یہ کونسا کمال ہے؟ (تفسیر عثمانی: ص:۱۵۹)

یہود کی نفس پرستی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اتنے بڑے بڑے گناہ کرنے کے

باوجود بھی وہ یہی چاہتے تھے کہ بس ہر طرف انکی تعریف کے ڈنکے بجائے جائیں اور لوگ ان کے ادب واحترام میں جھکے رہیں اور ان کے علم کا بھی خوب احترام کریں اور ان کاموں پر بھی انکی تعریف کریں جو انہوں نے نہیں کئے ہوتے تھے۔

قرآن مجید انکی نفس پرستی کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

(۳) لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

(آل عمران: ۱۸۸)

جو لوگ اپنے (ناپسندیدہ) کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو کرتے نہیں ان کے لئے چاہتے ہیں کہ انکی تعریف کی جائے، انکی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔

یہ مدینہ منورہ کا واقعہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہودیوں کے کچھ علماء کو بلوایا اور ان سے کوئی ایسی بات پوچھی جو تورات میں مذکور تھی مگر انہوں نے دن کی روشنی میں اس بات کو چھپایا اور جھوٹ بول دیا اور پھر اپنے اس کارنامے پر خوش خوش واپس لوٹے اور اپنے چیلے چانٹوں سے اپنے لئے اس حرکت پر تعریف کے بھی طلبگار ہوئے۔

(محصلہ صحیح بخاری: ص:۶۵۶۔ج۔۲)

اس واقعے پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں عمومی طور پر یہودیوں کے نفس امارہ کی موٹائی کو ناپا گیا ہے اور یہ اعلان فرمادیا گیا ہے کہ ایسے ظالم نفس کو پالنے والے اور اس کی اتباع کرنے والے دوزخ کا ایندھن ہی بن سکتے ہیں۔ اور ''ھل من مزید'' کی حریص دوزخ ہی ان کی عزت، شہرت اور مال کے حریص نفس کا مسکن بن سکتی ہے۔ یہودیوں کی نفس پرستی کو قرآن مجید نے جگہ جگہ مختلف اسلوبوں سے بیان فرمایا ہے یہاں تک کہ قرآن مجید نے یہودیوں کے اس مذہب کو جس کی طرف وہ دوسروں کو دعوت دیتے تھے، خواہشات

کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے قرآن مجید کے الفاظ:

(۴) وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔

(بقرہ: ۱۲۰)

اور تم سے نہ یہودی کبھی خوش ہونگے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ ان کے مذہب کو اختیار کرلو۔ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے اور (اے پیغمبر) اگر تم اپنے پاس علم (یعنی وحی) کے آجانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلوگے تو تم کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔

ایسی آیات جن میں یہودیوں کے مذہب اور ان کے افکار و عقائد کو اھواء نفسانی قرار دیا گیا ہے بہت ساری ہیں (مثلاً: سورہ بقرہ آیت ۱۴۵، سورہ مائدہ آیت ۴۸، سورہ رعد آیت ۳۷) ان تمام آیات میں عموماً اور مذکورہ بالا آیت میں خصوصاً اگر آپ غور کریں تو یہود کی حد سے بڑھنے والی نفس پرستی کے کئی بھیانک پہلو سامنے آئیں گے، مثلاً آیت کی ابتدا میں یہ کہا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک راضی نہیں ہونگے جب تک آپ انکی ملت یعنی انکے مذہب کو اختیار نہیں کریں گے۔ جب کہ آیت کے دوسرے حصے میں فرمایا گیا کہ اگر آپ نے انکی اھواء یعنی نفسانی خواہش کی پیروی کی تو آپکا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں نے تو اپنے مذہب کو قبول کرنے کی دعوت دی تھی نہ کہ اپنی خواہشات نفس کے اتباع کی؟ جواب بالکل واضح ہے کہ یہودی جس چیز کو اپنی ملت اور مذہب سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں آسمان سے نازل ہونے والا مذہب نہیں ہے بلکہ وہ تو ان کے نفس کی خواہشات کا مجموعہ ہے کیونکہ انہوں نے اپنے نفس امارہ کے ناجائز اور حرام تقاضوں پر مذہب و ملت کو اسقدر قربان کیا کہ اصل مذہب اور دین پورا کا پورا تباہ و برباد ہوگیا۔ انہوں

نے اس کے بعض حصے کو بدل دیا، بعض کی غلط تاویل و تفسیر کر کے اسکی اصلیت کو ختم کر دیا اور بعض کو اپنی حالت پر رکھ کر صرف غلط مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ چنانچہ اس طرح کے مذہب اور ملت کو اھواء یعنی خواہشات نفسانی کا مجموعہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کو بھی اس بات کی ترغیب ہے کہ چونکہ یہود ونصاریٰ کے پاس اب کوئی اصل دین باقی نہیں رہا، اس لئے اگر وہ دین اور مذہب کے نام پر یا کتابوں کے حوالے دکھا کر تمہیں گمراہ کرنا چاہیں تو تم انکی باتوں میں نہ آؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مذہب کو اھواء نفسانی قرار دے کر غیر معتبر فرمادیا ہے۔ ہاں مذہب کا کچھ حصہ ان کے پاس اصلی حالت پر باقی ہے لیکن اسے بھی وہ غلط مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں اس لئے وہ بھی معتبر نہیں رہا البتہ اہل حق علماء کرام نے یہود ونصاریٰ کی کتابوں میں سے اس حصے کو چھانٹ کر یہود ونصاریٰ کے خلاف حجتیں قائم فرمائی ہیں اور میدان مناظرہ میں انہیں لاجواب کرنے کا انتظام فرمادیا ہے۔

فجزاهم الله احسن الجزاء.

اسی طرح اس آیت مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ کو فرمایا گیا ہے کہ اگر وحی کے آجانے کے بعد آپ ان یہود ونصاریٰ کی اھواء کی پیروی کریں گے تو آپکا کوئی یار ومددگار نہیں ہوگا۔ یہ خطاب حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ سے ساری امت مسلمہ کو ہے اور اس میں وحی اور یہود ونصاریٰ کی اھواء کو ایک دوسرے کے مقابلے پر ذکر فرمایا گیا ہے جس میں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنے نفس کی پیروی کرنے کی وجہ سے وحی کی برکات سے محروم ہو چکے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس آسمانی وحی کو جو کامیابی کی ضمانت تھی اپنے گندے نفس کی غلیظ خواہشات کی وجہ سے قبول نہ کیا بلکہ اسے ٹھکرادیا حالانکہ بلند آسمانوں کے اوپر سے آنے والی وحی ہی انسان کی عظمت اور بلندی کی ضامن ہے۔ یہی وحی انسان کو اللہ سے جوڑتی ہے اور انسان کو جنت کے قابل بناتی ہے۔ یہی وحی انسان کو مضبوطی، قوت اور سلطنت عطا کرتی ہے اور انسان کو تمام مخلوقات سے اشرف بناتی ہے۔ جبکہ نفس ہمیشہ انسان کو نیچے

کھینچتا ہے اور مٹی سے بنی ہوئی چیزوں اور شخصیتوں کا حریص اور عاشق بنا کر تباہ و برباد کرتا ہے۔ پس جو وحی کی بلندی کو پالیتا ہے وہ نفس کی آلائشوں اور گندگیوں سے چھٹکارا پالیتا ہے اور زمین پر رہتے ہوئے بھی آسمانی مخلوق سے افضل ہو جاتا ہے، لیکن جو شخص نفس کی غلاظت اور خارش کا شکار ہو جاتا ہے اور وحی کے نور کے ذریعے سے نفس کے اندھیروں اور ظلمتوں کو دور نہیں کرتا، وہ وحی کی برکات سے یکسر محروم ہو جاتا ہے اور جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ پس آسمانی وحی پر عمل کرنا اور وحی پر عمل کرنے والوں کے ساتھ رہنا بھی نفس سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ وحی کے ہوتے ہوئے یہود ونصاریٰ کی باتوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ تو وحی کی برکات سے محروم ہیں اور اب جو بھی ان کی اتباع کرے گا وہ بھی اس عظیم الشان پاکیزہ نعمت سے محروم ہو جائے گا۔ اور یہودی یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ وحی کی برکات سے محروم ہوگئے ہیں اسی طرح مسلمان بھی محروم ہو جائیں کیونکہ یہودی نفس پرست ہیں اور ہر نفس پرست اعلیٰ درجے کا حاسد اور حریص ہوتا ہے اور وہ کتے کی طرح یہی چاہتا ہے کہ ہر چیز اسے ملے کسی اور کو نہ ملے، خواہ وہ خود اس چیز کو کھا سکے یا نہ کھا سکے۔ نفس پرست یہودی علماء بھی یہی چاہتے تھے کہ لوگوں کی واہ واہ اور نذرانے انہیں کو ملتے رہیں اور وہ اس حرام کو کھاتے رہیں، اسی وجہ سے انہوں نے اسلام بھی قبول نہیں کیا کیونکہ احکامات ان کے نفس کے خلاف تھے اور انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے گرد جمع ہوئے معتقدین کے حلقے ٹوٹ جائیں گے اور حرام آمدن کا ذریعہ بند ہو جائے گا۔ اور ان کی نفس پرستی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ پر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وحی نازل ہو، یعنی خود تو وحی الٰہی کے منکر اور اللہ تعالیٰ کے گستاخ تھے مگر ان کا نفس پھر بھی یہی چاہتا تھا کہ دنیا میں بس وہی اکیلے اہل کتاب کہلوائیں اور ان کے علاوہ کسی پر وحی نازل نہ ہو اور نہ کسی کو آسمانی کتاب ملے۔ اور نفس پرستوں کا ہمیشہ سے یہی شیوہ رہا

ہے اور تا قیامت رہے گا کہ وہ خود کسی منصب، یا گدی، یا مقام کا بھلے حق ادا نہ کرتے ہوں لیکن انکی خواہش ہوتی ہے کہ یہ منصب، گدی اور مقام بس انہیں کو ملا رہے اور کسی کو نہ ملے یعنی یہ لوگ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے نفس کا پابند کرنا چاہتے ہیں۔ یہودیوں کی اس خصلت کو قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے:

(۵) بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔
(بقرہ: ۹۰)

جس چیز کے بدلے انہوں نے خود کو بیچ ڈالا وہ بہت بری ہے یعنی اس جلن سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی مہربانی سے نازل فرماتا ہے اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب سے کفر کرنے لگے تو وہ (اس کے) غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے اور کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا۔ (نساء: ۵۴)

یا حسد کرتے ہیں اس پر جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے تو ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور دانائی عطا فرمائی تھی اور عظیم سلطنت بھی بخشی تھی۔

یہود اپنے خیال میں جانتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری میراث ہے اور ہمیں کو لائق ہے، اس لئے عرب کے پیغمبر کی متابعت سے عار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آخر کو حکومت اور بادشاہت ہمیں کو پہنچ کر رہے گی۔ کیا یہود حضرت محمد ﷺ اور ان کے اصحاب پر اللہ کے فضل اور انعام کو دیکھ کر حسد میں مرے جاتے تھے سو یہ تو بالکل انکی بیہودگی ہے۔
(تفسیر عثمانی: ص: ۱۱۳)

قرآن مجید یہود کی نفس پرستی کے بڑے بڑے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ ان میں سے بعض واقعات کا تذکرہ تو مستقل بیماریوں کی صورت میں انشاء اللہ آگے آئے گا جبکہ عمومی اندازے کے لئے مذکورہ بالا چند آیات کا تذکرہ انشاء اللہ کافی ہے۔

اسلامی دعوت

نفس کا جب تک تزکیہ اور اصلاح نہ ہو وہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہودی اس دشمن کے ہاتھوں مار کھا گئے اور کھاتے رہیں گے جبکہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے تزکیہ نفوس اور تہذیب واخلاق کا بہت اعلیٰ انتظام فرمادیا اور اسے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے فرائض نبوت میں سے ایک فریضہ اور آپکی بعثت (تشریف آوری) کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد قرار دیا ہے۔ خود تصور کیجئے۔ وہ نبی برحق جو مقصودِ تخلیق کائنات ہیں انہیں جن کاموں کے لئے بھیجا جا رہا ہے اور ان کاموں کو ان کا مقصد نبوت قرار دیا جا رہا ہے وہ کام کس قدر اہم ہونگے؟ آیئے پہلے وہ آیات پڑھیں جن میں تزکیہ سمیت تمام فرائض نبوت کا تذکرہ ہے۔

(۱) كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔
(بقرہ: ۱۵۱)

جس طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہیں پاک بناتے ہیں اور کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

(۲) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمْ

اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان کیا ہے ایمان والوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ. (آل عمران: ۱۶۴)

کو پاک کرتے ہیں اور کتاب (اللہ) اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

(۳) هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ. (الجمعہ: ۲)

وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اسکی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

مذکورہ بالا تینوں آیات میں اور سورہ بقرہ آیت ۱۲۹ (دعائے ابراہیم علیہ السلام) میں حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں:

(۱) تلاوت کلام اللہ، یعنی امت کو قرآن پڑھ پڑھ کر سنائیں اور ان میں بھی صحیح تلاوت کا ذوق پیدا فرمائیں۔

(۲) تزکیہ، یعنی انہیں ظاہری اور باطنی نجاست سے پاک فرمائیں۔ یعنی ان کے نفوس کو ایسا مہذب کر دیں کہ وہ کفر و شرک، عقائد باطلہ، عادات فاسدہ، غیر اللہ پر اعتماد اور روح کی تمام بیماریوں مثلاً تکبر، حسد، حرص، حب جاہ، حب مال وغیرہ سے پاک اور صاف ہو کر کامل انسان اور مکمل مسلمان بن جائیں۔

(۳) کتاب اللہ کی تعلیم، یعنی قرآن مجید کے معانی انہیں سکھلائیں کیونکہ عربی جاننے کے باوجود یہ لوگ قرآن فہمی کے لئے تعلیم رسول کے محتاج ہیں۔

(۴) تعلیم حکمت، یعنی انہیں اپنی سنت کی تعلیم دیں عام طور پر حضرات مفسرین نے حکمت کے معنی سنت، شریعت اور تفقہ فی الدین کے فرمائے ہیں۔ (حاشیہ جلالین: ص:۱۹)

جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک تعلیم کتب سے مراد قرآن مجید کے وہ واضح معانی ہیں

جو اسکی عبارت سے سمجھ آتے ہیں۔ اور حکمت سے مراد اسرار مخفیہ اور رموز لطیفہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی: ص:۲۵)

ان آیات میں غور کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ تلاوت کلام پاک اور کتاب و سنت کی تعلیم خود تزکیہ نفس یعنی اصلاح کے بہترین ذرائع ہیں۔ لیکن پھر بھی تزکیہ کو مستقل طور پر ذکر کیا گیا ہے اور مذکورہ بالا تینوں آیات میں تزکیہ کو تعلیم کتاب و سنت سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اس سے چند امور نہایت وضاحت کے ساتھ معلوم ہوگئے:

(۱) تزکیہ یعنی اصلاح نفس ایک مستقل اور نہایت اہم فریضہ ہے جو حضور اکرم ﷺ جیسے عظیم الشان نبی کے فرائض نبوت میں سے ہے۔

(۲) تزکیہ کے لئے تلاوت و تعلیم ہی کافی نہیں ہے کہ صرف علم حاصل کر لینے یا صرف تلاوت کر لینے سے نفس کی مکمل اصلاح ہو جائے بلکہ اس کے لئے مستقل تربیت اور نگرانی کی ضرورت ہے۔ چونکہ نفس ہر لمحے نئے پینترے بدل کر حملے کرتا ہے اور شیطان بھی اس نفس کو برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے اس لئے نفس کی مکمل اصلاح لازمی ہے اور یہ اصلاح اپنی ہمت اور کسی کی نگرانی سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اصلاح نفس کے لئے ایسے افراد کی صحبت ضروری ہے جن کے نفوس کی اصلاح ہو چکی ہو اور وہ شریعت کے احکامات پر نفس کی مخالفت کے باوجود سختی سے پابندی کرتے ہوں۔

(۳) اگر صرف کتابیں پڑھ لینے سے یا اصلاح کے موضوع پر کوئی مقالا پڑھ لینے سے نفس کی مکمل اصلاح ممکن ہوتی تو آسمان سے الہامی کتابیں پارسل کر دی جاتیں اور ہر شخص کو اس کی مادری زبان میں کتاب بھجوا دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ کتاب بھی نازل ہوئی اور کتاب کو سمجھانے کے لئے اور اس پر عمل کر کے دکھانے کے لئے نبی کو بھی بھیجا گیا۔ لیکن جس طرح زمین کو جب تک زائد جڑی بوٹیوں اور مضر جھاڑ کانٹوں سے صاف نہ کیا جائے اور اس میں ہل چلا کر اسے نرم نہ کیا جائے، اس وقت تک اس میں بیج

ڈالنا مفید نہیں ہوتا خواہ وہ بیج کتنا ہی قیمتی اور اچھے معیار کا ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح نبی کو بھی یہ کام سونپا گیا کہ لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت کریں اور ان کے نفوس کا تزکیہ کریں۔ چنانچہ علم مفید وہی ہوتا ہے جو پاک دل و دماغ میں ہو ورنہ علم تو یہودیوں کے علماء کے پاس بھی تھا لیکن چونکہ انہوں نے اصلاح نفس کی طرف توجہ نہیں کی اس لئے ان کا علم ان کے لئے بالکل نفع مند نہ ہوا بلکہ الٹا وبال جان بن گیا۔

(۴) حضور اکرم ﷺ جب تشریف لائے تو اس وقت پوری دنیا میں فرد بھی بگڑا ہوا تھا اور معاشرہ بھی۔ لوگوں کے انفرادی حالات بھی بے حد خراب تھے اور اجتماعی معاملات بھی۔ گھر کے اندر کا ماحول بھی تباہ ہو چکا تھا اور حکومتوں کا نظام بھی۔ ان حالات میں حضور اکرم ﷺ کو بھیجا گیا تا کہ ان سارے بگاڑوں کی اصلاح ہو سکے۔ اور چونکہ پوری دنیا میں عمومی طور پر غفلت...... جہالت اور نفس پرستی کا دور دورہ تھا اس لئے آپ ﷺ کو جو نصاب عطا فرمایا گیا، اس میں تلاوت کلام پاک کے ذریعہ غفلت کا، تعلیم کتاب و سنت کے ذریعے سے جہالت کا اور تزکیہ کے ذریعے نفس پرستی کا علاج تھا اور یہ علاج خود اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا جو کہ بندوں کا خالق اور ان کے دلوں کا مالک ہے۔ اور اس نصاب شفا کو جاری کرنے کی ذمہ داری مخلوق میں سب سے افضل فرد حضرت محمد ﷺ کے مبارک کاندھوں پر ڈالی گئی اور تاریخ گواہ ہے کہ یہ علاج کارگر رہا اور یہ نصاب ثمر آور ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرد کی ایسی اصلاح فرمائی کہ آپ کے تربیت یافتہ افراد کی مثال نہ تو پہلوں میں ملتی ہے نہ پچھلوں میں۔ اور معاشرہ ایسا سدھرا کہ صحابہ کرام کے زمانے کا فخر انسانیت معاشرہ قیامت تک کے لئے ایک روشن مثال بن گیا۔ تلاوت ایسی ہوئی کہ غفلت کے پردے چاک ہو گئے اور اس تلاوت نے عقل کو روشن اور دل کو زندہ کر دیا اور اس روشنی میں روح کی پوشیدہ بیماریاں صاف نظر آنے لگیں۔ تزکیہ ایسا ہوا کہ لوگوں کے دل اور دماغ تک مسلمان

ہو گئے اور نفوس امارہ نفوس مطمئنہ بن گئے اور انسانوں سے حیوانیت نکل گئی اور ان کے اخلاق ایسے بلند ہوئے کہ فرشتوں کو رشک آنے لگا اور نفس پرستی کی جگہ تقوی نے لے لی جو دنیاوی اور اخروی کامیابیوں کی مفتاح ہے۔ اور تعلیم کتاب و حکمت ایسی ہوئی کہ ہر طرف علم ہی علم اور فقہ ہی فقہ نظر آنے لگی اور اس امت نے علم و فقہ کے میدان میں وہ ترقی کی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

(۵) حضور اکرم ﷺ کو جو نصاب دیا گیا تھا یعنی تلاوت کتاب اللہ، تزکیہ نفوس اور تعلیم کتاب و سنت، یہ نصاب قیامت تک کی انسانیت کے لئے ہے اور یہی نصاب انسانوں کو انسان بناتا ہے اور اس نصاب کے تینوں اجزاء انسانیت کے لئے لازمی عنصر ہیں اور یہ تینوں اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں اور ان میں سے کسی ایک میں بھی خلل واقع ہو گا تو انسانیت خسارہ اٹھائے گی۔

یہاں تک یہ بات ثابت ہو گئی کہ نفس پرستی ایک بہت بڑی بیماری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کے خاتمے کے لئے حضور اکرم ﷺ کو بھیجا تا کہ آپ انسانوں کو نفس پرستی کے ہلاکت خیز راستے سے بچائیں اور ان کے نفوس کی اصلاح فرما کر انہیں تقوے کے روشن اور نجات دہندہ راستے پر چلائیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نفس کی حقیقت اور اس کی اچھی بری حالتوں کا بھی بیان فرمایا ہے۔ اور نفس کی اصلاح کی اہمیت، تقوے کے فضائل اور نفس کی پیروی کرنے کی خرابیوں کو بھی کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ نفس کی سب سے بدترین حالت کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

(٤) وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (یوسف: ۵۳)

اور میں اپنے جی کو پاک نہیں کہتا کیونکہ نفس (انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ نفس کی پہلی اور ذاتی حالت کا بیان ہے کہ نفس ذاتی طور پر امارہ بالسوء یعنی گناہوں اور برائیوں کی طرف بہت زیادہ بلانے والا ہوتا ہے۔ ایسا نفس ہمیشہ خواہشات، شہوات اور تقاضوں کی کثرت سے بے چین اور مضطرب رہتا ہے۔ اس کی مثال اس خارش زدہ کتے جیسی ہوتی ہے جسے کھجلی ستاتی ہے مگر کھجانے سے یہ کھجلی اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔ بس یہی حال اس نفس کا ہے جسکی اصلاح نہ ہوئی ہو کہ وہ ہمیشہ گناہوں، شہوتوں اور برے تقاضوں پر انسان کو مجبور کرتا رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ اس کا حکم پورا کر بھی دیا جائے تب بھی اس کی آگ نہیں بجھتی اور بالآخر یہ نفس دوزخ کی آگ کی طرف بلایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ فرشتے اس طرح کے نفس کو موت کے وقت ان الفاظ میں مخاطب کرتے ہیں:

ایتها النفس الخبیثه! اخرجی الی جهنم وعذاب الیم، وربك علیك غضبان.

اے خبیث جان! چل دوزخ اور دردناک عذاب کی طرف اس حالت میں کہ تیرا رب تجھ پر سخت غضبناک ہے۔

(عن ابن عمر حاشیہ جلالین: ص:۴۹۹)

ایسے ہی نفس کو حضور اکرم ﷺ نے انسان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے۔
چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إن أعدى عدوك بين جنبيك.

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے۔

(ضعیف رواہ البیہقی احیاء العلوم: ج،۳ ص:۱۱)

کسی شاعر کا قول ہے ۔

نفسی الی ما ضرنی داعی   تکثر اسقامی و اوجاعی
کیف احیالی من عدوی اذا   کان عدوی بین اضلاعی

"میرا نفس مجھے ان چیزوں کی طرف بلاتا ہے جن میں میرے لئے ضرر اور

نقصان ہے اور میرا نفس ہی میری بیماری اور درد کو بڑھاتا ہے۔ میں اپنے اس دشمن کے خلاف کیا تدبیر کروں جو میرے پہلو کے درمیان چھپا بیٹھا ہے"۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے سوال فرمایا کہ ایسے رفیق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کا حال یہ ہو کہ اگر تم اسکا اعزاز واکرام کرو، کھانا کھلاؤ، کپڑے پہناؤ تو وہ تمہیں بلا اور مصیبت میں ڈال دے اور اگر تم اس کی توہین کرو، بھوکا ننگا رکھو تو وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! اس سے زیادہ برا تو دنیا میں کوئی ساتھی ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارا نفس جو تمہارے پہلو میں ہے وہ ایسا ہی ساتھی ہے۔

(قرطبی، معارف القرآن، ص:۴۷، ج۔۵)

ایک حدیث میں ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن خود تمہارا نفس ہے جو تمہیں برے کاموں میں مبتلا کر کے ذلیل وخوار بھی کرتا ہے اور طرح طرح کی مصیبتوں میں بھی گرفتار کر دیتا ہے۔ (قرطبی، معارف القرآن، ص:۴۷، ج۵)

ان تمام حالات کے پیش نظر قرآن مجید نے "امارہ بالسوء" کا جامع لفظ اختیار فرمایا ہے۔ امارہ مبالغہ ہے أمرٌ کا یعنی بہت حکم کرنے والا، بار بار حکم کرنے والا اور خوب ابھارنے والا۔ بالسوء: برائی پر، الا ما رحم ربی یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تو انسان اس ظالم اور گھر کے بھیدی دشمن سے بچ سکتا ہے ورنہ نفس کی آگ بجھائے نہیں بجھتی۔

یہ تو تھا نفس کی پہلی حالت کا بیان جبکہ دوسری حالت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

(۵) لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ. وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ. (قیامۃ: ۲،۱)

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) ہم کو روز قیامت کی قسم اور نفس لوامہ کی قسم! (یعنی اس نفس کی قسم جو برائی پر ملامت کرتا ہے)

یعنی جب انسان اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے نفس کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھتا ہے اور نفس میں موجود بیماریوں کا پتہ لگا کر ان کے علاج کی کوشش کرتا ہے تو آہستہ آہستہ وہ فطرت سلیمہ پر آجاتا ہے۔ تب اس کا نفس اسے ماضی اور حال کی برائیوں پر خوب ملامت کرتا ہے اور اس میں احساس ندامت پیدا کر کے اسے توبہ کی بلندی پر لے جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے۔ اس حالت کے اعتبار سے ایسے نفس کو "لوامہ" یعنی "بہت زیادہ ملامت کرنے والا" کہتے ہیں۔

نفس لوامہ کی چند علامات ہیں :

(۱) اپنی غلطی کا احساس ہونا (۲) اپنی غلطی کو واقعی غلطی سمجھنا (۳) اپنے گناہوں اور غفلتوں پر نادم ہونا (۴) اپنی نیکیوں کو مالک کا فضل سمجھنا اور انہیں ذاتی خوبی سمجھ کر ان پر نہ اترانا (۵) باوجود بھلائیوں، نیکیوں اور خوبیوں کے اپنے نفس کو پاک نہ سمجھنا بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا (۶) نفس کے دوبارہ سرکش ہو جانے کے خوف میں ہر وقت اس کے تزکیہ اور اصلاح کی فکر کرتے رہنا (۷) نفس لوامہ کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ جب بھی انسان کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اس کا نفس لوامہ کہتا ہے کہ تو نے اور زیادہ کیوں نہیں کیا اور جب انسان سے کوئی برائی ہو جاتی ہے تو وہ اسے خوب پھٹکارتا ہے۔

حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ مؤمن کا نفس اسے ہر بات پر ملامت کرتا رہتا ہے جبکہ فاسق کا نفس اسے کسی غلطی پر ملامت نہیں کرتا۔ (حاشیہ جلالین: ص:۴۸۱)

نفس کی تیسری حالت کا بیان ان آیات مبارکہ میں ہے:

(۶) یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ. (الفجر: ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰)

اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

"مطمئنہ" کا ترجمہ صاحب جلالین نے "آمنۃ" سے کیا ہے یعنی وہ نفس جو اللہ کے عذاب سے مامون ہے۔ (جلالین: ص:۴۹۹)

بعض دوسرے مفسرین حضرات نے مطمئنہ کا معنی یہ کیا ہے کہ وہ نفس جسے اللہ کے ذکر سے اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہو۔ (حاشیہ جلالین: ص:۴۹۹) یہ نفس کی سب سے اعلیٰ اور عمدہ حالت کا بیان ہے۔ یعنی جب انسان کا نفس نور یقین سے روشن اور شان اطاعت میں کامل ہو جائے اور اس میں سے تمام بری عادات، فاسد بیماریاں اور گندے اخلاق دور ہو چکے ہوں اور وہ خود نیکیوں پر ابھارنے لگے اور شریعت کی ہر بات اسے اچھی لگنے لگے اور وہ دنیا اور جسم کے تقاضوں کو شریعت کے مطابق نبھانے پر راضی ہو اور آخرت کی طرف مکمل مائل ہو چکا ہو اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتا ہو تو ایسا نفس "نفس مطمئنہ" کہلاتا ہے اور موت کے وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اسے اسی لقب سے پکاریں گے جیسا کہ آیت شریفہ میں مذکور ہے اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ موت کے وقت فرشتے اسے اس طرح پکاریں گے:

اخرجی ایتها النفس المطمئنة! اخرجی الی روح وریحان، وربك راض.

اے اطمینان پانے والی روح! چل خوشبوؤں اور باغات کی طرف اس حالت میں کہ تیرا رب تجھ سے راضی ہے۔

یہ پکار سن کر مؤمن کی پاک روح یعنی نفس مطمئنہ مشک کی اعلیٰ ترین خوشبو کی طرح جسم سے نکلے گی اور یہ خوشبو اس قدر مہکتی ہوگی کہ آسمان کے کناروں پر موجود فرشتے بھی پکار اٹھیں گے کہ زمین سے پاکیزہ خوشبو اور پاک روح آرہی ہے۔ یہ روح آسمان کے جس دروازے پر پہنچے گی وہ کھول دیا جائیگا پھر اس روح کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے گا جہاں وہ سجدہ کرے گی۔ (حاشیہ جلالین: ص:۴۹۹)

یعنی جس نے نفس کے غلط تقاضے پورے کئے اسکی روح نجس، گندی اور ناپاک ہو

جاتی ہے اور جس نے نفس کے تقاضوں کو چھوڑا اور دین اور شریعت پر عمل کیا، اس کی روح پاکیزہ، مطمئن اور خوشبودار ہو جاتی ہے۔ دنیا میں دونوں راستے کھلے ہیں جو چاہے اپنے نفس کو امارہ بنائے رکھے اور تباہ ہوتا رہے۔ اور جو چاہے اس کا تزکیہ کر کے اس میں سے فاسد مادے کو نکال پھینکے اور دنیا و آخرت میں پاکی اور پاکیزگی کے انمول مزے حاصل کرے۔ آیئے! اب نفس کی مذکورہ بالا تین حالتوں کے بیان کا بہترین خلاصہ حضرت شیخ عثمانیؒ کے اثر انگیز الفاظ میں پڑھتے ہیں:

"محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہوا اور اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا، اس نفس کو "مطمئنہ" کہتے ہیں۔ یا ایتها لنفس المطمئنه ارجعی الی ربك راضية مرضية. (الفجر)۔

اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات اور خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اس کو "نفس امارہ" کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے۔ "وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی" (یوسف: رکوع ۷)

اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے تو اس کو "نفس لوامہ" کہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: آدمی کا جی اول کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے، ہرگز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا، ایسے جی کو "امارۃ بالسوء" کہتے ہیں۔ پھر ہوش پکڑا، نیک و بد سمجھا تو باز آیا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا، پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کیے پر

پچھتانے اور ملامت کرنے لگا، ایسا نفس (جی) "لوامہ" کہلاتا ہے۔ پھر جب پورا سنور گیا، دل سے رغبت نیکی پر ہو گئی، بے ہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے بھی تکلیف پہنچنے لگی، وہ "نفس مطمئنہ" ہو گیا۔ (اھ بتغیر یسیر)

یہاں نفس لوامہ کی قسم کھا کر اشارہ فرما دیا کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے۔ یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ اور اکمل ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہوگی"۔ (تفسیر عثمانی: ص:۷۶۶ تفسیر سورہ قیامت)

پھر قرآن مجید نے نفس پرستی کو ایک طرح کا شرک قرار دیا ہے۔ کیونکہ جو شخص بھی نفس پرستی میں مبتلا ہوتا ہے وہ نفس ہی کو اپنا معبود بنا لیتا ہے اور نعوذ باللہ نفس کی اس طرح سے اطاعت کرتا ہے جس طرح اسے اپنے معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے تھی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۷) اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا۔ (فرقان: ۴۳)

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے تو کیا تم اس پر نگہبان ہو سکتے ہو؟

حدیث شریف میں ہے:

ما عبد اله ابغض علی الله من الھوی۔

جتنے بھی (باطل) معبود پوجے جاتے ہیں ان میں اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ معبود خواہش نفس ہے۔

(طبرانی، حاشیہ جلالین، ص:۳۰۶)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایسے لوگ بھی ہونگے جنکی رگ رگ میں اس طرح نفسانی خواہش گھس جائے گی جس طرح کتے کا کاٹا ہوا انسان ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر محسوس کرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۸) اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ.

(جاثیہ: ۲۳)

خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اسکو گمراہ کر دیا اور ان کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اب اللہ کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟

ان دونوں آیات میں تھوڑا سا غور کیا جائے تو نفس پرستی کا بھیانک انجام آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ان دونوں آیات میں ان بدقسمت افراد کی حالت کا بیان ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کو اپنا معبود بنالیتے ہیں حالانکہ دنیا میں کوئی بھی دعویٰ نہیں کرتا کہ اس کا معبود خواہش نفس ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو نفس ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پروا نہیں کرتے، نفس کا پجاری یعنی مشرک اور کافر کہا ہے، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حرام و حلال کی پروا نہیں کرتا بلکہ اس کا نفس اسے جدھر لے جائے ادھر ہی دوڑ پڑتا ہے، وہ شخص اللہ کا بندہ اور اس کا عابد تو نہ ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور وہ شخص نفس پرستی کی کھائیوں میں گرتے گرتے اس قدر پستی میں چلا جاتا ہے کہ پھر اللہ کے سوا دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں تھام سکتی۔ اپنے نفس کے کہنے پر ہیروئن کے نشے میں مبتلا ہونے والے افراد کی حالت پر غور کیجیے یا ان افراد کی حالت دیکھیے جو بے حیائی، سود خوری، رشوت بازی یا فحاشی میں بہت دور جا چکے ہیں، پھر کس کی نصیحت یا دنیا کی کون سی دوائی ہے جو انہیں واپس لا سکے؟ ہاں! اللہ کا فضل انہیں واپس لا سکتا ہے اور بچا سکتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ حق اور ناحق کو جانچنے کا معیار بھی اپنے نفس کو بنا چکے ہیں اور ان کے نفس نے انہیں طرح طرح کے الحاد، بدعات اور رسومات میں مبتلا کر دیا ہے اور ان میں اپنے غلط معتقدات پر تکبر بھی پیدا کر دیا ہے، وہ بھی اس آیت کا مصداق بنتے ہیں۔ چنانچہ

عارفین نے لکھا ہے اور کیا خوب لکھا ہے کہ کہ جو کام بھی اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو وہ محض نفس پرستی ہے خواہ بظاہر وہ دین کا کام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ایمان کی قبولیت کے لئے نفس کو شریعت کا تابع بنانا شرط لازم ہے لیکن اگر دین اور شریعت کو نفس کا تابع بنا دیا جائے تو وہ ہرگز مقبول نہیں ہوگی۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعًا لما جئتُ بہ.

(مشکوٰۃ، کتاب الایمان)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

اسی لئے وہ لوگ جو اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں اور کھلم کھلا نفس پرستی میں مبتلا ہیں، وہ ہرگز ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر اعتبار کیا جائے یا ان کی اتباع اور پیروی کی جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۹) وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَکَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا.

(کہف: ۲۸)

اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے، اس کا کہنا نہ ماننا۔

چونکہ نفس پرست آدمی کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور وہ حق کو نہیں پہچانتا، اسی طرح اس کے کانوں میں نصیحت سننے کی صلاحیت اور آنکھوں میں بصیرت کی روشنی نہیں رہتی۔ یقینی بات ہے کہ ایسا شخص کبھی بھی خیر اور بھلائی کی طرف راہنمائی نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے عقلمندی اور اصابت رائے چھن چکی ہوتی ہے۔ اس کی ہر رائے اور اس کا ہر مشورہ نفس پرستی کے زہر سے آلودہ ہوتا ہے۔ اسی لئے حکم دیا گیا کہ کسی بھی نفس پرست کو اپنا بڑا نہ بناؤ، نہ ہی اسکی اطاعت کرو۔ نہ ہی کسی نفس پرست کو اپنا راہنما، اپنا نمائندہ اور اپنا مشیر بناؤ اور نہ ہی کسی نفس پرست کی علمی تحقیقات کا اعتبار کرو۔ قرآن مجید کا جامع لفظ "لا تطع" ان تمام

معافی کو شامل ہے۔ غور کیجئے کہ نفس پرستی اس قدر مہلک بیماری ہے جو انسان کو مشرک اور بالکل بے اعتبار بنا دیتی ہے اور جو شخص نفس پرستی میں جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی بے اعتبار اور بے قدر ہوتا چلا جاتا ہے۔ آج دنیا میں اس کی لاکھوں مثالیں ہمارے گردو پیش میں بکھری پڑی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بے قدر ہو جانا اس سے بہت زیادہ سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ نفس پرستی سے توبہ کر لی جائے اور من چاہی زندگی چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزاری جائے اور نفس کے تزکیہ اور اصلاح کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع هواه وتمنّٰی علی الله. (ترمذی)

دانشمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے اور اس کے باوجود اللہ سے امیدیں باندھتا رہے۔

حدیث شریف میں اپنے نفس کو جھکانے والے اور اسے قابو میں رکھنے والے شخص کو عقلمند کے لقب سے نوازا گیا ہے اور اس آدمی کو جو اپنے نفس کی پیروی کرے عاجز، فاجر اور درماندہ اور مجبور قرار دیا گیا ہے۔ اور قرآن مجید نے اس شخص کو جو آسمانی ہدایت کو چھوڑ کر نفس پرستی اختیار کرتا ہے سب سے بڑا گمراہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱۰) وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ. (قصص: ۵۰)

اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو گا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ انہیں لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ اور جذبہ رکھتے ہوں۔ اور اپنی خواہش نفس کو حق و باطل کا معیار نہ سمجھتے ہوں لیکن جو لوگ اس کے برعکس ہوں وہ عام طور پر ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ یہی مطلب ہے ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین کا۔ چنانچہ قرآن مجید کی بہت ساری آیات میں نفس پرستی کو کافروں کے کفر اور ظالموں کے ظلم کی وجہ قرار دیا گیا ہے۔ ان تمام آیات کو اگر لکھا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی بطور مثال صرف دو آیات کا تذکرہ کافی ہے:

(۱۱) فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ. (قصص: ۵۰)

پھر اگر یہ آپ (ﷺ) کی بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔

(۱۲) وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ. (القمر: ۳)

اور انہوں نے (دین کو) جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔

مذکورہ بالا دونوں آیات اور اس موضوع کی دیگر کئی آیات میں صراحت کے ساتھ یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ کفر، تکذیب انبیاء اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی جیسے عظیم گناہوں کے پیچھے نفس پرستی ہی کارفرما ہوتی ہے۔ پس جو مرض اس قدر موذی امراض کا پیش خیمہ ہو، اسے جڑ پکڑتے ہی اکھاڑ دینا چاہئے اور نفس پرستی کے مرض کو جڑ سے اکھاڑنے کا نام ہی تزکیہ ہے۔ چنانچہ جو لوگ اپنے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں، قرآن مجید نے ان کے لئے فلاح یعنی خصوصی کامیابی کا اعلان فرمایا ہے اور جو لوگ نفس کا تزکیہ یعنی اصلاح نفس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، ان کے لئے "خیبة" یعنی خصوصی ناکامی کا اعلان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱۳) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ

جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک کیا

خَابَ مَنْ دَسّٰهَا. (الشمس: ۹، ۱۰)

وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔

نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت الٰہیہ کا تابعدار بنائے تاکہ روح اور قلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں (جبکہ) خاک میں ملا کر چھوڑنے سے یہ مراد ہے کہ نفس کی باگ یکسر شہوت و غضب کے ہاتھ میں دیدے، عقل و شرع سے کچھ سروکار نہ رکھے۔ خواہش و ہوا کا بندہ بن جائے۔ ایسا آدمی جانوروں سے بدتر اور ذلیل ہے۔ (تفسیر عثمانی: ص: ۷۹۳)

حدیث شریف میں حضور اکرم ﷺ سے ایک دعا منقول ہے اور اس کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا کی تلاوت کے وقت رک جاتے تھے اور یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِيْ تَقْوٰهَا، وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا. (صحیح مسلم، حاشیہ جلالین، ص:۵)

اے میرے پروردگار! تو میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری عطا فرمادے اور اس کو تمام (رذالتوں سے) پاک فرمادے تو ہی اس کا سب سے بہتر پاک کرنیوالا ہے تو اسکا کارساز اور اسکا مولیٰ ہے۔

اس دعا کو معمول بنانا چاہئے اور بحالت سجدہ یہ دعا توجہ سے مانگنی چاہئے کیونکہ اگر یہ دعا دل سے نکلی اور قبول ہوگئی اور نفس پر قابو نصیب ہو گیا تو پھر انشاء اللہ جنت یقینی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱۴) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى. (النازعات: ۴۰، ۴۱)

اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا تو یقیناً اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

یعنی جو آخرت میں اللہ کے سامنے جوابدہی سے خوفزدہ ہو کر اپنے نفس امارہ کے تقاضوں کے خلاف دین اور شریعت پر عمل کرتا رہا تو یقیناً اس کا نفس پاک ہو جائیگا اور ایسا نفس بلاشبہ جنت کا مستحق ہوگا۔

جس طرح سے تلاوت سیکھنے کے لئے قاری اور علم سیکھنے کے لئے معلم کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح تزکیہ کیلئے کسی مصلح اور مرشد کی ضرورت پڑتی ہے اور جب کوئی شخص اپنا تزکیہ کرانے کے لئے کسی کے پاس چل کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکی قدر و منزلت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کی طرف تھوڑی سی بے توجہی کو بھی اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

(۱۵) عَبَسَ وَتَوَلّٰى. اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى. وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى. اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى. اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى. فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى. وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى. وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى. وَهُوَ يَخْشٰى. فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى. (عبس: ۱ تا ۱۰)

(محمد ﷺ) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور تم کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا سوچتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔ جو پروا نہیں کرتا اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو تم پر کچھ الزام نہیں اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ (اللہ سے) ڈرتا ہے، اس سے تم بے رخی کرتے ہو۔

حضور اکرم ﷺ قریش کے بعض سرداروں کو اسلام کے متعلق باتیں سمجھا رہے تھے اور یہ امید فرما رہے تھے کہ شاید یہ لوگ اسلام قبول کرلیں۔ اسی اثناء میں ایک نابینا مسلمان حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے وہ باتیں سکھایئے جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں۔ وہ نابینا صحابی بار بار نہایت عاجزی اور طلب صادق کے ساتھ یہی درخواست کرتے رہے جسکی وجہ سے مجلس کی سابقہ ترتیب قائم نہ رہ سکی اور

حضور اکرم ﷺ کو اس بات سے کچھ ناگواری ہوئی کہ اگر یہ نابینا صحابی درمیان میں مداخلت نہ کرتا تو ممکن تھا کہ مشرکین کے کچھ سردار مسلمان ہو جاتے اور ان کے اسلام لانے سے ان کے ہزاروں زیرِ اثر لوگوں کے ایمان لانے کی بھی امید بن جاتی۔ لیکن نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کی مداخلت کی وجہ سے یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس ناگواری کے آثار آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر بھی ظاہر ہوئے۔ اس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں اور آپ ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ کو اس نابینا کا لحاظ رکھنا چاہئے تھا کہ وہ تزکیہ کی طلب صادق لے کر آیا تھا اور آپ کو مشرکین کے ان سرداروں کے اٹھ جانے کا افسوس نہیں کرنا چاہئے جو اسلام اور تزکیہ کی طلب صادق نہیں رکھتے۔ روایات میں آیا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ ان صحابی کا بہت اعزاز واکرام فرماتے تھے اور وہ جب بھی مجلس میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان الفاظ کے ساتھ ان کا خیر مقدم فرماتے تھے:

مرحبا بمن عاتبني فيه ربي. — خوش آمدید! اس شخصیت کے لئے جسکے بارے میں میرے رب نے مجھے تنبیہ فرمائی۔

مذکورہ بالا واقعہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ اپنے نفوس کا تزکیہ چاہتے ہیں اور اسکی طلب صادق رکھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر عزت اور مقام رکھتے ہیں۔ خواہ دنیا میں انکی حالت بظاہر خستہ اور کمزور ہی کیوں نہ ہو لیکن جو لوگ اپنے نفوس کا تزکیہ نہیں چاہتے اور نفس پرستی کے خوگر ہو چکے ہیں، وہ دنیا میں ظاہری طور پر جتنے بلند اور شاندار نظر آئیں، اللہ کے ہاں وہ بالکل بے قدر ہوتے ہیں۔ نیز قرآن مجید نے یہ بات بھی نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھادی ہے کہ ہر انسان خود اصلاح نفس کا محتاج ہے اور اس کے نفس کی اصلاح کا فائدہ خود اسی کو ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ تو کسی کی نفس پرستی سے کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ کوئی اپنے نفس کی اصلاح کر کے اللہ تعالیٰ پر احسان کرتا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱۶) وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ. (فاطر: ۱۸) — اور جو شخص سنورتا ہے اپنے (فائدے) ہی کے لئے سنورتا ہے اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(۱۷) وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ. (عنکبوت: ۶) — اور جو شخص محنت کرتا ہے تو اپنے فائدے کے لئے محنت کرتا ہے (اور) اللہ تعالیٰ تو سارے جہان سے بے پرواہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور معصیت سے کیا نقصان؟ وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔ ہاں بندہ اپنے پروردگار کی طاعت میں جس قدر محنت اٹھائے گا اسکا پھل دنیا و آخرت میں اسی کو ملے گا۔ پس مجاہدے کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے راستے میں اتنی محنت کر کے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں (العیاذ باللہ) (بلکہ) اسکا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدہ کے لئے طاعت وریاضت کی توفیق بخشے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم — بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

(تفسیر عثمانی: ص:۵۲۸)۔

(۱۸) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى. (الاعلیٰ: ۱۴) — بے شک بھلا ہوا اسکا جو سنورا۔

یعنی جو شخص ایمانی اور اخلاقی تزکیہ میں مشغول ہوگا وہی فلاح پائے گا اور مراد کو پہنچے گا۔ لیکن تزکیہ نفس کیلئے ایک ضروری امر یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی مسلسل نگرانی کرتا رہے اور اپنے نفس کو پاک نہ سمجھے کیونکہ اپنے نفس کو صرف وہی لوگ پاک سمجھتے ہیں جو نفس کی اصلاح سے غافل ہوتے ہیں اور ان کا نفس "نفس امارہ" ہوتا ہے۔ چنانچہ یہودیوں کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

(۱۹) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ — کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود کو

اَنْفُسَھُمْ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا۔ (نساء: ۴۹)

پاکیزہ کہتے ہیں (نہیں) بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

یہودیوں کے اندر نفس امارہ پل رہا تھا، اس لئے باوجود اس قدر بڑے بڑے جرائم کے وہ اپنے آپ کو پاک اور مقدس کہتے اور سمجھتے تھے۔ بس جو ایسا کرتا ہے اس کے لئے اصلاح کے دروازے بند ہونا ایک یقینی امر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو واضح حکم فرمادیا کہ:

(۲۰) فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی۔ (النجم: ۳۲)

تم اپنے آپ کو پاک صاف نہ جتاؤ۔ جو پرہیز گار ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔

پھر اسلام نے اصلاح نفس کا بہترین طریقہ اصلاح قلب کو قرار دیا ہے کہ انسان اپنے دل کو سدھار لے تو اسکا نفس خود بخود سدھر جائے گا گویا کہ تزکیہ یا اصلاح نفس کا مرکز دل ہے کیونکہ دل ہی انسان کی روح، عقل اور نفس کا مرکز ہے۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی جو استعداد دل کو عطا ہوئی ہے وہ اور کسی عضو کو عطا نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہونا اور اس کو پہچاننا اور اس کے لئے کام کرنا اور اس کی طرف دوڑنا یہ سارے کام دل کے ہیں۔ اور اشیائے حضوری کا مکاشفہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ اور دوسرے تمام اعضاء اس کے آلات اور تابع اور خدمت گار ہیں۔ وہ ان سے اس طرح کام لیتا ہے جیسے مالک غلام سے یا حاکم رعیت سے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دل ہی مقبول ہے اگر غیر اللہ سے محفوظ رہے۔ اور اگر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو تو محجوب بھی ہو جاتا ہے اور اسی سے باز پرس ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کا مخاطب بھی یہی ہے۔ پس اگر اس کی صفائی اور تزکیہ ہو گیا تو فلاح کو پہنچتا ہے اور اگر آلودگی میں پڑا رہا تو بدبختی اور ناامیدی کا مورد ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت دل ہی کرتا ہے اور اعضاء ظاہری میں صرف عبادت کے سبب نور پھیل جاتا ہے اور نافرمانی اور سرکشی

بھی دل ہی کا کام ہے اور اس وقت اعضاء میں فحاشی اور برائیوں کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں اور دل کی روشنی اور تاریکی سے انسان کے ظاہر کی اچھائیاں اور برائیاں نمودار ہوتی ہیں کیونکہ برتن سے وہی نکلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ اور دل ایسی چیز ہے کہ آدمی جب اس کو جان لے تو اپنے نفس کا عالم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مدار نفس کو جاننے پر ہے اور اگر دل سے جاہل رہے تو نفس سے بھی جاہل رہتا ہے اور نفس کی جہالت سے اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں پہچان سکتا...... اور اکثر لوگ اپنے نفوس و قلوب سے ناواقف ہیں۔

(احیاء العلوم الدین: ص:۹ ج۔۳)

قرآن مجید نے دل کی صفائی اور دل کے میل، دل کی زندگی اور دل کی موت کے مسئلے کو کئی مقامات پر نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ ان تفصیلات کا تذکرہ ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے۔ ہم تو یہاں تزکیہ کے متعلق اسلامی دعوت پر مختصر کلام کر رہے ہیں۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ دل کی اصلاح میں نفس کی اصلاح کا راز مضمر ہے اور جب آدمی نفس پرستی میں مبتلا ہو کر گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے دل پر زنگ اور سیاہ نقطے لگ جاتے ہیں اور جب انسان توبہ اور رجوع الی اللہ کرتا ہے تو دل صاف ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(۲۱) کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔ (تطفیف: ۱۴)

دیکھو یہ جو (برے اعمال) کرتے ہیں ان (اعمال) کا زنگ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان العبد اذا أخطأ خطیئة نکتت فی قلبه نکتة سوداء، فاذا هو نزع واستغفر وتاب صقل قلبه، وان عاد زید فیها حتی تعلو قلبه وهو

بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے پھر اگر وہ گناہ چھوڑ دے اور توبہ استغفار کرلے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ کرتا رہا (اور اس نے

الران الذی ذکر اللہ: کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون. (ترمذی، ص:۱۷۱، ج۲)

توبہ نہیں کی) تو سیاہی بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتی ہے اسی کا نام ران ہے جو آیت قرآن "کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون" میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

دل کی اصلاح نفس کی اصلاح ہے اس حقیقت کو حضور اکرم ﷺ نے اپنے ان مبارک اور جامع الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

الا! وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله. الا! وهی القلب. (صحیح بخاری: ص:۱۳، ج۱)

خوب سن لو کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوگا تو سارا جسم ٹھیک ہوگا اگر وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ جائے گا۔ خوب یاد رکھو کہ گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے۔

دل کے بگاڑ اور اس کی سیاہی کی بنیادی طور پر تین علامات حضرات محققین عارفین نے بیان فرمائی ہیں:

وعلامة سواد القلب ان لا تجد من الذنوب مفزعا وّلا للطاعة موقعا ولا للموعظة منجعًا. ولا تستحقرن من الذنوب شيئا فتحسب نفسك تائبا وّانت مصرٌ على الكبائر. (منہاج العابدین: ص:۴۳)

اور دل کی سیاہی کی علامت یہ ہے کہ تمہیں گناہوں سے گھبراہٹ نہ ہو اور نیکیوں کا موقع (اور میلان) پیدا نہ ہو اور نصیحت کا تم پر اثر نہ ہو۔ پس تم کسی گناہ کو ہلکا نہ سمجھو اور کبیرہ گناہوں پر اصرار کے باوجود خود کو تائب گمان نہ کرو۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من سرّته حسنة وساء ته سيئته فذلكم المؤمن. (ترمذی: ص:۳۹، ج۲)

جو نیکیوں سے خوش ہوتا ہو اور برائی سے تکلیف محسوس کرتا ہو وہی شخص ایمان والا ہے۔

یہاں تک ہم نے مختصر طور پر یہ جان لیا کہ نفس پرستی کس قدر بری اور ہلاکت خیز چیز ہے اور تزکیہ یعنی اصلاح نفس اور اصلاح قلب کس قدر ضروری ہے۔ آیئے! اب نفس کی اصلاح کے چند آسان نسخے پڑھتے ہیں جو قرآن وسنت کی تعلیمات اور امت کے صدیوں کے تجربات سے ماخوذ ہیں۔

اصلاح نفس کے چند مفید نسخے

(۱) نفس کو شہوات سے روکا جائے کیونکہ اڑیل حیوان کو جب چارہ کم ملتا ہے تو نرم ہو جاتا ہے۔

(۲) عبادات کا بھاری بوجھ اس پر لاد دیا جائے کیونکہ گدھے کو جب چارہ کم ملتا ہے اور اس پر زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے تو وہ لازمی طور پر اپنی شیخی چھوڑ دیتا ہے اور فرمانبردار بن جاتا ہے۔

(۳) ہر وقت رب تعالیٰ سے امداد طلب کرتا رہے کہ وہ نفس کے شر وفساد سے بچائے (اور یہ تبھی ہوگا جب وہ اپنے نفس کو بیمار اور قصوروار سمجھے گا اور اس کی اصلاح کی نیت اور عزم اپنے دل میں رکھے گا)۔ (منہاج العابدین: ص:۹۱)

(۴) اللہ کے تمام اوامر کو پورا کرنے اور اس کے تمام نواہی سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے۔

(۵) اصلاحی بھائی چارہ قائم کرنا۔ وہ اس طرح کے چند افراد آپس میں مل کر یہ معاہدہ کرلیں کہ وہ ایک دوسرے کو نیکی کی ترغیب دیں گے اور گناہوں اور نفس پرستی سے

روکیں گے اور ایک دوسرے کے اخلاق کی نگرانی کریں گے۔

(۶) اپنے بد خواہوں اور غیبت کرنے والوں کی باتوں سے اپنے حقیقی عیوب کا پتہ چلایا جائے اور پھر انکی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ عام طور پر انسان کے مخالفین ہی اس کے عیوب کی ٹوہ لگاتے ہیں اور ان کا تذکرہ کرتے پھرتے ہیں۔ اور بعض اوقات وہ ایسے عیوب بھی ڈھونڈ لیتے ہیں جو واقعتاً انسان میں موجود ہوتے ہیں۔ بس یہی موقع ہوتا ہے دشمن سے فائدہ اٹھانے کا۔

(۷) اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور اس کی برائیوں اور عیوب کو ڈھونڈنا اور نفس پرستی اور غفلت پر خود کو سزا دینا اور تنبیہ کرنا۔ جیسا کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور اکابرین امت کا طریقہ کار رہا ہے۔

ایک اہم نکتہ

اپنے نفس سرکش کو لگام دینے کا نام ہی تقویٰ ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ تقویٰ ہی وہ لگام ہے جس کے ذریعے سے نفس سرکش کو قابو کیا جاسکتا ہے اور اسے سدھارا جاسکتا ہے۔ اور تقویٰ کے معنی ہیں اپنے دل کو گناہوں کے چھوڑنے پر مضبوط کر لینا، پس جو شخص اپنے دل کو گناہوں سے پاک کر لیتا ہے اور گناہوں کے چھوڑنے کا عزم مصمم کر لیتا ہے، وہی شخص متقی کہلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے متقی حضرات کے لئے طرح طرح کے دنیاوی اور اخروی انعامات کا اعلان فرمایا ہے۔ اور جس طرح قرآن مجید نے نفس پرستی کے نقصانات کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور نفس پرستی کو تمام مصیبتوں کی بنیاد قرار دیا ہے، اسی طرح قرآن مجید نے تقویٰ کے بے پناہ فوائد ذکر فرمائے ہیں اور تمام اولین اور آخرین کو تقوے کی تلقین فرمائی ہے۔ کیونکہ تقویٰ ہی تمام کامیابیوں کی بنیاد ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ. (نساء: ۱۳۱)

اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کو بھی اور تم کو بھی ہم نے تاکیدی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو (تقویٰ اختیار کرو)۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان خوش قسمت افراد کیلئے جو اپنے نفس کے تقاضوں کو دباتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں، قرآن مجید میں کم از کم تیرہ فائدے ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) متقی شخص کو قرآن مجید سے ہدایت نصیب ہوتی ہے اور اس پر قرآنی علوم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. (بقرہ: ۲)

یہ کتاب (قرآن مجید)، اس میں کچھ شک نہیں، (اللہ سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔

(۲) متقی شخص کی خود اللہ تعالیٰ تعریف فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (آل عمران: ۱۸۶)

تو اگر صبر اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

(۳) متقی شخص دشمنوں کے مکر وفریب اور جالوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا. (آل عمران: ۱۲۰)

اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو انکا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

(۴) متقی شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید ہوتی ہے کمافی قولہ تعالیٰ:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ. (نحل: ۱۲۸)

کچھ شک نہیں کہ جو پرہیزگار ہیں اور جو نیکوکار ہیں اللہ ان کا مددگار ہے۔

(۵) متقی شخص آخرت کی تکلیفوں اور تنگیوں سے محفوظ رہے گا اور دنیا میں اسے ایسی جگہ سے رزق حلال نصیب ہوگا جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. (طلاق: ۲،۳)

اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لئے خلاصی کی صورت پیدا کرے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم) گمان بھی نہ ہو۔

(۶) متقی شخص کے اعمال کی اللہ تعالیٰ اصلاح فرما دیتا ہے اور اس کے کاموں میں صلاح اور برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ. (احزاب: ۷۰،۷۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو، وہ تمہارے سب اعمال درست کر دے گا۔

(۷) تقویٰ کی برکت سے متقی شخص کی بخشش ہو جاتی ہے اور اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ. (احزاب: ۷۰،۷۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو، وہ تمہارے سب اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(۸) متقی شخص کو اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ. (التوبۃ: ۴)

بے شک اللہ تعالیٰ متقین سے محبت فرماتا ہے۔

(۹) متقی شخص اللہ کے ہاں معزز و مکرم بن جاتا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ. (حجرات: ۱۳)

اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

(۱۰) متقی شخص کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتے ہیں کما فی قولہ تعالیٰ:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ. (مائدہ: ۲۷)

اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی سے قبول فرماتا ہے۔

(۱۱) متقی شخص کو موت کے وقت اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے اور اسے آخرت کی کامیابی کی خوشخبری بھی سنادی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ. (یونس: ۶۳،۶۴)

وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

(۱۲) متقی شخص جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا کما فی قولہ تعالیٰ:

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا. (مریم: ۷۲)

پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے۔

(۱۳) متقی شخص جنت کا مستحق ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا:

أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ. (آل عمران: ۱۳۳)

(جنت) متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ نفس پرستی کا علاج تقویٰ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تقویٰ کیسے حاصل ہوگا؟ قرآن مجید نے اس کا جواب ان مبارک الفاظ میں عطا فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ. (توبہ: ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور صادقین کے ساتھ رہو۔

اس آیت میں ایمان والوں کو تقوے کا حکم دیا گیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کی حفاظت تقوے کے ذریعے سے ممکن ہے اور پھر "کونوا مع الصادقین" فرما کر یہ بات سمجھا دی گئی کہ تقویٰ حاصل کرنے کا بہترین طریقہ اور ذریعہ صادقین کی معیت اور صحبت

ہے۔ حضرات صحابہ کرام کو جو کچھ نصیب ہوا، حضور اکرم ﷺ کی صحبت سے نصیب ہوا، اس لئے ان کا لقب ہی "صحابہ" پڑ گیا حالانکہ انہیں اور بھی بہت سارے ناموں سے پکارا جاسکتا تھا۔ مگر ان میں سے ہر ایک کو "صحابی" کے لقب سے ہی پکارا اور یاد کیا جاتا ہے کیونکہ جس چیز نے انہیں اس قدر بلندیوں تک پہنچایا اور انبیاء کے بعد تمام مخلوق میں امتیازی مقام دلوایا، وہ حضور اکرم ﷺ کی معیت اور صحبت تھی۔

جمال ہمنشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اصلاح نفس کے لئے تقویٰ اور تقوے کے حصول کے لئے صالحین کی صحبت اور نگرانی اس طرح ضروری ہے جس طرح انسان کی زندگی کے لئے ہوا اور پانی۔ اور حدیث شریف کے مطابق امت کے آخری طبقوں کی اصلاح بھی اسی طریقے پر ممکن ہوگی جس طریقے پر اس امت کے پہلے طبقے کی اصلاح ہوئی۔ اور پہلے طبقے کی اصلاح میں صحبت ایک بہت بڑا اور لازمی عنصر تھا کیونکہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے گرد و پیش اور ماحول کے اثر کو قبول کرنے کی بے حد حساس صلاحیت رکھی ہے۔ یہاں تک کہ جانوروں کے درمیان رہنے والے انسان جانوروں کی عادات کو قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں اونٹ پالنے والوں اور بکریاں چرانے والوں کے مزاج کو الگ الگ بتایا گیا ہے۔ ہر انسان وہی بولی بولتا ہے جو اس کے ارد گرد میں بولی جاتی ہے۔ اسی طرح اسکی عادات، اخلاق، رہن سہن، خورد و نوش، اور پہناوے تک پر ماحول کا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے صالحین کی صحبت اختیار کرنا ہی اسے صلاح اور تقویٰ سکھا سکتا ہے اور نفس کے تقاضوں کے خلاف شریعت کے احکامات پر عمل کرنے والوں کی صحبت ہی اس میں نفس کی مخالفت کی قوت پیدا کرسکتی ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کو مخاطب فرما کر تمام امت کو علی الاعلان یہ حکم دیا گیا کہ وہ ذاکرین اور اللہ کے فرمانبرداروں کی صحبت کو لازم سمجھیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ — اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور

رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ. (کہف: ۲۸) — اسکی خوشنودی کے طالب ہیں آپ ان کے ساتھ خود کو روکے رکھئے۔

صحبت اور نگرانی کے اثر کا کوئی بھی عقلمند شخص انکار نہیں کرسکتا۔ سپیروں کے بچے بلا خوف و بلا تکلف خطرناک سانپوں سے کھیلتے ہیں جبکہ شہروں کے رہنے والے پہلوان بھی سانپ کو دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ فینائل کی گولی کی بو کا اثر ان کپڑوں پر پڑتا ہے جو اس کی صحبت میں رہتے ہیں اور تو اور تربیت اور صحبت کے اثر سے کئی جانور اپنے فطری دوستوں سے دشمنی کر لیتے ہیں۔ تماشا دکھانے والے مداری اور سرکسی ان جانوروں کی نمائش کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود صحبت کی تاثیر کا انکار کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ جب کہ صحابہ کرام تو حضور اکرم ﷺ کی قریبی صحبت اور دور کی صحبت میں بھی فرق محسوس کرتے تھے کیونکہ ان کے دل پاک اور شفاف ہو چکے تھے، اس لئے انہیں اپنے احوال کا خوب علم رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت حنظلہؓ کی ایک تفصیلی روایت میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں:

فاذا خرجنا من عندك عافسنا الازواج والاولاد والضيعات نسينا كثيرا، فقال رسول الله ﷺ: والذى نفسى بيده! لو تدومون على ما تكونون عندى و فى الذكر لصافحتكم الملائكة على فرشكم وفى طرقكم، ولكن يا حنظلة ساعة وساعة، ثلث مرات.

(مسلم: ص ۳۵۵، ج ۲)

پھر جب ہم حضور اکرم ﷺ کی مجلس مبارک سے چلے جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائداد کے معاملات میں پڑ جاتے ہیں اور ہمیں بہت سی باتوں کا خیال بھی نہیں رہتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جو حالت تمہیں میرے پاس نصیب ہوتی ہے اگر تم ہمیشہ اسی حالت میں یا ہمیشہ ذکر کی حالت میں رہو تو تم سے فرشتے بستروں اور راستوں پر مصافحہ کرنے لگیں لیکن اے حنظلہ! ہر کام کے

لئے ایک وقت ہوتا ہے اور یہ بات آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمائی۔

اس حدیث مبارکہ سے صحبت کی تاثیر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد یعنی "ذکر اللہ" عبادات کا اصل مقصود ہے۔ اور اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھنے سے اللہ کی یاد نصیب ہوتی ہے جو کہ ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الا انبئکم بخیارکم؟ قالوا بلی یا رسول اللہ! قال خیارکم الذین إذا رأوا ذکر اللہ. (ابن ماجہ)

کیا میں تمہیں تمہارے بہترین لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمایئے اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جسمانی فنون کے لئے اساتذہ اور رہنماؤں کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ انسان کا جسم راحت طلب ہے۔ چنانچہ اسے مشقت میں ڈالنے کے لئے اور اس مشقت کو بار آور بنانے کے لئے استاذ اور تربیت کی ضرورت پڑتی ہے تب جاکر کوئی عام آدمی ایک کمانڈو، ایک طاقتور پہلوان یا ایک پھرتیلا جمناسٹر بنتا ہے۔ آج تک کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ "اپنے جسم کی اصلاح آپ" کے قانون کے تحت کمانڈو، پہلوان اور جمناسٹر بننے کے لئے استاذ اور تربیت کی اور علاج کے لئے حکیم یا ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی حال انسان کے نفس سرکش کا ہے کہ اس کی اصلاح کے لئے بھی مصلح اور تربیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ نفس کو اس کی خواہشات کے خلاف چلانے کا عادی بنانا اس کے اندر سے سرکشی، سستی اور غفلت کو نکالنا اور اسے احکام شریعت کی پابندی پر ہمیشہ کے لئے تیار کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ بلکہ نفس کے اندر کی سستی نکالنا جسم کی سستی نکالنے سے

زیادہ مشکل کام ہے اور نفس کو سدھارنا جسم کو سدھارنے کی بنسبت زیادہ مشکل ہے۔ جسم کا سدھار بھی ضروری ہے لیکن نفس کا سدھار اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ کسی مسلمان کے لئے نفس کو سدھارے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے تو جس طرح جسم کے سدھار اور علاج کے لئے ماہر لوگوں کے پاس جانا اور اُن کی باتوں پر عمل کرنا اور ان کی کڑوی میٹھی سننا ہمیں برداشت ہو سکتا ہے تو نفس کے علاج اور سدھار کیلئے بھی ہمیں ان ماہرین کے پاس جانا ہوگا جو اپنے نفوس کو سدھار چکے ہوں اور شریعت کو اپنی طبیعت پر حاوی کر چکے ہوں۔ ہمیں انکی ہدایات پر عمل کرنا ہوگا اور انکی کڑوی میٹھی باتوں کو سعادت سمجھ کر برداشت کرنا ہوگا۔ ورنہ نہ تو کتابیں پڑھ لینے سے ہمارا نفس قابو میں آئے گا اور نہ ہمیں نفس کے فریب و مکائد کا علم ہو سکے گا اور نہ ہمارے اندر نفس کی مخالفت کی ہمت پیدا ہوگی۔ عام قانون اور اصول یہی ہے۔ کیونکہ نفس جب مچل جاتا ہے تو پھر اسے سنبھالنا آسان کام نہیں ہوتا۔

علامہ غزالیؒ لکھتے ہیں:

ان من رواء ۃ ھذہ النفس وجھلھا بحیث اذا ھمت بمعصیة او انبعثت لشھوۃ فنھیتھا او تشفعت الیھا باللہ سبحانہ ثم برسولہ علیہ السلام وبجمیع انبیائہ وکتابہ وبجمیع السلف الصالح من عبادہ وتعرض علیھا الموت والقبر والقیامة والجنة والنار، لا تعطی الانقیاد ولا تترك الشھوۃ. ثم ان استقبلتھا بمنع رغیف تسکن

اس نفس خبیث کی خست اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ جب کسی گناہ کا ارادہ کر لے یا شہوت پر اٹھ کھڑا ہو تو تم اسے روکنے کی کوشش کرو اور اسے اللہ تعالیٰ، رسول اللہ، تمام انبیاء کرام، قرآن مجید اور تمام سلف صالحین کے واسطے دو یا اس پر موت، قبر، قیامت، اور جنت دوزخ کو پیش کرو تب بھی وہ تمہارا کہنا نہیں مانے گا اور شہوت سے باز نہیں آئے گا پھر اگر تم اسے ایک روٹی کھا کر دوسری سے روکنا چاہو تاکہ یہ حرص سے باز آجائے تو تمہیں

وتترك شهوتها لتعلم خستها   اس کی کمینگی اور جہالت کا اندازہ ہو جائے گا۔
وجهلها. (منہاج العابدین: ۱۵۸)

جب نفس کی سرکشی اور ضد کا یہ عالم ہے تو اسکی اصلاح کے لئے مرشد کامل اور اچھے ماحول کی لازمی ضرورت ہو گی ورنہ انسان کبھی بھی نفس کے دھوکے سے نہیں بچ سکے گا۔ پھر نفس کی اصلاح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نفس کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ اسلام قطعی طور پر اسکا قائل نہیں ہے۔ اسی لئے وہ کبھی بھی مکمل نفس کشی کی دعوت نہیں دیتا۔ کیونکہ اسلام میں معطل کر دینے والی رہبانیت نہیں ہے اور نفس کو اس قدر مار دینا کہ انسان میں سے اپنی ذمہ داریوں کا احساس تک نکل جائے اور وہ جہاد اور دیگر فرائض سے غافل ہو جائے یا اجتماعی زندگی سے فرار اختیار کرنے لگے، اسلام کو ہرگز مطلوب نہیں ہے بلکہ نفس تو وہ سواری ہے جس پر بیٹھ کر انسان نے تمام عبادات اور اسلامی حقوق کو ادا کرنا ہے۔ لیکن چونکہ نفس سرکش ہوتا ہے اس لئے اسکو تقوے کی لگام لگا کر اس پر سواری کی جائے تو انسان جلد منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

اور مکمل نفس کشی اور نفس کی اصلاح کے درمیان فرق کرنا بھی ہر کسی کا کام نہیں ہے، اس لئے مرشد کامل کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے تا کہ وہ قرآن وسنت کے علم کی روشنی اور اپنے نفس مزکّی کے تجربے سے فائدہ اٹھا کر اچھی طرح رہنمائی کر سکے اور نفس کی سرکشی ختم کرنے کے طریقے بھی بتلائے اور یہ بھی سمجھائے کہ اپنے نفس کو بالکل مہمل بنا دینا اور معطل کر دینا بھی بہت برا اور اسلام کی منشا کے خلاف ہے۔

پھر جس طرح ہر انسان کو اپنے چہرے کے عیوب ومحاسن دیکھنے کے لئے آئینے کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح نفس کی اصلاح کے لئے بھی ضروری ہے کہ اسے آئینہ دکھلایا جائے اور جب انسان اپنے نفس امارہ کو کسی ایسے شخص کے سامنے لے جائے گا جسکا نفس آئینے کی طرح پاک اور شفاف ہو گا یعنی نفس مطمئنہ ہو گا تو انسان کو فوراً اپنے نفس کی حالت اور اسکی

خرابیاں معلوم ہو نگی اور وہ نفس مطمئنہ رکھنے والے سے یہ بھی سیکھ سکے گا کہ نفس کو کس طرح سے پاک اور شفاف بنایا جاسکتا ہے۔ بہر حال اصلاح کے لئے اور تقویٰ کے حصول کے لئے صالحین کی صحبت اور مرشد اور استاذ کا ہونا ایک لازمی امر ہے اور عام طور پر یہی قانون فطرت ہے البتہ کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ ہو جائے اور وہ بغیر مصلح اور مرشد کے اپنے تزکیہ کے مراحل کو طے کر لے تو یہ بھی بعید نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ کسی قانون کا پابند یا محتاج نہیں ہے لیکن عام طور پر یہی نظر آتا ہے کہ۔

صحبت صالح ترا صالح کند   صحبت طالح ترا طالح کند
ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا   گو نشیند در حضور اولیاء
یک زمانہ صحبت با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
صحبت نیکاں اگر یک ساعت است   بہتر از صد سالہ زہد وطاعت است

ایک قابل غور نکتہ :

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب خاتم النبیین بنا کر بھیجے گئے تو ہر طرف بگاڑ ہی بگاڑ تھا۔ افراد بھی بگڑے ہوئے تھے اور معاشرہ بھی، گھر بھی بگڑے ہوئے تھے اور بازار بھی، خاندان بھی بگڑے ہوئے تھے اور نظام حکومت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پورے عالمگیر بگاڑ کی اصلاح کے لئے بنیادی طور پر تین کام یا تین علاج دیئے:

(۱) تلاوت قرآن مجید (۲) تزکیہ (۳) کتاب وسنت کی تعلیم۔

یہ تینوں کام حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بنیادی مقاصد اور دنیا کی اصلاح کے بنیادی نسخے تھے۔ آپ ﷺ نے یہ تینوں کام کئے اور دیکھتے ہی دیکھتے حالات بدل گئے اور افراد کی بھی اصلاح ہو گئی اور معاشرہ بھی سدھر گیا۔ اور یہ سدھار اس قدر عالیشان تھا کہ اگر اسے تفصیل سے ذکر کیا جائے تو ہزاروں صفحات بھی کافی نہیں ہو نگے۔ بطور مثال ان کتابوں کی

فہرست پر ایک نظر ڈال لیجئے جو حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں لکھی گئی ہیں اور سو فیصد حقائق پر مشتمل ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے حالات پر لکھی گئی ان کتابوں کے اندر اس زمانے کے معاشرے کی بھی تصویر نظر آتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسانوں کی اصلاح کے لئے بنیادی طور پر یہی تین کام ہیں۔ چنانچہ جس فرد میں یہ تین کام زندہ ہونگے فرد کامل ہوگا اور جس گھر میں یہ تین کام ہوتے ہونگے وہی گھر حقیقی مسلمانوں کا گھر کہلائے گا۔ اور جس تنظیم یا پارٹی کے اندر ان تین کاموں کو بنیاد کا درجہ حاصل ہوگا وہی تنظیم اور پارٹی اسلامی پارٹی کہلانے کی حقدار ہوگی۔ اور جس حکومت کی بنیادی ترجیحات یہ تین کام ہونگے وہی حکومت اسلامی حکومت ہوگی۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ آج امت نے انسانی اصلاح کے ان تین طریقوں کو یا تو بالکل چھوڑ دیا ہے یا انہیں وہ اہمیت نہیں دی جس اہمیت کے یہ تینوں کام حقدار تھے۔

مثلاً تلاوت کلام پاک کو لے لیجئے آج کے عام مسلمانوں سے لیکر بہت سارے خواص تک میں اسکی بالکل اہمیت نہیں ہے۔ آج بہت سارے ایسے مصنفین، مفکرین اور مقررین نظر آتے ہیں جو خود کو اسلام کا خادم اور اسلام کا اسکالر سمجھتے ہیں حالانکہ خود انہیں قرآن مجید پڑھنا تک نہیں آتا بلکہ اب تو بہت سارے جدید تعلیم یافتہ خدام اسلام بھی تلاوت قرآن مجید کی اہمیت کو کم کرنے کی بھرپور کوشش میں لگے رہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ دنیا چاند تک پہنچ چکی ہے جبکہ ہم صرف قرآن کی تلاوت ہی کرتے رہیں گے۔ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن مجید کا مفہوم سمجھنا چاہئے جب کہ اسکی تلاوت اتنی اہم نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ذہنیت اور اسکا پرچار مسلمانوں کے لئے انتہائی خطرناک ہے اگر تلاوت کلام پاک اہم نہیں ہے تو اسے حضور اکرم ﷺ کا مقصد کیوں قرار دیا گیا؟ کیا وہ کام غیر اہم یا غیر مفید ہو سکتا ہے جس کے لئے کائنات کی سب سے مقدس اور افضل ہستی کو بھیجا گیا ہو؟ آج جبکہ طرح طرح کی شیطانی موسیقی اور منحوس آوازیں مسلمانوں کے کانوں کے

ذریعے ان کے دلوں میں زہر گھول رہی ہیں اور ساز باجے کی آوازیں دلوں کے نور کو بجھا رہی ہیں، اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ تلاوت قرآن مجید کا ماحول بنایا جائے۔ ہر مسلمان صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھے اور کم از کم دس دن یا سات دن میں ایک ختم کرے تب ہمیں افراد اور معاشرے میں واضح تبدیلی نظر آئے گی اور ہمیں اس بات پر ندامت ہوگی کہ تلاوت آیات جیسے اہم کام کو غیر اہم سمجھ کر ہم نے اب تک بہت کچھ کھو دیا ہے......

مقاصد نبوت میں سے دوسرا مقصد تزکیہ بھی عجیب و غریب قسم کے افراط و تفریط کا شکار ہو گیا ہے حالانکہ یہی وہ چیز ہے جو انسان کو دیگر تمام مخلوقات میں امتیاز دیتی ہے یا بالفاظ دیگر انسان کو حقیقی انسان بناتی ہے۔ کیونکہ اگر نفس کی اصلاح کا نظام نہ ہو تو انسان جانوروں کو بھی شرمندہ کر دیتا ہے مگر مسلمانوں میں سے بعض افراد نے تو تزکیہ یعنی اصلاح نفس کا نام استعمال کر کے نفس پرستی، نفس پروری اور شکم پُری کے اڈے کھول رکھے ہیں اور ان اڈوں میں شرک و بدعت سے لیکر گانے بجانے اور قوالی جیسے گندے اور قبیح کام کئے جاتے ہیں اور احکام شریعت کو پامال کیا جاتا ہے۔ پیری مریدی کے مقدس نام پر لوگوں کو اپنے آگے اور قبروں کے سامنے سجدے کرائے جاتے ہیں۔ اور اسلام میں ”برہمن واد“ کو گھسایا جاتا ہے (اس دردناک پہلو کا ذکر انشاء اللہ آگے کہیں تفصیل سے آئے گا) جبکہ دوسری طرف بعض لوگوں نے احسان و سلوک اور تصوف کے خالص شرعی نظام کو بدعت قرار دیکر مسلمانوں پر ایک ظلم عظیم ڈھایا ہے۔ ان لوگوں کی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح کوئی شخص مسجد ضرار کو دیکھ کر مسجد قبا اور مسجد نبوی شریف تک کو نعوذ باللہ ڈھانے کا فتویٰ لگا دے۔ غالباً اسی لئے قرآن مجید نے جہاں مسجد ضرار کا تذکرہ فرمایا ہے اس کے بالکل متصل مسجد قبا کی عظمت، تقدس اور فضیلت کو بھی بیان کر دیا ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے یہ سبق بھی ہے کہ وہ کسی اچھے کام کے غلط استعمال کو دیکھیں تو اس غلط استعمال کا سد باب تو ضرور کریں مگر اس اچھے کام کے منکر نہ بن جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ تصوف کا بہت غلط استعمال ہوا ہے اور

ہو رہا ہے لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہم اسلامی تصوف کا انکار کر کے تزکیے کے شرعی نظام سے محروم ہو کر خالص نفس پرست بن جائیں اور نعوذ باللہ تصوف کو امت کے لئے مضر نشہ قرار دیکر امت کے ان لاکھوں محدثین، مفسرین اور فقہا کو نشئی قرار دے دیں جنہوں نے تصوف کے راستے سے اپنی اور امت کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔ پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تلاوت کلام پاک کو عام کرنے کے لئے مکاتب، علم قرأت، علم تجوید وغیرہ کو تو جائز کہا جائے، اسی طرح کتاب وسنت کی تعلیم کے لئے علم تفسیر، علم حدیث، علم اسماء الرجال، علم ناسخ منسوخ، علم فقہ، علم اصول فقہ، علم اصول حدیث، مدارس اور تصنیف وتالیف کو تو جائز قرار دیا جائے جبکہ تزکیہ کے لئے امت کے معمول بہ شرعی نظام کا یکسر انکار کر کے اسے بدعت اور نشہ قرار دے دیا جائے؟ یہ کہاں مناسب ہے کہ اگر اسلاف امت میں سے ایک راوی کا نام حدیث کی سند میں آجائے تو ہم اسے ثقہ اور ثبت قرار دیں لیکن اگر وہی بزرگ تصوف اور احسان وسلوک کے ذریعے سے تزکیہ کے عمل کو زندہ کرتے نظر آئیں تو ہم اس پہلو پر غور نہ کریں۔ حالانکہ اگر چودھویں صدی کا گھڑا ہوا یہ مفروضہ مان لیا جائے کہ تصوف اور احسان وسلوک وغیرہ کا معمول بہ نظام بدعت اور چنیا بیگم کا نشہ ہے تو پھر ہمیں ان تمام حضرات سے محروم ہونا پڑے گا جو اس میں مشغول ومنہمک رہے کیونکہ اسلام میں بدعتی اور نشئی کبھی بھی معتبر نہیں ہیں۔ تب ہمیں تفسیر وحدیث اور دین کے بہت بڑے علمی ذخیرے سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض لوگوں نے محض اپنی تن آسانی اور نفس پرستی کے لئے تصوف اور احسان وسلوک کے معمول بہ نظام کا انکار کیا ہے اور اس انکار کا نقصان ذاتی طور پر انہیں اور عمومی طور پر ان کے پیروکاروں کو پہنچا ہے کہ وہ دین کی حلاوت اور نفس کی مکمل اصلاح سے محروم ہو کر دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ اور انہوں نے اسلام کا روغن تو اپنے منہ پر کر رکھا ہے لیکن ان کے دل صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) سے محروم ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے غلبے کی بات کرتے ہیں مگر انہیں اپنی ظاہری بناوٹ اور

لفظی جنگوں سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ اپنی ذات پر یا اپنے گھر پر اسلام کو غالب کر دیں جو کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

مقاصد نبوت میں سے تیسرا مقصد تعلیم کتاب وسنت بھی آج غفلت کا شکار ہو چکا ہے اور مسلمانوں میں سے کتاب وسنت کا علم حاصل کرنے کا ذوق اور ولولہ ختم ہوتا جا رہا ہے اور وہ ان علوم وفنون کے پیچھے پڑ گئے ہیں جنکا انہیں اللہ کے ہاں کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور جو لوگ کتاب وسنت کا علم حاصل کرنے کا ذوق رکھتے ہیں ان میں سے بھی ایک بڑی تعداد نے صرف اردو کتابوں اور ترجموں کے از خود مطالعے کو کافی سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ قرآن وسنت میں تعلیم کا لفظ ہے اور تعلیم کے لئے معلّم کا ہونا ایک لازمی شرط ہے اور یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس میں علمی سند کی حفاظت کی گئی ہے اور الحمد للہ آج بھی ایسے حضرات موجود ہیں جنہوں نے باقاعدہ طور پر اساتذہ کرام سے قرآن وسنت کا علم حاصل کیا ہے اور ان کی علمی سند بغیر کسی انقطاع کے جناب رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے لیکن انگریز کی درسگاہوں میں پروان چڑھنے والے بہت سارے اسلامی مفکرین اب اس علمی سند کے پیچھے بھی ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کو از خود مطالعے کی دعوت دیکر ان کے لئے طرح طرح کے مسائل کھڑے کرتے ہیں کیونکہ اسلام دشمن طبقات نے ہر طرف اپنا الحادی لٹریچر پھیلا دیا ہے اور بہت سارے مسلمان اس زہریلے لٹریچر کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جدت پسندی اور روشن خیالی کے علمبردار یہ مفکرین اتنا بھی نہیں سوچتے کہ موچی اور قصائی کا کام بھی بغیر سیکھے نہیں آتا اور نہ ہی کوئی شخص کسی ماہر کی رہنمائی کے بغیر اچھا نائی بن سکتا ہے، اسی طرح صرف کتابیں پڑھ لینے سے آج تک کوئی بھی تیراکی کا ماہر نہیں ہوا تو پھر معلوم نہیں وہ کس طرح پر امت کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ بغیر معلّم کے علم حاصل کرے اور بغیر مرشد کے اپنا تزکیہ کرلے۔ اس قابل غور نکتے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو سب سے پہلے بنیادی طور پر اپنے لئے ان تین کاموں کا انتخاب کرنا چاہیے:

(۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ (۳) کتاب وسنت کی تعلیم۔

اسی طرح ہر شخص کو اپنے گھر میں بیوی بچوں کے سامنے یہ اعلان کردینا چاہئے کہ ہمارے گھر میں بنیادی طور پر تین کام ہونگے: یہاں خوب تلاوت ہوگی، ہر کوئی اپنے تزکیے کا اہتمام اور بندوبست کرے گا، اور ہر کوئی کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کرے گا۔ اسی طرح ہر اسلامی تنظیم اور پارٹی کو اپنے کارکنوں پر ان تین کاموں کو لازم کرنا چاہئے تاکہ تلاوت کے ذریعے کارکنوں سے غفلت دور ہو، تزکیے کے ذریعے سے انہیں قلب کی زندگی اور روشنی نصیب ہو اور کتاب وسنت کی تعلیم کے ذریعے انہیں صحیح راستہ اور حقیقی منزل معلوم ہو۔ نیز تنظیم میں اونچے عہدے تک پہنچنے کے لئے بھی یہی بنیادی معیار ہوں۔ اسی طرح تصنیف وتالیف کا کام بھی انہیں لوگوں کو سونپا جائے جو ان تین مقاصد میں مضبوط ہوں اور قطعی طور پر ایسے لوگوں کو اپنا قائد اور رہنما نہ بنایا جائے جو تلاوت سے غافل، تزکیہ سے بے پرواہ، اور قرآن وسنت کی باقاعدہ تعلیم سے کورے ہوں۔ اسی طرح جس مسلمان کو بھی دنیا کے کسی خطے پر اقتدار حاصل ہو تو وہ بنیادی طور پر پورے ملک میں تلاوت کا ماحول بنائے اور ایسی ترتیب قائم کرے کہ ہر مسلمان صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا جانتا ہو اور باقاعدگی کے ساتھ تلاوت بھی کرتا ہو۔ اسی طرح ملک کا ہر باشندہ اپنے نفس کے تزکیے کی فکر کرے اور کسی عالم باعمل (صاحب نسبت) متبع سنت اور ماحی بدعت، شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی اصلاح کرائے۔ اور پورے ملک میں بنیادی طور پر کتاب وسنت کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے تاکہ ہر بچہ پہلے کتاب وسنت کی تعلیم کے ذریعے اچھی طرح مسلمان بن جائے اور پھر اسکی مرضی ہے کہ اس کے بعد ڈاکٹر بنے یا انجینئر۔ کیونکہ پھر وہ جو کچھ بھی بنے گا اصل میں وہ مسلمان رہے گا جبکہ آج پہلے بچوں کو کافروں کی درسگاہوں میں بٹھا کر ان سے اسلامی مزاج چھین لیا جاتا ہے اور مادہ پرستی ان کے ایک ایک انگ میں بٹھادی جاتی ہے اور ایسے لوگ بعد میں جب بغیر تزکیہ کے قرآن وسنت کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ مطالعہ بھی انکی تباہ شدہ گندی

ذہنیت میں جاکر زہر بن جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ دودھ ڈالنے سے پہلے برتن کو خوب پاک صاف کرلیا جائے کیونکہ اگر گندے برتن میں دودھ ڈالا جائے گا تو وہ بھی خراب ہوجائے گا۔

آخری بات :

افسوس کی بات یہ ہے کہ تزکیے کی اسلامی دعوت اور تزکیے کی اسلامی تربیت پر وہ لوگ مسلسل ظلم ڈھارہے ہیں جو خود کو روشن خیال مسلمان سمجھتے ہیں اور جن کا دعویٰ یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید پڑھنے سے آدمی تاریک ذہن ہوجاتا ہے جبکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ڈگریاں انسان میں روشن خیالی پیدا کرتی ہیں۔ (ہم اس طرح کی روشن خیالی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جو ہمارے دل میں تلاوت قرآن کی اہمیت کم کردے اور ہمیں حضور اکرم ﷺ جیسی شکل بنانے سے متنفر کردے) یہ روشن خیال حضرات کھلم کھلا طور پر تو تزکیہ یعنی اصلاح نفس کی ضرورت کا انکار نہیں کرسکتے کیونکہ قرآن وسنت کی بے شمار نصوص کا صریح انکار اتنا آسان کام نہیں ہے البتہ ان میں سے بعض نے یہ نعرہ لگادیا ہے کہ "اپنی اصلاح آپ" اور اس نعرے کا مقصد تصوف اور احسان وسلوک کے اس نظام کا انکار کرنا ہے جس پر امت مسلمہ کا خیر القرون سے اتفاق چلا آرہا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس طرح کے نعروں کی طرف توجہ نہ دیں۔ یہ نعرے بالکل اس طرح ہیں جس طرح کوئی شخص ایک کتاب یا کتابچہ لکھ کر اس کے سرورق پر یہ لکھوادے "تیراکی سیکھئے خود بخود" اور اس کتابچے میں یہ دعویٰ کرے کہ تیراکی کے لئے کسی استاذ کی ضرورت نہیں ہے، بس آپ یہ کتابچہ پڑھئے اور سمندر میں چھلانگ لگادیجئے۔ یقیناً اس پر عمل کا جو انجام ہوگا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی چیز کا انکار کرنا جس پر قرآن وسنت کے دلائل بھی موجود ہوں اور پوری امت کا اتفاق بھی، ایک ایسا خطرناک کھیل ہے جسکا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ چنانچہ

اصلاح نفس کے نظام پر وار کر کے ہم نے امت کو کیا دیا ہے؟ نفس پرست مفکرین، نفس پرست مصنفین، نفس پرست اسکالر، نفس پرست لیکچرار اور نفس پرست لیڈر شپ۔ ہاں! اگر اس جملے "اپنی اصلاح آپ" کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان اپنی اصلاح کا خود ذمہ دار ہے اور ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر خود کرنی ہے اور خود ہی عزم وہمت سے کام لیکر اصلاح نفس کا فریضہ سرانجام دینا ہے تو پھر ہمیں اس جملے سے مکمل اتفاق ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ انسان جب تک خود اس اہم کام کا عزم اور ارادہ نہ کرے اور خوب ہمت سے کام نہ لے اور اپنے دل میں اصلاح نفس کی اہمیت کو پیدا نہ کرے تو پھر واقعی وہ شخص ٹھوکریں کھاتا ہے اور نفس کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوتا رہتا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ اس حقیقت کا اظہار اپنے ان خوبصورت اور جامع الفاظ میں فرماتے ہیں: "اگر آپ اپنے اخلاق کو درست کرنا چاہیں تو راستہ بند نہیں ہے۔ ہاں اپنے اخلاق کی آپ ہی اصلاح نہ چاہیں تو پیغمبر کے زمانے میں لوگ موجود ہوتے ہیں اپنی اصلاح نہیں کرتے۔ جب کرنا چاہیں (تو اللہ کے رسول نے راستے بتلا دیئے) کرسکتے ہیں، نہ چاہیں تو خود پیغمبر بھی نصیحت کریں آدمی درست نہیں ہوسکتا۔ جنہیں اپنی اصلاح منظور تھی اللہ کے رسول کے قول پر عمل کیا۔ کوئی صدیقؓ بنا، کوئی فاروقؓ بنا، کوئی ذوالنورینؓ بنا، کوئی علی مرتضیٰؓ بنا۔ اور جنہیں اصلاح مقصود نہیں تھی کوئی ابوجہل بن گیا، کوئی ابولہب بن گیا، کوئی مسیلمہ کذاب بن گیا۔ غرض بگڑے ہی رہے اور نبی وقت سے بھی ان کی اصلاح نہ ہوسکی، اس لئے کہ انہیں خود اپنی اصلاح منظور نہیں تھی"۔

(خطبات حکیم الاسلام، جلد سوم)

بس اصلاح نفس یا تزکیہ کے لئے پہلا کام خود اصلاح کی نیت کرنا اور اپنے اندر اس کی اہمیت پیدا کرنا ہے۔ اور دوسرا کام تزکیہ کے لئے صحیح راستے کی تلاش ہے اور اس کا بہترین راستہ حقیقی اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرنا اور ان سے رہنمائی لینا ہے۔

عبرت وموعظة:

یہودیوں کی نفس پرستی کا تذکرہ اور نفس پرستی کی مذمت اور اس سے حفاظت کی اسلامی دعوت کو ہم نے پڑھ لیا۔ قرآن مجید کے بیان فرمودہ سچے واقعات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کا خدا اور ان کا امام نفس تھا اور ان میں سے بہت کم لوگ ایسے تھے جنہوں نے نفس کی اصلاح کی فکر کی۔ لیکن اس کے برعکس ہمارے اکابر حضرات صحابہ کرامؓ نے اصلاح نفس کی اسلامی دعوت پر سو فیصد عمل فرمایا اور انہوں نے اس بات میں بھی قیامت تک کے لئے ایک روشن مثال قائم فرمائی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کے ایمان اور ان کے کردار کی تعریف فرمائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا عظیم انعام عطا فرمایا۔ اس سے بڑھ کر ان کے نفس کی پاکی اور عظمت کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟ نفس پرست لوگ حریص ہوتے ہیں جیسا کہ یہودی، جبکہ صحابہ کرامؓ کی قناعت کے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ نفس پرست ہمیشہ دنیا کے پیچھے دوڑتے ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ نے دنیا کو تین طلاقیں دیکر پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ نفس پرستوں کو مال اور حکومت ملتی ہے تو وہ بے قابو ہو جاتے ہیں مگر صحابہ کرامؓ کو دنیا کی عظیم حکومتیں ملیں مگر چٹائی ان کا بستر، پتھر انکا تکیہ اور پیوند زدہ کپڑے ان کا لباس رہا۔ نفس پرست جہاد کے وقت ہمیشہ چھپتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں مگر صحابہ کرامؓ کے عظیم جہاد کے زمزمے مشرق ومغرب میں گونجے اور ان میں سے اکثر کی قبریں دنیا کے دور دراز علاقوں میں بنیں۔ نفس پرست راتوں کو گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں اور دن کو فساد پھیلاتے ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ رات کو مصلے پر اور دن کو جہاد میں گھوڑے کی پیٹھ پر نظر آتے تھے۔ نفس پرست ہمیشہ حکمرانوں اور بادشاہوں کے سامنے جھک جاتے ہیں مگر صحابہ کرامؓ نے دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھا اور ایمان اور تقویٰ کے علاوہ کسی عظمت کو وہ خاطر

میں نہ لائے۔ نفس پرست خود غرض ہوتے ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ ایثار کے دھنی تھے۔ نفس پرست ذخیرہ اندوز ہوتے ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ تو اللہ کے راستے میں سب کچھ لٹانے کے عادی تھے۔ نفس پرست غصے میں بے قابو ہو جاتے ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ غصے کو ضبط فرمانے والے اور غلطیوں سے درگزر فرمانے والے تھے۔ نفس پرست ہمیشہ بزدل ہوتے ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ کی بہادری سورج کی طرح عیاں تھی۔ نفس پرست ریاکار ہوتے ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ کا اخلاص ناقابل شکست تھا اور ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس قدر تھی کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے یا ریاکاری کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہودیوں کا نفس تو غلاظت کا منبع تھا جبکہ صحابہ کرامؓ کے نفوس خیر کے چشمے تھے۔ جس طرح یہودیوں کا نفس خیر سے دور تھا اسی طرح صحابہ کرامؓ کے نفوس شر سے دور تھے۔ اگر اس موضوع پر موازنہ کیا جائے تو یقیناً بہت دلچسپ ہوگا اور بہت تفصیلی، اللہ کرے کوئی اثر انگیز قلم اٹھے اور یہ موازنہ کر ڈالے تب پڑھنے والوں کو عجیب مناظر نظر آئیں گے، مثلاً ایک طرف وہ لوگ ہیں جن پر آسمان سے من و سلویٰ اتر رہا ہے مگر وہ چیخ چیخ کر دال اور پیاز مانگ رہے ہیں اور ان کا نفس بے صبری سے پھٹا جا رہا ہے اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو کھجور کی گٹھلی چوس کر اور پتے کھا کر مسکرا رہے ہیں اور ان کا نفس شکر کے سجدے کر رہا ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو عبادت خانے میں بھی اللہ سے غافل ہیں اور ایسے کام کر رہے ہیں جن کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا جبکہ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو بازار میں جا کر بھی مسلمان ہیں اور مجال ہے کہ مال و دولت کے ڈھیر یا گاہکوں کی بھیڑ انہیں اللہ سے یا اس کے کسی حکم سے غافل کر دے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں کہ گناہ کرتے ہیں اور چھپاتے ہیں اور نادم بھی نہیں ہوتے جبکہ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن سے کوئی چھوٹی سی غلطی بھی ہو جائے تو آنسو انکی آنکھوں سے نہیں تھمتے اور وہ اللہ کے ہاں پاکی حاصل کرنے کے لئے اپنے جسموں کو پتھروں کے لئے پیش کر دیتے ہیں۔ یہ موازنہ اس طرح کے عجیب مناظر سے عبارت ہوگا۔ چونکہ یہ

مختصر مضمون اس تفصیلی موازنے کا متحمل نہیں ہے اس لئے بات آگے بڑھاتے ہیں۔

ہمارے سامنے یہودیوں کا طرز عمل بھی آگیا کہ نفس کو انہوں نے معبود بنا رکھا تھا اور صحابہ کرامؓ کے طرز عمل کی بھی ایک جھلک آگئی کہ انہوں نے نفس امارہ کا کہنا نہیں مانا بلکہ اسے دبایا اور سدھارا اور اس کے تقاضوں کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم پر لبیک کہی اور انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں حاضری دیکر اپنا تزکیہ کرایا اور اپنے نفس کی خوب نگرانی کی اور اسے تقوے کی لگام سے کبھی بھی آزاد نہیں کیا۔

اب ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا ہے اور ہم میں سے ہر فرد کو اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ ہم کس کے راستے پر چل رہے ہیں؟ یہودیوں کے راستے پر یا صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر؟ نفس پرستی کے ہلاکت خیز راستے پر یا تقوے کے نجات دہندہ رستے پر؟۔ ہم میں سے ہر شخص کے ذمے اپنے نفس کا محاسبہ ایک لازمی فریضہ ہے۔ کیونکہ نفس کی بیماری ہمیشہ کی آگ اور ہمیشہ کے عذاب کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور آگ سے بچنا اور اللہ کے غضب سے بچنا ہمارے لئے فرض ہے۔ آج ہر شخص اپنے جسم کی نگرانی کرتا ہے اور جسم کو ٹٹولتا رہتا ہے تاکہ کوئی بیماری نہ لگ جائے۔ چنانچہ ڈاکٹروں کے ہاں بھیڑ لگی ہوئی ہے، ہسپتالوں میں جگہ نہیں ملتی، حکیموں کے ہاں قطاریں لگی ہوئی ہیں، آپریشن تھیٹر بھرے پڑے ہیں، حالانکہ جسم کی بیماری زیادہ سے زیادہ موت تک پہنچا دے گی اور موت تو آنی ہی ہے اور اس کا وقت مقرر ہے، نہ ایک منٹ پہلے آسکتی ہے اور نہ ایک منٹ کے لئے ٹل سکتی ہے لیکن پھر بھی سب کو جسم کی صحت عزیز ہے۔ حالانکہ نفس کی بیماری اور دل کی سیاہی تو جسم کی بیماری سے زیادہ خطرناک ہے اور نفس امارہ کی پہلی اور آخری کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسان دنیا میں ذلیل ہو جائے اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلے۔ آج نفس اور روح کی کونسی بیماری ہے جو امت مسلمہ میں تیزی سے نہیں پھیل رہی؟ جھوٹ جیسا گندا جرم سرعام ہو رہا ہے۔ مسلمان تاجر نفس پرست ہو چکے ہیں۔ عبادتگاہوں سے لیکر قبرستانوں تک اور حکومت کے ایوانوں سے لیکر

بازاروں تک نفس پرستی ہی نفس پرستی نظر آتی ہے۔ حکمران نفس پرست ہیں۔ پولیس اور دیگر سرکاری اداروں کے ملازمین نفس پرست ہیں۔ (الا ماشاء اللہ) عورتیں نفس پرست ہیں اور مرد بھی ان سے پیچھے نہیں ہیں۔ شادی کا موقع ہوتا ہے تو نفس کا حکم مانا جاتا ہے اور ہندوؤں کی ساری رسومات پوری کی جاتی ہیں اور نفس کے کہنے پر اللہ کے احکامات کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ کسی کے ہاں کوئی مر جاتا ہے تب بھی نفس ہی کا حکم چلتا ہے اور طرح طرح کی غیر اسلامی رسومات سر انجام دی جاتی ہیں۔ اس نفس ظالم نے چہروں کو بگاڑ دیا کہ مسلمان اور کافر میں فرق تک نظر نہیں آتا۔ نفس کے حکم پر سینما گھروں میں بھیڑ کی وجہ سے ٹکٹ نہیں ملتے، جبکہ مسجدیں ویران پڑی ہوئی ہیں۔ نفس پرستی نے خالص غذاؤں کو چھین لیا۔ امانت داری اور پاکبازی کو چھین لیا۔ نفس پرستی نے گلیوں اور بازاروں کو بے حیائی سے بھر دیا۔ آج اکثر لوگ نفس کی خارش میں مبتلا ہو کر طرح طرح کے گناہ کر رہے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی چین نصیب نہیں ہو رہا۔ ہر شخص نفس کے پیچھے اور ہر کسی کا نفس اس کے پیچھے کتے کی طرح دوڑ رہا ہے۔ ہر کوئی پریشان ہے اور گھر گھر میں آگ لگی ہوئی ہے اور نفس پرستی جس قدر بڑھتی چلی جائے گی پریشانیوں اور مصیبتوں کی آگ اسی قدر تیز ہوتی جائے گی۔ سمجھ نہیں آتی کہ آج کے مسلمان تزکیہ جیسے اہم فریضے سے کیوں غافل ہو چکے ہیں؟ کیا نعوذ باللہ انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح نفس ہی کی فرمانبرداری کا عزم کر لیا ہے؟ کیا وہ اس بات کو بھول چکے ہیں کہ نفس امارہ تو ان کا بدترین دشمن ہے؟ کیا انہیں یہ بات یاد نہیں رہی کہ ان کے ذمے اپنے نفس کی اصلاح ایک لازمی فریضہ ہے؟ حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کی صداقت صاف نظر آ رہی ہے اور اس امت کے بہت سارے افراد یہودیوں کی طرح نفس پرستی میں مبتلا اور نفس کی اصلاح سے غافل ہو چکے ہیں۔ بعض لوگوں نے تو خود کو مکمل طور پر نفس کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ دوسرے فرائض ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے نہ اپنے عقائد کو درست کیا ہے نہ نظریات کو۔ وہ نہ تو حرام کھانے سے بچتے ہیں نہ

حرام کرنے سے۔ دین ان کے نزدیک ایک فضول چیز ہے اور دنیا میں اپنا مستقبل سنوارنا ہی ان کی زندگی کا مقصد بن چکا ہے۔ ان لوگوں کو فوری طور پر اپنے طرز عمل کو بدلنا چاہئے کیونکہ وہ تو یہودیوں کی طرح نفس پرستی کو ہی شعار بنا چکے ہیں جو کہ سراسر تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔ جب تک موت نہیں آتی ان لوگوں کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ ایک دن انہوں نے مر جانا ہے اور موت کی تلوار ان کے سر تک پہنچ چکی ہے۔ ان لوگوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صرف غلاظت بنانے کی مشین کے طور پر پیدا نہیں کیا کہ صرف کھاتے رہیں اور غلاظت بناتے رہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ مقاصد دیکر اور ان کے کندھوں پر کچھ ذمہ داریاں ڈال کر بھیجا ہے۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ نفس کے کہنے پر وہ کتنے گناہ کریں گے؟ کیا کسی گناہ سے انسان کو کبھی سکون ملا ہے؟ یا کسی گناہ سے نفس کا پیٹ کبھی بھرا ہے؟ وہ کب تک نفس کے کہنے پر اپنا پیسہ اور اپنی صحت گناہوں میں برباد کرتے رہیں گے؟ نفس تو خارش زدہ کتا ہے، اسکی خارش تو کبھی ختم نہیں ہو گی جب تک اس کی اصلاح نہ کی جائے؟ حقیقت یہ ہے کہ نفس کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے لوگ اگر تھوڑی دیر کچھ حقائق پر غور کر لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس قدر نقصان دہ اور خطرناک راستے پر چل پڑے ہیں......

ان کے علاوہ بعض مسلمان ایسے ہیں جو کچھ نہ کچھ دین پر عمل کرتے ہیں اور اسلام سے محبت رکھتے ہیں مگر انہوں نے بھی اپنے نفس کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جس کی وجہ سے انہیں استقامت نصیب نہیں ہوتی اور وہ جلد نیکیاں چھوڑ دیتے ہیں یا تھوڑی سے مجبوری کو بہانہ بنا کر اسلام کے احکامات سے منہ موڑ کر نفس پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان مسلمانوں کو بھی تزکیہ نفس کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور کسی عالم با عمل، صاحب نسبت، متبع سنت شیخ کے ہاں جا کر اپنی اصلاح کرانی چاہئے اور خود بھی محاسبے کے ذریعے اپنی نگرانی کرنی چاہئے اور جب بھی ان کا نفس انہیں کسی گناہ میں مبتلا کرے تو وہ فوراً اپنے نفس کو مناسب تنبیہ کریں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ غزوان اور حضرت ابو موسیٰ ایک ساتھ جہاد میں تھے اچانک ایک عورت ان کے سامنے آگئی۔ غزوان نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ورم کر گئی اور فرمایا، اے آنکھ! تو ایسی چیز کو دیکھتی ہے جو تیرے لئے مضر ہے۔ اسی طرح صالحین میں سے ایک شخص نے ایک عورت پر نظر ڈالی اور پھر اس گناہ کے کفارے کے طور پر اپنے نفس پر لازم کر لیا کہ زندگی بھر ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا"۔(احیاء العلوم: ص:۶۵۸، ج۔۴)

بعض مسلمان ایسے بھی ہیں جو اسلام کی عظمت، سربلندی اور تنفیذ کے لئے جہاد میں نکلتے ہیں۔ ان خوش قسمت افراد کی فضیلت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور میدانوں میں نکل کر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا اور طیاروں اور توپوں کی گھن گرج میں دشمن پر حملہ آور ہونا نفس کی اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ ہے، لیکن ان حالات میں بھی مجاہدین کو تزکیہ نفس سے قطعاً غافل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اگر خدانخواستہ نفس نے ریاکاری پر لگا دیا تو جان بھی جائیگی اور شہادت بھی نصیب نہیں ہوگی۔ کیونکہ حدیث شریف کی رو سے ریاکار شہید، ریاکار عالم اور ریاکار سخی ہی وہ بد قسمت افراد ہیں جن کے ذریعے سے دوزخ کی آگ کو سب سے پہلے بھڑکایا جائے گا۔ اسی طرح وہ مجاہد جنہیں جنگ کے علاوہ جہاد کے دوسرے شعبوں کے کام سونپے جاتے ہیں تزکیہ نفس سے ہرگز غافل نہ ہوں۔ آج نشر و اشاعت کے کام میں جھوٹ اور مبالغے، اور ذمہ داری کے کاموں میں تکبر اور انانیت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ اس لئے ہر وقت اپنے نفوس کو ٹٹولتے رہیں۔ اگر اپنی عزت کرانے کا شوق، لوگوں کو اپنے اکرام میں کھڑا دیکھنے کا شوق، اخبارات میں بڑی بڑی تصاویر چھپوانے کا شوق پیدا ہو جائے یا دل میں جبن پیدا ہو جائے کہ محاذ پر جا کر لڑنے کی ہمت نہ رہے، یا دنیا کی محبت دل میں سرایت کر جائے اور عبادات میں سستی آنے لگے، یا اپنی رائے اور اپنی شخصیت بھلی لگنے لگے تو مجاہد کو سمجھ لینا چاہئے کہ خوفناک خطرے کی گھنٹی بج چکی ہے اور اسکا ایمان اور اس کی آخرت خطرے

میں ہے۔ چنانچہ وہ فوراً تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے نفس کی اصلاح کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ کیونکہ اس سے بڑا اور کوئی خسارہ نہیں ہوگا کہ ایک شخص اللہ کی رضا اور جنت کے حصول کے لئے جہاد میں نکلے اور پھر نفس پرستی کا شکار ہو کر اپنے دین، اپنے ایمان اور جنت سے محروم ہو جائے۔

بعض مسلمان اسلام کی خدمت کے لئے سیاست کے میدان میں نکلتے ہیں ان مسلمانوں کے لئے اپنے نفس کی نگرانی از حد ضروری ہوتی ہے کیونکہ موجودہ سیاست میں ہر طرف کانٹے، کیچڑ اور نفس پرستی پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ کارکن اگر اپنے نفس کی اصلاح کرائے بغیر اس میدان میں آگے بڑھتے ہیں تو پھر غیر اخلاقی جوڑ توڑ اور ظاہری نمائشیں اور دوسروں کو گرا کر آگے بڑھنے کا ولولہ انہیں تباہ کر دیتا ہے اور اسلامی سیاسی کارکن بھی غیر اسلامی سیاسی کارکنوں کی طرح بے عمل، ریاکار، شہرت پسند اور عبادات سے غفلت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ یہ بات کارکنوں کے لئے بہت خطرناک ہے اور اس صورتحال سے بچنے کے لئے خود انہیں ہی محنت کرنی ہوگی اور تزکیہ نفس کو لازم سمجھنا ہوگا تب ان کے کام میں برکت ہوگی اور ان کی مساعی قبول ہونگی۔

بعض مسلمان بزرگوں کے مزاروں پر جانے، قوالیوں میں شرکت کرنے اور پیروں کو نذرانے پیش کرنے کو کافی سمجھتے ہیں۔ وہ پورا سال تو غلط کاروبار میں مشغول رہتے ہیں اور عبادات سے غفلت برتتے ہیں مگر سال میں ایک بار کسی مزار پر چادر چڑھانے یا کسی بزرگ کے عرس پر دیگیں پکوا لینے کو ہی دین ایمان سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے اس طرز عمل سے توبہ کرنی چاہئے۔ اپنے نفس کی اصلاح کے لئے دنیا سے بے رغبت حقیقی اللہ والوں کے پاس جانا چاہئے۔ یاد رکھیں! اگر اپنا نفس پاک نہیں ہوگا اور فرائض کی پابندی اور حرام سے بچنے کا اہتمام نہیں ہوگا تو پھر صرف کسی کی دعا نجات کے لئے کافی نہیں ہے۔ اللہ والوں کی قبروں پر چادریں چڑھانے کی بجائے ان اللہ والوں کی طرح نفس پرستی سے بچیں اور یہ چادریں غریب

بچیوں کے سروں پر ڈالیں تب اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی۔

بعض مسلمان اپنے مخصوص نظریات کی وجہ سے تکبّر میں مبتلا ہیں۔ وہ سارا دن لوگوں سے بحثیں اور مناظرے کرتے ہیں اور فروعی مسائل کے بارے میں چیلنج پر مبنی اشتہارات چپکاتے ہیں۔ انہیں ان کے بڑوں نے بتادیا ہے کہ بس تم حق پر ہو اور باقی ساری دنیا غلط ہے۔ اس خوش کن دعوے نے انہیں تقوے اور تزکیہ نفس سے غافل کردیا ہے اور ان کے دلوں میں سوائے مسلمانوں کی نفرت اور مسلکی شدت کے اور کچھ نہیں بچا۔

اسی طرح بعض سیاسی پارٹیوں نے بھی اپنے کارکنوں کو تزکیہ نفس کے معاملے میں کھلی چھٹی دے دی ہے اور انہوں نے اسے ایک ثانوی درجے کی چیز قرار دے دیا ہے۔ ان مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بھی توبہ کریں اور اپنے نفس کی پاکی کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ صرف بلند بانگ دعوے اور قیل و قال کی فضول بحثوں سے انہیں کچھ نہیں ملے گا۔ وہ جن محدثین کی روایت کردہ احادیث کو اٹھائے پھر رہے ہیں وہ تمام محدثین تصوف کے میدان کے شہسوار تھے اور وہ اصلاح نفس کے لئے بیعت ہوتے تھے اور بیعت لیتے تھے۔ اسی طرح سیاسی کارکنوں کو بھی سوچنا چاہئے کہ بعض لیڈروں کی طرف سے انہیں تزکیے کے معاملے میں ملی ہوئی کھلی چھٹی ان کے کچھ کام نہیں آئے گی اس لئے وہ تزکیہ نفس کو ثانوی درجہ دینے کی بجائے پہلا درجہ دیں اور اپنے نفس کو پاک کرکے اسے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ذکر سے معمور کریں۔

بعض مسلمان صرف کسی مرشد کامل سے بیعت کرلینے کو ہی کافی سمجھتے ہیں جبکہ بعض لوگ کسی بزرگ کے ساتھ ذاتی قرب حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اچھی طرح سے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ صرف بیعت کرلینا ہی کافی نہیں ہے۔ اسی طرح شیخ کے قرب میں دوسرے مریدوں سے سبقت لے جانا بھی کافی نہیں ہے۔ بلکہ ہر مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ تزکیہ نفس کے لئے محنت کرے اور اپنے احوال سے شیخ کو

آگاہ کرتا رہے اور شیخ کی ہدایات پر خوب عمل کرے اور دوسرے مریدوں کے ساتھ کسی طرح کے حسد میں مبتلا نہ ہو اور نہ ہی شیخ کی مجلس میں اس لئے آئے کہ وہاں سے باتیں سن کر دوسرے لوگوں پر تنقید کرے گا۔ اسی طرح اگر طبیعت میں مضبوطی اور تحمل نہ ہو تو شیخ کے ساتھ زیادہ ذاتی مراسم بھی پیدا نہ کرے۔ بلکہ اپنے تعلق کو خالص اصلاحی رکھے کیونکہ اگر ذاتی مراسم پیدا کئے اور پھر شیخ کی بشری کمزوریوں پر نظر پڑی تو ممکن ہے کہ دین سے بھی بدظن ہوجائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر بیعت کرنے والے شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ اصلاح نفس ہی کے لئے بیعت کرے اور ہمیشہ اس مقصد کو یاد رکھے۔ اور ان کاموں میں نہ پڑے جن میں سے نفس پرستی کی بو آتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تزکیہ نفس کی فکر عطا فرمائے اور ہم سب کے نفوس کا تزکیہ فرماکر مرتے وقت ہمیں یہ پیارے اور دلکش الفاظ سنائے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي.

"اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا"۔

............☆☆☆............

یہودیوں کی پانچویں، چھٹی اور ساتویں بیماری

کتمان حق، تلبیس، تحریف اور دین فروشی

آسمان سے اترنے والا دین ہی زمین پر چلنے والے انسانوں کی نجات اور کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس دین ہی کو چھپا لیا جائے یا بدل دیا جائے تو پھر تباہی اور ہلاکت کی ہولناکی کا اندازہ شاید ہی کوئی لگا سکے؟

دین کا علم رکھنے والے علماء ہی کسی قوم کی آنکھیں اور دل ہوتے ہیں لیکن اگر علماء ہی دنیا پرست بن جائیں اور دنیا کے حقیر مفادات کی خاطر دین کو بیچنے لگیں یا اپنے منصب اور عزت کی خاطر دین کو چھپانے لگیں تو پھر اس قوم کی بربادی کس حد تک ہوتی ہے، اس کا مکمل اندازہ شاید ہی کوئی کر سکے۔ ہمارے سامنے یہودیوں کی مثال موجود ہے۔ یہودیوں کو آسمانی دین ملا اور دنیاوی اور اخروی کامیابی کی ضمانت دینے والی الہامی شریعت ملی مگر جس طرح بدبودار اور سوراخ زدہ برتن میں ڈالے جانے والے خوشبودار دودھ کا ایک حصہ برتن کے سوراخ سے نکل کر بہہ جاتا ہے اور جو تھوڑا بہت اس میں باقی رہتا ہے وہ بھی برتن کی گندگی اور بدبو کی وجہ سے اپنی اصلیت کھو بیٹھتا ہے۔ بالکل اسی طرح کا معاملہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ دین کے ساتھ کیا۔ کچھ کا انہوں نے انکار کر دیا کچھ کو انہوں نے چھپا لیا اور کچھ کو بدل ڈالا اور کچھ کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ اور بدقسمتی یہ کہ یہ بدترین جرم یہودیوں کے اس طبقے نے کیا جن کے ذمے دین کی حفاظت اور جنکا منصب دین کی تبلیغ تھا۔ مگر یہودیوں کے یہ احبار یعنی نام نہاد علماء مادہ پرستی کا اس طرح شکار ہوئے کہ انہوں نے دینِ ہدایت کو اپنی تجارت بنا لیا اور دنیا کے عارضی اور حقیر مفادات میں پڑ کر دین کا نقشہ ہی بدل

ڈالا، یہاں تک کہ آسمان سے نازل ہونے والی یہودیت کا اکثر حصہ انکی مفاد پرستی اور شکم پروری کی بھینٹ چڑھ گیا اور جو کچھ باقی بچا اس پر بھی وہ پردے ڈالتے رہے اور آج تک ڈال رہے ہیں۔ یہودیوں کی یہ تین بیماریاں کتمان حق، تلبیس اور تحریف، مقصد اور ہدف کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اس لئے ان کو اکٹھا بیان کیا جا رہا ہے۔ یہودیوں میں یہ تینوں بیماریاں دنیا پرستی یعنی حب مال اور حب جاہ کی وجہ سے پیدا ہوئیں اور ان تینوں بیماریوں کا ہدف اور تختۂ مشق اللہ تعالیٰ کا مبارک دین بنا۔ یہودیوں کے علماءِ سوء کتمان حق بھی کرتے تھے یعنی حق کو چھپاتے تھے، اور تلبیس بھی کرتے تھے یعنی حق اور باطل کو آپس میں خلط ملط کر دیتے تھے، اور تحریف بھی کرتے تھے یعنی دین کو بدلتے تھے اور اس میں اپنی طرف سے کمی اور زیادتی کرتے تھے۔ یہودیوں کی ان تینوں بیماریوں کو ایک مشترکہ نام دیا جا سکتا ہے اور وہ ہے "دین فروشی"۔ یہودی علماءِ سوء نے ہدایت کے موتیوں کو حقیر ٹکوں کے عوض بیچ ڈالا، دین کی اصل روح اور اس کے اصلی حلیے کو اپنے پیٹ کی خاطر مکمل طور پر بدل دیا۔ چنانچہ آسمان سے نازل ہونے والی یہودیت مٹ گئی تب آسمان سے رحمت، کی بجائے لعنت برسنے لگی جو تا قیامت ان پر برستی رہے گی اور اس لعنت کا اثر دنیا میں ذلت اور حقارت کی شکل میں بالکل صاف نظر آتا ہے۔ آیئے! اللہ تعالیٰ کی محکم کتاب قرآن مجید کے شفاف اور حقیقت کشا آئینے میں یہودیوں کی ان تین خطرناک اور مہلک بیماریوں کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ "اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ"۔

(بقرہ: ۴۲)

یہ حکم خاص طور سے یہودیوں کو دیا گیا کیونکہ وہ حق کو چھپاتے بھی تھے اور حق اور باطل کو خلط ملط بھی کرتے تھے، حالانکہ انہیں نہایت سختی کے ساتھ اس حرکت سے روکا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۲) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ.

(آل عمران: ۱۸۷)

"اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب عنایت فرمائی گئی تھی اقرار لیا کہ (اس میں جو کچھ لکھا ہے) اسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا تو انہوں نے اسے پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی۔ یہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں برا ہے"۔

یعنی علماء اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام وبشارات کتاب اللہ میں ہیں انہیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ نہ ہیر پھیر کرکے ان کے معنی بدلیں گے۔ مگر انہوں نے ذرہ برابر پروانہ کی اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد وپیان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے، آیات اللہ میں لفظی ومعنوی تحریفات کیں، جس چیز کا ظاہر کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا یعنی پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی بشارت اس کو سب سے زیادہ چھپایا، جس قدر مال خرچ کرنے میں بخل کرتے تھے اس سے بڑھ کر علم خرچ کرنے میں کنجوسی دکھائی اور اس کنجوسی کا منشا بھی مال وجاہ اور متاع دنیا کی محبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہاں بعض اہل علم کو متنبہ فرمادیا گیا کہ تم دنیا کی محبت میں پھنس کر ایسا نہ کرنا۔ (تفسیر عثمانی: ص۹۶)

قتادہؒ فرماتے ہیں یہ آیت وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے لیا ہے۔ پس جس شخص کو علم آتا ہو اس کو چاہئے کہ لوگوں کو سکھائے اور کتمان علم سے دور رہے کیونکہ علم کا چھپانا ہلاکت ہے۔ (حاشیہ قرآن: ص:۱۰۳)

بے شک دین کا چھپانا بہت بڑی ہلاکت ہے مگر یہودی تو ہر ہلاکت میں پڑنے کا گویا عزم کر چکے تھے چنانچہ انہوں نے دین کے ان احکامات اور گواہیوں کو بھی چھپایا جو دوپہر کے

سورج کی طرح بالکل واضح اور آشکارا تھیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۳) اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ.

(بقرہ: ۱۴۰)

"اے یہود ونصاریٰ! کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور انکی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ ان سے کہہ دیجئے کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے"۔

تورات میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس بات کی شہادت موجود تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے اور پوتے وغیرہ ملت حنیفیہ پر تھے مگر یہودی اس بات کو چھپا کر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ سب حضرات یہودی تھے۔ اسی طرح تورات میں حضور اکرم ﷺ کے آخری اور سچا نبی ہونے کی شہادت اور آپ ﷺ کی تمام نشانیاں موجود تھیں مگر یہودی یہ سب کچھ چھپاتے تھے، تو جو قوم اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ شہادت کو سینہ زوری کے ساتھ چھپاتی ہو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے۔ اس آیت کی یہی تفسیر حضرت مجاہدؒ اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہما سے منقول ہے۔ (مدارک، حاشیہ جلالین، ص:۲۰)

اندازہ لگائیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہودی ہونے کا دعویٰ کس قدر جھوٹا اور بے وقعت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ملت حنیفیہ پر ہونا تورات میں اسی طرح مذکور تھا جس طرح قرآن مجید میں ختم نبوت کا مسئلہ مذکور ہے لیکن جب آنکھوں پر مفاد پرستی کی چربی چڑھ جائے تو حیا اور امانت سر چھپا کر بھاگ جاتی ہے اور دین فروش طبقہ ہاتھوں میں اللہ کی کتاب اٹھا کر اس کے احکامات کو چھپاتا ہے۔ اور شریعت کی مسند پر بیٹھ کر

شریعت کے احکامات کو بدلتا ہے جیسا کہ یہودیوں نے حضور اکرم ﷺ کا انکار کر دیا اور آپ ﷺ کے بارے میں تورات میں مذکور نشانیوں کو چھپاتے رہے۔ حالانکہ وہ آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں سے بڑھ کر پہچانتے تھے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(٤) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ. (بقرہ: ۱۴۶)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ ان (پیغمبر آخر الزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے"۔

علامہ سیوطیؒ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں:

قال ابن سلام لقد عرفته حین رأیته کما اعرف ابنی، ومعرفتی لمحمد اشد. رواہ البخاری. (جلالین: ص:۲۱)

"حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھتے ہی ایسے پہچان لیا جس طرح میں اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے"۔

تورات کی وہ آیات جن میں حضور اکرم ﷺ کی بشارت اور علامات موجود تھیں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں مگر یہودیوں کے علماء کی اکثریت انہیں چھپاتی رہی اور آج تک چھپا رہی ہے۔ حالانکہ دین کے واضح احکامات کو سینہ زوری کر کے چھپا دینا کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن اگر کسی انسان کے سینے میں سؤر کا دل ہو تو یہ کام بھی اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور آج ہر طرف اسکی مثالیں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں حالانکہ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اسکی شامت اور نحوست اللہ کی ساری مخلوق کو بھگتنی پڑتی ہے اور اس جرم کا مرتکب عمومی لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ یہودیوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(٥) اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ. (بقرہ: ۱۵۹)

"جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے انہیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کی لعنت سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہوگا؟ چونکہ اللہ کا دین اور اسکا ہر حکم رحمت ہے اور یہ لوگ چند ٹکوں کی خاطر اللہ کے حکموں کو چھپاتے ہیں اور مخلوق کو اللہ کی رحمت سے محروم کرتے ہیں اس لئے سب سے زیادہ لعنت خود انہیں پر برستی ہے۔ اور جب حق چھپایا جاتا ہے اور باطل عام ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہے، چنانچہ ساری مخلوق مل کر ان افراد پر لعنت بھیجتی ہے جو انکی تکلیف اور پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ جس طرح کہ یہی مخلوق ان لوگوں کے لئے استغفار کرتی ہے جنکی وجہ سے اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور مخلوق کو راحت ملتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دین کو چھپانے والے افراد تمام مخلوق پر ظلم کرتے ہیں اور پھر ساری مخلوق کی لعنت کے مستحق بنتے ہیں۔ اندازہ لگایئے کہ کتمان حق کتنا بڑا اور کتنا بھیانک جرم ہے؟ حضرت محقق عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"(ان پر لعنت کرتے ہیں تمام لعنت کرنے والے) یعنی جن وانس وملائکہ بلکہ اور سب حیوانات کیونکہ ان کی حق پوشی کے وبال میں جب عالم کے اندر قحط، وبا اور طرح طرح کی بلائیں پھیلتی ہیں تو حیوانات بلکہ جمادات تک کو تکلیف پہنچتی ہے اور سب ان پر لعنت کرتے ہیں"۔ (تفسیر عثمانی)

جب کوئی شخص دین سیکھنے کے لئے یا دین پھیلانے کے لئے یا دین کو نافذ کرنے کے

لئے نکلتا ہے تو اللہ کی مخلوق اس کے لئے استغفار کرتی ہے۔ کیونکہ جب زمین پر دین پھیلتا ہے توسب کو اسکا فائدہ ملتا ہے، لیکن جب دین کو چھپایا جاتا ہے یا بدلا جاتا ہے تو لوگوں کی آنکھوں سے حق مخفی رہتا ہے۔ اور وہ غلط عقائد اور غلط اعمال میں مبتلا ہو جاتے ہیں جسکی وجہ سے زمین پر فساد پھیلتا ہے اور دوسری مخلوقات کو بھی اسکا وبال بھگتنا پڑتا ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں کتمان حق کے گناہ کی مزید سزاؤں کا تذکرہ ہے:

(٦) اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَی النَّارِ۔

(بقرہ: ۱۷۵،۱۷۴)

"جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے ان (آیتوں اور ہدایتوں) کو جو اس نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے ہیں اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش چھوڑ کر عذاب خریدا۔ یہ جہنم کی آگ کو کس قدر برداشت کرنے والے ہیں"؟

تفسیر خازن میں ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے رؤسا اور علماء کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ لوگ اپنے ماتحتوں اور اپنے ماننے والوں سے خوب ہدیے اور نذرانے وصول کرتے تھے۔ اور ان کو یہ امید تھی کہ آخری نبی ان میں سے ہونگے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آخری نبی ﷺ کو بنی اسماعیل میں مبعوث فرمادیا تو انہیں اپنے پیٹ کی فکر لگ گئی کہ اب نہ تو لوگ ہمیں اپنا رہنما تسلیم کریں گے اور نہ ہی ہم پر نذرانے اور چڑھاوے چڑھائیں گے تو انہوں نے

حضور اکرم ﷺ کی ان نشانیوں کو چھپالیا اور بدل دیا جو تورات میں مذکور تھیں۔ (تفسیر خازن بحوالہ تفسیر جلالین، ص:۲۵)

ان دو آیات میں یہودیوں کے لئے کئی طرح کی سزاؤں کا ذکر ہے: (۱) اللہ تعالیٰ ان سے کلام رحمت نہیں فرمائے گا۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ وہ حق چھپایا کرتے تھے۔ (۲) اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں سے پاک نہیں فرمائے گا۔ یہ اس جرم کی سزا ہے کہ وہ حق چھپانے کے عوض دنیا کا حقیر مال کماتے تھے (اور اس ناپاک اور گندے مال نے ان کو مکمل طور پر آلودہ اور ناپاک بنادیا)۔ (۳) دردناک عذاب۔ یہ اس جرم کی سزا ہے کہ وہ اس حرام مال کو کھاتے تھے جو انگاروں کی طرح تھا۔ (۴) گمراہی کا خریدار ہونا۔ یہ انکی دنیاوی حالت کا بیان ہے کہ یہ لوگ گمراہی کے خریدار اور بیوپاری ہیں۔ (حاشیہ جلالین، ص:۲۵)

حضرت محقق عثمانی رقمطراز ہیں:

"یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کتاب آسمانی میں حلال و حرام کا حکم بھیجا، یہود نے اس کو چھپایا اور اپنی طرف سے بڑھایا گھٹایا جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہو چکا۔ ایسے ہی حضرت محمد ﷺ کی صفات جو اس میں لکھی تھیں ان کو بھی چھپاتے اور بدلتے تھے اور یہ دونوں سخت گناہ ہیں کیونکہ ان کا مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ ہدایت اور طریقہ حق کسی کو نصیب نہ ہو۔ سب گمراہ رہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے تو کتاب اور رسول کو ہدایت خلق کے لئے بھیجا تھا سو انہوں نے خدا کے بھی خلاف کیا اور خلق اللہ کو بھی جاہل اور گمراہ بنانا چاہا۔ (پھر) اللہ کی نافرمانی اور خلق اللہ کی گمراہی پر بس نہیں کی بلکہ اس حق پوشی کے عوض میں جنکو گمراہ کرتے تھے ان سے الٹا رشوت میں مال بھی لیتے تھے جسکا نام ہدیہ اور نذرانہ اور شکرانہ رکھ چھوڑا تھا۔ حالانکہ یہ حرام خوری مردار اور خنزیر کے کھانے سے بھی بدتر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی حرکات شنیعہ کی سزا بھی سخت ہو گی ...... یعنی ظاہر نظر میں ان کو وہ مال (جو انہوں نے دین بیچ کر کمایا) لذیذ اور نفیس معلوم ہو رہا ہے مگر حقیقت میں وہ آگ ہے جس کو خوش ہو کر اپنے پیٹ میں

بھر رہے ہیں جیسا کہ طعام لذیذ میں زہر قاتل ملا ہوا ہو کہ کھاتے وقت لذت معلوم ہوتی ہے اور پیٹ میں جا کر آگ جلا دے“۔ (تفسیر عثمانی، ص:۳۳)

مسئلہ : آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص مال کے لالچ سے حکم شرعی کو بدل دے (جیسا کہ علماء یہود میں یہ مرض تھا کہ عوام سے رشوت لیکر ان کے مطلب کے موافق غلط فتوے دیتے تھے) وہ جو یہ مال کھاتا ہے گویا اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھر رہا ہے۔ کیونکہ اس عمل کا انجام یہی ہے اور بعض محقق علماء نے فرمایا کہ مال حرام در حقیقت جہنم کی آگ ہی ہے۔ (معارف القرآن: ص:۴۲۸، ج ۱)

دین کو چھپا کر یا بیچ کر جو مال کمایا جاتا ہے وہ بے شک آگ ہے جو قیامت کے دن تو یقیناً بھڑکے گی جبکہ بسا اوقات دنیا میں بھی یہ آگ اپنا کچھ نہ کچھ اثر دکھاتی رہتی ہے۔ اس لئے قرآن یہودیوں سے پوچھتا ہے کہ ایسا بھیانک جرم کیوں کرتے ہو:

(۷) یَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (آل عمران: ۷۱)

”اے اہل کتاب! تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو؟ اور حق کو چھپاتے ہو اور تم جانتے بھی ہو“۔

یہودی کیا جواب دیں؟ کیا عذر پیش کریں؟ حق کو چھپانا اور دین کو بدلنا اور مٹانا ایسا بھیانک جرم ہے جس کے جواز کے لئے کوئی عذر نہیں ہو سکتا مگر یہودی جس طرح مال پر سانپ بن کر بیٹھنے کے عادی ہیں اسی طرح دین کے معاملے میں بھی بخل کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۸) اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا. (نساء: ۳۷)

”جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل سکھاتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے“۔

یہودی مال میں بخل کرتے تھے کیونکہ مال ہی میں انکی جان اٹکی ہوئی تھی اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے تھے کیونکہ بخیل آدمی کسی اور کو بھی خرچ کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا اور پھر دین اور علم کے معاملے میں بھی بخل کرتے تھے اور حق کو چھپاتے تھے تاکہ گمراہ لوگوں کے جمگھٹے ان کے گرد لگے رہیں اور لوگوں کے نذرانے اور شکرانے ان کی جھولیوں میں گرتے رہیں۔

مذکورہ بالا آٹھ آیات میں یہودیوں کے مرض کتمان حق اور تلبیس کا قدرے تذکرہ آ گیا ہے، آیئے بطور مثال کے ایک واقعہ پڑھتے ہیں۔

یہودیوں کے کتمان حق کا ایک واقعہ :

ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے کہ یہودیوں میں سے ایک شادی شدہ مرد نے ایک شادی شدہ عورت سے بدکاری کی۔ یہودیوں نے آپس میں کہا چلو اس کا فیصلہ محمد (ﷺ) سے کراتے ہیں۔ اگر آپ کوڑے لگانے یا منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو مان لیں گے، ورنہ نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ یہودی حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور بیان کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور عورت نے بدکاری کی ہے اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تورات میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہم تو کوڑے مارتے ہیں اور کچھ رسوا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تورات لاؤ، تورات لائی گئی۔ ایک شخص پڑھنے لگا، جب اس آیت پر گزرا جس میں بدکاری کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا لکھی تھی تو اس نے اس پر ہاتھ رکھ دیا اور آگے پیچھے کی عبارت پڑھ دی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جو تورات کے بڑے ماہر تھے عرض کیا کہ آپ ﷺ حکم دیں کہ یہ ہاتھ اٹھائے۔ اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس

کے نیچے رجم کی آیت تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بھی رجم کا حکم صادر فرمایا اور دونوں رجم کیے گئے۔ (فوائد فتحیہ: ص:۱۰)

بعض تفاسیر میں اس واقعے کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس میں یہودیوں کے مشہور عالم ابن صوریا کی تحکیم کا بھی تذکرہ ہے۔ اور یہی واقعہ قرآن مجید کی ان آیات کا شان نزول بھی ہے:

يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا.	"(اور) کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہی حکم ملے تو اسے قبول کرلینا اور اگر نہ ملے تو (اس سے) احتراز کرنا"۔ (مائدہ: ۴۱)

جہاں تک دین میں تلبیس یا تحریف کا معاملہ ہے تو اس میں بھی یہودیوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی بلکہ جس طرح دین کی حفاظت کرنے والے ہر راستے اور ہر طریقے سے یہ کام سرانجام دیتے ہیں خواہ زبانی حفظ کرنے کے ذریعہ سے ہو یا لکھنے کے ذریعے سے، پڑھنے کے ذریعے سے ہو یا پڑھانے کے ذریعے سے، عمل کے ذریعے سے ہو یا دعوت و تبلیغ سے کیونکہ انہیں اس بات کی فکر اور کڑھن لگ جاتی ہے کہ وہ اللہ کا دین جو بہت بڑی نعمت اور رحمت ہوتی ہے اسکی حفاظت کریں اور دنیا آخرت میں کامیابی پائیں۔ اسی طرح وہ لوگ جنہیں دنیا پرستی اور دین فروشی کا چسکا لگ جاتا ہے اور مادہ پرستی کی چربی انکی آنکھوں پر چڑھ جاتی ہے اور لوگوں کے درمیان مقبول ہونے کا جنون ان کے سروں پر سوار ہو جاتا ہے۔ وہ ہر طریقے سے دین میں تحریف کرتے ہیں۔ کبھی کچھ گھٹا کر اور کبھی کچھ بڑھا کر، کبھی اصل الفاظ بدل کر اور کبھی ترجمہ بدل کر، کبھی کچھ مٹا کر اور کبھی کچھ کو خلط ملط کر کے، وہ کبھی تشریح غلط کرتے ہیں تو کبھی الفاظ میں ہیر پھیر کرتے ہیں۔ یہودیوں کے علماء سوء چونکہ دنیا پرست ہو چکے تھے اور دین فروشی ان کا پیشہ بن چکی تھی اس لئے انہوں نے ہر طریقے سے دین میں تحریف اور تبدیلی کی اور دین کے اصل حلیے کو بالکل بگاڑ کر رکھ دیا۔ آیئے قرآن مجید کے

آیئنے میں یہودیوں کی اس ناپاک جسارت اور تباہ کن حرکت کا جائزہ لیتے ہیں۔ اسی جائزے کے دوران تحریف کی مختلف اقسام اور تحریف کے وہ مختلف طریقے بھی ہمارے سامنے آجائیں گے جو یہودیوں نے اختیار کئے اور آج یہودیوں کے راستے پر چلنے والے بہت سارے افراد نے اختیار کر رکھے ہیں۔

(۱) اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ.	"کیا تم اے مسلمانو! توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلام اللہ (یعنی تورات) کو سنتے پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں"۔ (بقرہ: ۷۵)

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس میں فریق سے مراد وہ افراد ہیں جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ کوہ طور پر لے گئے تھے تاکہ وہ پوری قوم کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے اللہ کا کلام خود اپنے کانوں سے سنیں اور واپس آکر قوم کو اسکی اطلاع دیں۔ یہ لوگ جب واپس آئے تو انہوں نے قوم کو وہ تمام باتیں سنائیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سنی تھیں۔ مگر پھر اپنی طرف سے بڑھا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ بھی کہا تھا کہ ان احکامات کو کر سکو تو کر لینا اور نہ کر سکو تو معاف ہے۔

اگر آیت کی اس تفسیر کو لیا جائے تو پھر اس میں ایک خاص قسم کی تحریف کا ثبوت ملتا ہے اور وہ تحریف یہ ہے کہ اللہ کے احکامات تو صاف صاف سنا دیئے جائیں مگر آخر میں کچھ جھوٹے اور الٹے سیدھے دلائل کے ذریعے سے ان احکامات پر عمل کی اہمیت کو کم کر دیا جائے تاکہ لوگ بھی خوش ہو جائیں اور خود بھی عمل نہ کرنا پڑے اور لوگوں کو جھوٹ اور آسانی دینے کے عوض ان سے مال و عزت بھی حاصل کریں۔ جبکہ بعض دوسرے مفسرین حضرات کا فرمانا ہے کہ کلام اللہ سے مراد تورات ہے اور تحریف کرنے والے فریق سے مراد یہودیوں

کے احبار اور علماء سوء ہیں۔ ان علماء سوء نے تورات میں طرح طرح کی تبدیلیاں اور تحریفات کیں وہ کبھی تو الفاظ بدل دیتے تھے اور کبھی الفاظ درست پڑھ کر ان کا معنیٰ غلط بتاتے تھے۔ اور بعض مرتبہ ترجمہ اور معنیٰ بھی درست بتاتے تھے مگر تشریح غلط کرتے تھے یا مقصد غلط نکالتے تھے۔ ان ظالموں نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیا تھا اور لوگوں سے رشوتیں لیکر اور حکام کی خوشنودی کیلئے غلط مسئلے بتاتے تھے۔ تورات میں تحریف وتبدیلی اس قدر وسیع پیمانے پر ہوئی کہ آج جمہور اہل اسلام مکمل تحقیق کی بنیاد پر یہود ونصاریٰ کی کتابوں کو محرف ومبدّل مانتے ہیں اور اہل حق علماء کرام نے ان کتابوں میں تحریف کے ثبوت میں ناقابل تردید دلائل پیش فرمائے ہیں۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔**

(۲) فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ۔

(بقرہ: ۷۹)

"تو ان لوگوں پر افسوس (اور ہلاکت) ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں۔ ان پر افسوس ہے اس لئے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے اس پر جو وہ کماتے ہیں"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کیا پوچھا کرتے ہو؟ یہ کتاب جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے اپنے نبی پر یہ سب خبریں دیتی ہے، تروتازہ ہے بوڑھی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو سنا دیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بدل ڈالا وہ اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب ٹھیرا کر تھوڑے داموں پر بیچ دیتے ہیں۔ یہ علم جو تمہارے پاس آیا ہے کیا تم کو ان کے سوال سے منع نہیں کرتا؟ واللہ ہم

ان کو نہیں دیکھتے کہ وہ کبھی بھی تم سے کوئی بات تمہاری کتاب کی پوچھیں۔ اسکو بخاری نے روایت کیا ہے۔ (حاشیہ قرآن: ص:۱۶)

آیت مبارکہ اور اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ یہودیوں کے علماءِ سوء اپنی طرف سے بہت سی باتیں لکھ کر انہیں دین کی باتیں قرار دیتے تھے اور جاہل لوگوں کو ان کے اس طرز عمل سے یہ تاثر ملتا تھا کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں:

وھم الیھود غیروا صفة النبی ﷺ فی التوراة وآیة الرجم وغیرھا وکتبوا علی خلاف ما انزل.

(جلالین: ص:۱۲)

"یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی کہ انہوں نے تورات میں مذکور حضور اکرم ﷺ کی صفات کو اور آیت رجم وغیرہ کو بدل دیا اور اپنی طرف سے وہ کچھ لکھ دیا جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ کے برعکس تھا"۔

تفسیر روح البیان میں ہے:

وکانت ھی فی التوراة حسن الوجه، جعد الشعر، اکحل العین، ربعة ای متوسط القامة، فغیروھا وکتبوا مکانه: طوال، ازرق، سبط الشعر وھو خلاف الجعد، فاذا سألھم سفلتھم عن ذلک قرؤ واعلیھم ما کتبوا فیجدونه مخالفًا لصفته ﷺ فیکذبونه.

(روح البیان حاشیہ جلالین، ص:۱۲)

"تورات میں آپ ﷺ کے بارے میں مذکور تھا کہ آخری نبی خوبصورت، پیچواں بال، سیاہ آنکھیں، میانہ قد ہونگے۔ انہوں نے ان صفات کو بدل کر یوں لکھ دیا کہ لمبا قد، نیلی آنکھیں، سیدھے بالوں والے ہونگے پھر جب ان کے عوام ان سے نبی آخرالزمان کے بارے میں پوچھتے تو وہ اپنا لکھا ہوا سنا دیتے۔ عام یہودی حضور اکرم ﷺ کو ان خود ساختہ صفات کے خلاف دیکھ کر آپ کے منکر ہو جاتے"۔

یہ تو صرف ایک مثال ہے ورنہ یہودیوں کا صبح شام کا مشغلہ ہی یہی تھا کہ وہ اپنی من پسند باتیں جن میں انکے دنیاوی مفادات کا تحفظ ہوتا تھا اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے اور انہیں اللہ کی اور دین کی باتیں قرار دیتے تھے اور جاہل عوام جنکی براہ راست کتاب اللہ تک رسائی نہیں تھی ان گھڑی ہوئی باتوں کو اللہ کا کلام سمجھ لیتے اور انہیں آگے پھیلاتے۔ یوں رفتہ رفتہ اصل دین مٹتا گیا اور نفس پرستی پر مبنی من مانی تشریحات ہی دین سمجھی جانے لگیں۔

(۳) وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ.

(آل عمران: ۷۸)

"اور ان (اہل کتاب) میں بعض ایسے ہیں کہ کتاب (تورات) کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اور وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں"۔

یہ تحریف کا ایک عجیب و غریب طریقہ تھا جو یہودیوں نے ایجاد کیا اور آج تک کے محرفین نے اسے سینے سے لگا رکھا ہے اور وہ اس طریقے میں طرح طرح کی ترقیاں کر کے ان پڑھ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ یہودیوں کا طریقہ تو یہ تھا کہ تورات میں اپنی طرف سے کچھ گھٹا بڑھا کر ایسے انداز اور لہجے میں پڑھتے تھے کہ ان پڑھ لوگ دھوکے میں آجاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جو کچھ پڑھا جارہا ہے یہ سارے کا سارا اللہ کا دین اور اللہ کا کلام ہے۔ کسی عبارت کو باحوالہ لکھ کر اس کے ترجمے میں ہیر پھیر کرنا اور کسی آیت یا عبارت کو اس کے اصل سیاق سباق سے ہٹا کر محض اس کے الفاظ سے کوئی باطل معنی لے لینا یہ بھی اسی طرح کی تحریف میں شامل ہے۔

(۴) اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِيۡلَ ...... مِنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَـيًّا بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَانْظُرۡنَا لَـكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَاَقۡوَمَ وَلٰـكِنۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا.

(نساء: ۴۴،۴۶)

"بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنکو کتاب سے حصہ دیا گیا تھا کہ وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی رستے سے بھٹک جاؤ" ...... "اور یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا، اور سنئے نہ سنوائے جاؤ اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (آپ سے گفتگو کے وقت) "راعنا" کہتے ہیں اور اگر (یوں) کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور انظرنا (کہتے) تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے تو یہ کچھ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں"۔

ان دو آیات میں یہود کی کئی بیماریوں کا تذکرہ ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہو رہا ہے اور ان آیات میں دو طرح کی تحریف کو بھی بیان کیا گیا ہے، جس میں یہودی مبتلا تھے۔ پہلی تحریف یشترون الضللة کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے یعنی یہودیوں کو کتاب اس لئے دی گئی تھی تاکہ وہ ہدایت اور کامیابی پائیں۔ مگر انہوں نے عزت اور رشوت کی خاطر ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا اور احکام ہدایت کو افکار ضلالت میں بدل دیا اور ہدایت کی بہت سی باتوں کو چھپا لیا۔ ان آیات میں دوسری تحریف یحرفون الکلم عن مواضعه کے الفاظ میں مذکور ہے کہ یہودی تورات کے الفاظ کو ان کے اصل محل اور مقام سے پھیر دیتے تھے۔

یہی وہ تحریف ہے جس کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "الفوز الکبیر" میں کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"یہودی تحریف لفظی تورات کے ترجمے وغیرہ میں کیا کرتے تھے نہ کہ اصل تورات میں، کیونکہ فقیر کے نزدیک ایسا ہی محقق ہوا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے کہ تحریف معنوی تاویل فاسد کا نام ہے یعنی سینہ زوری اور راہ مستقیم سے انحراف کر کے کسی آیت کو اس کے اصل معنیٰ کے خلاف حمل کرنا"۔ (الفوز الکبیر: ص:۱۳)

(۵) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔

(مائدہ: ۱۳)

"تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات کتاب کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ آپ انکی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہیں۔ پس انکی خطائیں معاف کر دو اور درگزر کرو کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

اس آیت میں چند باتیں نہایت وضاحت کے ساتھ معلوم ہو گئیں:

(۱) اللہ کی کتاب میں اور اس کے دین میں تحریف صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ملعون ہو اور اسکا دل سخت ہو چکا ہو۔ چنانچہ یہودیوں کے جن افراد پر اللہ تعالیٰ نے لعنت برسائی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا وہی افراد دین میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر لعنت برسی۔ اس کے تین معنیٰ ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی

رحمت سے دور کر دیا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب اور شکلوں کو مسخ کر دیا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جزیہ اور غلامی کی ذلت کو مسلط کر دیا۔ پس وہ لوگ جو اللہ کی رحمت سے دور ہوتے ہیں اور ان کے دل مسخ ہو چکے ہوتے ہیں اور کافروں کی غلامی ان پر مسلط ہوتی ہے وہی لوگ اللہ کی کتاب اور اسکے دین میں تحریف کرتے ہیں۔

(۲) جو لوگ دین میں تحریف کرتے ہیں ان پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی کیونکہ ان کے دل مسخ ہو چکے ہوتے ہیں۔

(۳) دین میں تحریف کرنے والے افراد خائن ہوتے ہیں اور انکی دینی، علمی اور مالی خیانتیں روزانہ منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔

(۴) آیت کے آخر میں ان یہودیوں کے ساتھ درگزر کا حکم فرمایا گیا ہے، جو بعض مفسرین کے نزدیک آیت قتال سے منسوخ ہے جبکہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ دونوں حکم مختلف حالات کے تحت ہیں کہ کبھی قتال کیا جائے گا اور کبھی عفو و درگزر سے کام لیا جائیگا۔

حضرت محقق عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں "یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں۔ کبھی اس کے الفاظ میں، کبھی معنیٰ میں، کبھی تلاوت میں تحریف کی۔ یہ سب اقسام قرآن کریم اور کتب حدیث میں بیان کی گئی ہیں جسکا قدرے اعتراف آج کل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی کرنا پڑا ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے لکھا ہے کہ نقض عہد (یعنی عہد توڑنے) کے سبب سے ان میں دو باتیں آئیں: "ملعونیت" اور "قسوت قلب" (یعنی دل کی سختی) ان دونوں کا نتیجہ یہ دو چیزیں ہوئیں: "تحریف کلام اللہ" اور "عدم انتفاع بالذکر" (یعنی نصیحت سے فائدہ نہ اٹھانا) یعنی لعنت کے اثر سے ان کا دماغ مسوخ ہو گیا حتیٰ کہ نہایت بے باکی اور بد عقلی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف جب عہد شکنی کی نحوست سے دل سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحت سے متاثر ہونے کا مادہ نہ رہا، اس طرح علمی اور عملی دونوں قسم

کی قوتیں ضائع کر بیٹھے"۔ (تفسیر عثمانی: ص:۱۴۵)

(۶) وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ. (مائدہ: ۴۱)

"ان میں سے جو یہودی ہیں یہ غلط بنانے کے لئے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے جاسوس بنے ہیں جو ابھی آپ کے پاس نہیں آئے۔ (صحیح) باتوں کو ان کے مقامات (میں ثابت ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں"۔

اس آیت میں بھی یہودیوں کی دیگر بیماریوں کے ساتھ ساتھ تحریف فی الدین کا بھی تذکرہ ہے جسکی قدرے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(۷) فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (اعراف: ۱۶۹)

"پھر ان کے بعد ناخلف ان کے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے یہ (بے تامل) اس حقیر دنیا کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بخش دیے جائیں گے اور اگر ان کے سامنے ویسا ہی مال پھر آئے تو وہ اسے بھی لے لیتے ہیں، کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے؟ اور جو کچھ اس کتاب میں ہے اس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے اور آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے کیا تم سمجھتے نہیں"؟

اس آیت کریمہ میں جو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) پہلے دور کے یہودیوں میں کچھ صالحین تھے اور کچھ نافرمان، مگر ان کے بعد جو

لوگ ان کے گدی نشین اور کتاب کے وارث بنے وہ بڑے نالائق اور ناخلف تھے۔

(۲) ان نالائق اور ناخلف وارثوں نے دنیا کے تھوڑے سے حقیر مال کے عوض آیات اور احکامات کو چھپایا اور ان میں تحریف کی اور وہ رشوتیں لے کر غلط مسئلے گھڑتے اور بتاتے رہے۔

(۳) کتاب میں تحریف اور احکام کو چھپانے اور بدلنے کے جرم عظیم کے باوجود ان نالائقوں کو یہ خوش فہمی تھی کہ ہم نیک لوگوں کی اولاد ہیں اور اللہ کے محبوب ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیں بخش دے گا۔

(۴) چونکہ وہ اپنی بخشش کے بارے میں ناجائز خوش فہمی میں مبتلا تھے اس لئے انہوں نے توبہ کی طرف توجہ ہی نہیں کی، بلکہ وہ ہر وقت دین فروشی کے لئے تیار رہتے تھے کہ تھوڑا سا مال ملے اور وہ دین کو بیچ ڈالیں۔

(۵) یہ لوگ تورات میں تحریف کر رہے تھے اور دین کو بیچ رہے تھے۔ حالانکہ ان سے اسی تورات میں یہ عہد لیا گیا تھا کہ اللہ کی طرف سوائے سچی بات کے کسی چیز کی نسبت نہیں کریں گے۔ یہ لوگ تورات میں اس عہد کو پڑھتے تھے اور پھر اسے نظر انداز کرتے ہوئے اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے تھے۔

(۶) ان کے یہ سارے کام اعلیٰ درجے کی بے عقلی اور حماقت کا ثبوت ہیں۔ کاش وہ اپنی آنکھوں سے دنیا پرستی اور مفاد پرستی کے پردے اتار کر دیکھیں اور آخرت کی فکر کریں کیونکہ عقلمند تو وہی ہے جو آخرت پر دنیا کو قربان کرتا ہے نہ کہ دنیا پر آخرت کو۔ اور آخرت ہی کی کامیابی میں دنیا کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

(۷) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ

"اے ایمان والو! (اہل کتاب کے) بہت سارے عالم اور درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور (ان کو) اللہ کے راستے سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. (توبہ: ۳۴)

روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے"۔

"یعنی روپیہ لیکر احکام شرعیہ اور اخبار الٰہیہ کو بدل ڈالتے ہیں۔ ادھر عوام الناس نے انہیں جیسے پہلے گزرا، خدائی کا مرتبہ دے رکھا ہے۔ جو کچھ غلط سلط کہہ دیں وہ ان کے نزدیک حجت ہے۔ اس طرح یہ علماء و مشائخ نذرانے وصول کرنے، سکتے بٹورنے اور اپنی سیادت اور ریاست قائم رکھنے کے لئے عوام کو مکر و فریب کے جال میں پھنسا کر راہ حق سے روکتے رہتے ہیں، کیونکہ عوام اگر ان کے جال سے نکل جائیں اور دین حق اختیار کرلیں تو ساری آمدنی بند ہو جائے۔ یہ حال مسلمانوں کو سنایا تاکہ متنبہ ہو جائیں کہ امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کا خراب و بے راہ ہونا اور اپنے فرائض کو چھوڑ دینا ہے۔ علماء و مشائخ اور اغنیاء و روساء"۔ (تفسیر عثمانی: ص: ۲۵۴)

چونکہ یہود و نصاریٰ کے علماء اور درویش دین فروشی کا یہ کام سونے چاندی اور مال کی محبت میں کرتے تھے اس لئے اگلی آیات میں مال جمع کرنے کا برا انجام بیان کر دیا گیا کہ یہ مال قیامت کے دن آگ میں دہکایا جائیگا اور پھر اس کے ذریعے سے اس کے مالک کے جسم کو داغا جائیگا۔ (العیاذ باللہ)

مذکورہ بالا سات آیات میں یہودیوں کی بیماری "تحریف فی الدین" کا قدرے تذکرہ آگیا، جبکہ کتمان حق کا تذکرہ اس سے پہلے آیات میں گزر چکا ہے۔ اور ان میں تلبیس کا بھی تذکرہ تھا۔ اور تلبیس، کتمان اور تحریف کے درمیانی درجے کو کہتے ہیں یعنی کچھ حق اور کچھ باطل کو ملا کر ایک نیا ملغوبہ تیار کیا جائے، یا حق پر باطل کی سیاہی پھیر دی جائے اور حق میں باطل کا پیوند لگایا جائے، یا حق کو باطل کے یا باطل کو حق کے کپڑے پہنا دیئے جائیں۔ یہ تمام

صورتیں تلبیس کی ہیں جو یہودیوں نے اختیار کیں اور آجکل بہت سارے مسلمان کہلانے والے افراد بھی دین کے اندر اسی طرح کی تلبیس میں مصروف و مشغول ہیں مگر وہ دین اسلام میں سے کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

اسلامی دعوت

اسلام نے حق کی اشاعت اور تبلیغ کا حکم دیا ہے اور حق پوشی کو جرم عظیم قرار دیا ہے۔ اس طرح اسلام نے اللہ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کے پیغامات کو من وعن آگے پہنچانے اور دین کو ہر طرح کی تحریف اور تبدیل سے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کی مکمل حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور رسول کریم ﷺ نے اس امت میں ایسے افراد کی تاقیامت موجودگی کی بشارت دی ہے جو دین کو ہر طرح کی تحریف و تبدیل سے پاک رکھیں گے اور دین خالص کی حفاظت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور اس کے ماخذ کی حفاظت کا ایسا انتظام فرمادیا ہے کہ کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے کہ وہ دین اسلام میں رہتے ہوئے دین میں کوئی تحریف یا تبدیلی کر سکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. (الحجر: ۹)

"بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں"۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں بعض مفسرین کے اقوال نظر قارئین ہیں۔

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

وانا لحافظون من التبديل والتحريف والزيادة والنقصان.

"اور ہم اس قرآن کے محافظ ہیں تبدیلی، تحریف، زیادتی اور کمی سے"۔

(جلالین: ص: ۲۱۱)

صاحبؒ جمل لکھتے ہیں:

وانا له لحافظون بخلاف سائر الكتب المنزلة، فقد دخل فيها التحريف والتبديل بخلاف القرآن فانه محفوظ من ذلك، لا يقدر احد من جميع الخلق الانس والجن ان يزيد فيه او ينقص حرفا واحدا او كلمة واحدة. (جمل حاشیہ جلالین: ص:۲۱۱)

"انا له لحافظون کا وعدہ قرآن مجید کے لئے ہے بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے کہ ان میں تحریف بھی ہوئی اور تبدیلی بھی جبکہ قرآن مجید بالکل محفوظ ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی انسان یا جن اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ قرآن مجید میں ایک حرف یا کلمہ بڑھائے یا گھٹائے"۔

حضرت محقق عثمانیؒ کی اس آیت کے بارے میں تقریر کے ایک ایک جملے پر غور فرمایئے:

"یاد رکھو! اس قرآن کے اتارنے والے ہم ہیں۔ اور ہم ہی نے اسکی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ جس شان اور ہیئت سے وہ اترا ہے بدون ایک شوشہ یا زیر وزبر کی تبدیلی کے چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی ومعنوی سے محفوظ ومصون رکھا جائے گا، زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول واحکام کبھی نہ بدلیں گے، زبان کی فصاحت وبلاغت اور علم وحکمت کی موشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں پر قرآن کے صوری ومعنوی اعجاز میں اصلاً ضعف وانحطاط محسوس نہ ہوگا۔ قومیں اور سلطنتیں قرآن کی آواز کو دبانے یا گم کر دینے میں ساعی ہونگی لیکن اس کے ایک نقطہ کو گم نہ کر سکیں گی۔ حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدہ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب ومغرور مخالفوں کے سر نیچے ہوگئے۔ "میور" کہتا ہے: "جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"۔ ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے

کہ "ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمد (ﷺ) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں" واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک جم غفیر علماء کا جنکی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، ایسا رہا ہے جس نے قرآن کے علوم ومطالب اور غیر منقضی عجائب کی حفاظت کی۔ کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی، حافظوں نے اس کے الفاظ وعبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک زیر وزبر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے، کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا۔

آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لحہ یا کوئی ساعت نہیں بتلائی جا سکتی جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ رہی ہو۔ خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جزء کا رسالہ یاد کرانا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے کس طرح فر فر سنا دیتا ہے؟ پھر کسی مجلس میں ایک باوجاہت عالم وحافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگذاشت ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے، چاروں طرف سے تصحیح کرنے والے للکارتے ہیں، ممکن نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ حفظ قرآن کے متعلق یہ ہی اہتمام واعتناء عہد نبوی میں سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی کی طرف وانا لحافظون فرما کر اس وقت کے منکرین کو توجہ دلائی"۔ (تفسیر عثمانی: ص:۳۴۸)

اس آیت کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے امام قرطبیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے جو تفسیر معارف القرآن کے حوالے سے پیش خدمت ہے:

امام قرطبیؒ نے اس جگہ سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المومنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ومباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے جن میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی۔ ایسے ہی ایک

مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آگیا جو صورت، شکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح وبلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی۔ جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا، مامون نے (امتحان لینے کے لئے) کہا اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباواجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا۔ بات ختم ہوگئی یہ شخص چلا گیا۔ پھر ایک سال بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں۔ مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو سال گذشتہ آئے تھے؟ جواب دیا ہاں وہی ہوں۔ مامون نے پوچھا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟ اس نے کہا میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کا ارادہ کیا۔ میں ایک خطاط اور خوش نویس آدمی ہوں کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں۔ میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کئے جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لیکر میں کنیسہ پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے عبادت خانے لے گیا وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر و منزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی ان کو لیکر جب میں فروخت کرنے کے لئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا۔ اس واقعہ سے میں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے اس لئے مسلمان ہو گیا۔ قاضی یحیٰی بن اکثم اس واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ اتفاقاً اسی سال مجھے حج کی توفیق ہوئی، وہاں سفیان بن عینیہ

سے ملاقات ہوئی تو یہ قصہ ان کو سنایا، انہوں نے فرمایا کہ بے شک ایسا ہی ہونا چاہئے کیونکہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے۔ یحیٰی بن اکثم نے پوچھا قرآن کی کونسی آیت میں؟ تو فرمایا کہ قرآن عظیم نے جہاں تورات وانجیل کا ذکر کیا ہے اس میں تو فرمایا بما استحفظوا من کتاب اللہ یعنی یہود ونصاریٰ کو کتاب اللہ تورات وانجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب یہود ونصاریٰ نے فریضہ حفاظت ادا نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ ومحرف ہو کر ضائع ہو گئیں۔ بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا انا لہ لحافظون یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں، اس لئے اسکی حفاظت حق تعالیٰ نے خود فرمائی تو دشمنوں کی ہزاروں کوششوں کے باوجود اس کے ایک نقطہ اور ایک زیر وزبر میں فرق نہ آسکا۔ (بحوالہ معارف القرآن: ص:۱۷۲،ج۔۵)

قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ان الفاظ میں فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ.

"(اے نبی) آپ قرآن مجید کو جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے"۔ (قیامہ: ۱۶،۱۷)

جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ فرشتے کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے تاکہ جلدی یاد کر لیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ بھول جانے کا خوف نہ کریں، اس قرآن مجید کو آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپکی زبان سے پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ومنزل علیك كتابا لا يغسله الماء.

"میں آپ پر ایسی کتاب نازل کر رہا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا یعنی اسے کوئی نہیں مٹا سکے گا"۔ (صحیح مسلم)

قرآن مجید کے الفاظ کی حفاظت کے لئے اسلام نے حفظ قرآن کی ترغیب دی۔ اس بارے میں دلائل بہت زیادہ ہیں ہم صرف ایک صحیح روایت پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاحسد الاعلی اثنین: رجل آتاه الله الکتاب وقام به آناء اللیل ورجل اعطاه الله مالا فهو یتصدق به آناء اللیل والنهار.

"حسد (یعنی رشک) جائز نہیں ہے مگر دو آدمیوں پر پہلا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا اور وہ دن رات اسکی تلاوت میں لگا رہتا ہے دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور وہ اسکو دن رات صدقہ کرتا رہتا ہے"۔

(بخاری: ص:۷۵۱، ج۲)

قرآن مجید کے علوم و معانی کی حفاظت کی ترغیب حضور اکرم ﷺ نے ان مبارک الفاظ میں دی ہے:

خیر کم من تعلم القرآن وعلمه.

"تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرتا ہو اور قرآن کا علم سکھاتا ہو"۔

(بخاری: ص:۷۵۲، ج۲)

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے قرآن مجید کے دور اور اسکی اجتماعی تلاوت اور اس کے اجتماعی دروس کی بھی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله یتلون کتاب الله ویتدارسونه بینهم الا نزلت علیهم السکینه وغشیتهم الرحمة وحفتهم الملائکة وذکرهم الله فیمن عنده. ومن بطابه عمله لم یسرع

"جب اہل ایمان اللہ کے کسی گھر میں قرآن کی تلاوت کرنے اور اس کے پڑھنے پڑھانے کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے اور

به نسبه.

جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے کر دیا اسکا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا"۔

(مسلم، کتاب الذکر)

حضور اکرم ﷺ نے قرآن مجید کے ماہر عالم کی تعریف فرمائی ہے، کیونکہ قرآن مجید میں مکمل مہارت تحریفی فتنوں کا علاج ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الذی یقرء القرآن وهو ماهر به، مع السفرة الکرام البررة.

جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا ماہر ہوتا ہے، وہ قیامت کے دن فرماں بردار بزرگ فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔

(ترمذی: ج۲، ص۱۱۸)

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے بغیر علم کے قرآن کی تفسیر کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔

چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار.

"جو شخص قرآن کریم کے معاملے میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"۔

(ترمذی: ص:۱۲۳، ج۲)

ایک دوسری روایت میں ہے:

من قال فی القرآن برأیه فاصاب، فقد اخطأ.

"جو شخص قرآن مجید کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ گفتگو کرے تو اگر صحیح بات بھی کہے تو اس نے غلطی کی"۔

(ترمذی: ص:۱۲۳، ج۲)

ان دونوں احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص بھی محض اپنی خواہش نفس کے تحت قرآن مجید کی تفسیر کرے گا تو اسکی تفسیر بھی غیر معتبر ہوگی اور خود اس کا ٹھکانہ بھی جہنم میں بنے گا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن مجید بالکل محفوظ ہے اور کسی شخص کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ مسلمان رہتے ہوئے قرآن مجید کے الفاظ یا معانی میں تحریف یا تبدیل

کرے۔ ہاں! اگر کوئی شخص اسلام کا تاج اپنے سر سے اتار پھینکے اور کفر و نفس پرستی کا ٹوکرا اپنے سر پر رکھ لے تو وہ قرآن میں ضرور تحریف و تبدیلی کی کوشش کرے گا لیکن اسکی یہ تحریف خود اسے ہی نقصان پہنچائے گی جبکہ اصل قرآن کا وہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ اس بارے میں چند احادیث اور ملاحظہ فرمائیں:

قال رسول اللہ ﷺ: المراء فی القرآن کفر. (ابوداود مشکوۃ کتاب العلم: ص)۔

"حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم کے بارے میں جھگڑا کرنا کفر ہے"۔

قرآن مجید کی آیات کو ایک دوسرے کے مقابلے پر لانا اور اس کی تفسیر میں اپنی رائے اور خواہش نفس سے جھگڑے ڈالنا مسلمانوں کا کام نہیں ہے۔ اس کی وضاحت ایک دوسری حدیث میں اس طرح کی گئی ہے:

سمع النبی ﷺ قوما یتدارءون فی القرآن فقال: انما هلك من كان قبلكم بهذا، ضربوا كتاب الله بعضه ببعض، وانما نزل كتاب الله يصدق بعضه بعضا، فلا تكذبوا بعضه ببعض، فما علمتم منه فقولوا، وما جهلتم فكلوه الى عالم.

(احمد، ابن ماجہ، مشکوۃ کتاب العلم)

"آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کے بارے میں سنا کہ وہ قرآن مجید میں جھگڑا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے بعض حصے کو دوسرے بعض سے ٹکرایا، حالانکہ اللہ کی کتاب تو اسلئے نازل ہوئی ہے کہ اسکا بعض حصہ دوسرے بعض کی تصدیق کرتا ہے پس تم اس کے بعض کی دوسرے بعض کے ذریعے تکذیب نہ کرو، پس قرآن میں سے جس بات کا تمہیں علم ہو اسے بیان کرو اور جسکا تمہیں علم نہ ہو وہ عالم قرآن سے پوچھو"۔

اسلام کا دوسرا ماخذ سنت رسول ﷺ ہے جو احادیث کی صورت میں امت مسلمہ کے پاس محفوظ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو قرآن مجید کی تعلیم کا فرض سونپا گیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے عمل، اپنے فرامین اور اپنے احوال کے ذریعے قرآن مجید کی تفسیر و تشریح فرمائی۔ اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ. (نحل: ۴۴)

"اور نازل کیا ہم نے آپ کے پاس ذکر (یعنی کتاب کو) تاکہ آپ کھول کھول کر بیان کردیں لوگوں کے واسطے اس چیز کو جو انکی طرف نازل کی گئی اور تاکہ وہ غور و فکر کریں"۔

حضور اکرم ﷺ کی حدیث کا حجت ہونا قرآن مجید کی بہت ساری آیات سے ثابت ہے اور یہ ایک مستقل اور مہتم بالشان موضوع ہے جس پر اکابر امت اور علمائے حق نے کافی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ تحقیق کے طلبگار حضرات ان کتابوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔

یہاں سر دست ہمارے موضوع سے متعلق اتنا عرض ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے اسلاف امت نے جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کا اہتمام کیا، اسی طرح انہوں نے اپنے عمل کے ذریعے اور لکھنے پڑھنے، یاد کرنے اور اشاعت کے ذریعے سنت رسول ﷺ کی بھی خوب حفاظت فرمائی اور جب کچھ افراد نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی احادیث میں تحریف و تبدیل اور زیادتی و نقصان کی مذموم کوشش شروع کی تو امت مسلمہ میں سے ایسے افراد اللہ تعالی نے کھڑے فرمائے جنہوں نے کھرے اور کھوٹے کو بالکل الگ الگ کر کے رکھ دیا اور انہوں نے علمی طور پر ایسا انتظام فرمایا کہ قیامت تک کے لئے سنت رسول اللہ ﷺ ہر طرح کی تحریف و تبدیل سے محفوظ ہوگئی۔

خود حضور اکرم ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں احادیث مبارکہ کو لکھنے، یاد کرنے، محفوظ رکھنے اور آگے پھیلانے کے احکامات جاری فرمائے اور آپ ﷺ نے ان لوگوں کی مذمت

کی اور انکے انجام کو بھی بیان فرمادیا جو حدیث رسول ﷺ میں کسی طرح کے جھوٹ کو داخل کرنے کی کوشش کریں گے یا حدیث شریف کو حجت ماننے سے انکار کریں گے۔ ذیل میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ ان کے الفاظ میں اچھی طرح سے غور فرمایئے:

قال رسول الله ﷺ: بلغوا عنی ولو آية. (بخاری: ص:۴۹۱، ج۱)

"حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری باتیں دوسروں تک پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو"۔

يقول (رسول الله ﷺ) نضّر الله امرأ سمع مناشيئا فبلغه كما سمعه، فرب مبلغ اوعى له من سامع. (ترمذی: ص:۹۴، ج۲)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ (خوش وخرم) رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور پھر اسے من وعن بیان کردیا اور بعض سننے والے سنانے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں"۔

قال النبی ﷺ: لا تكذبوا عليّ فانه من كذب عليّ فليلج النار. (بخاری: ص:۲۱، ج۱)

"حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھ پر جھوٹ نہ بولو بے شک جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ جہنم میں داخل ہوگا"۔

دوسری روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ومن كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. (بخاری: ص:۲۱، ج۱)

"اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"۔

عن ابی هريرةؓ ان خزاعة قتلوا رجلاً من بنی ليث عام فتح مكة بقتيل منهم قتلوه، فاخبر بذلك النبی ﷺ، فركب راحلة

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو خزاعہ نے قبیلہ بنولیث کے ایک آدمی کو فتح مکہ کے سال اپنے اس مقتول کے بدلے میں قتل کردیا جسے بنولیث نے قتل

فخطب، فقال: ان الله حبس عن مكة القتل او الفيل ...... وسلط عليهم رسول الله والمومنون. الا! وانهالم تحل لاحد قبلی ولا تحل لا حد بعدی، الا! وانها حلت لی ساعة من نهار، الا! وانها ساعتی هذه حرام لا يختلی شوكها ولا يعضد شجرها ولا تلتقط ساقطتها الا لمنشد، فمن قتل فهو بخير النظرين اما ان يعقل واما ان لقاء اهل القيل فجاء رجل من اهل اليمن فقال: اكتب لی يا رسول الله! فقال: اكتبوا لابی فلان. (بخاری: ص:۲۲، ج۱)

کیا تھا۔ آپ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ سواری پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ سے قتل یا ہاتھیوں کو روک دیا...... اور اللہ تعالیٰ نے مکہ پر اپنے رسول اور ایمان والوں کو غلبہ عطا فرمایا ہے۔ یاد رکھو! مکہ نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کیلئے حلال ہوگا۔ یاد رکھو! مکہ میرے لئے بھی صرف ایک دن کی ایک گھڑی حلال ہوا اور اب اس گھڑی اسکی حرمت برقرار ہے۔ نہ تو اسکا کانٹا کاٹا جائیگا اور نہ اسکا درخت اور نہ اسکی گری پڑی چیز کو اٹھانے کی اجازت ہے، مگر اعلان کرنے والے کے لئے۔ پس جو شخص مکہ میں قتل کیا جائے گا اس کے ورثا کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو دیت لے لیں یا قصاص۔ (اس خطبے کے دوران) اہل یمن میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ) یہ احکامات مجھے لکھ دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو فلاں (ابوشاہ) کے لئے یہ احکامات (یعنی احادیث) لکھ دو"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما من اصحاب النبی ﷺ احد اکثر حدیثا عنه منی الا ما کان من عبد الله بن عمرو فانه یکتب ولا اکتب. (بخاری: ص:۲۲،ج۱)

"حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ آپکی حدیثیں بیان کرنے والا نہیں سوائے عبداللہ بن عمروؓ کے کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا"۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال کان رجل من الانصار یجلس الی رسول الله ﷺ فیسمع من النبی ﷺ الحدیث یعجبه ولا یحفظه، فشکا ذلك الی رسول الله ﷺ فقال: یا رسول الله انی لا سمع منك الحدیث فیعجبنی ولا احفظه فقال رسول الله ﷺ استعن بیمینك واو مأ بیده الخط.

(ترمذی: ص:۹۵،ج۲)

"حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی احادیث سنا کرتے تھے جو انہیں بہت اچھی لگتی تھیں مگر وہ یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی یہ حالت حضور اکرم ﷺ کو بیان فرمائی تو آپ نے فرمایا: اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھا کرتے تھے جیساکہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزر چکا ہے۔ ان پر قریش کے بعض افراد نے اعتراض کیا کہ آپ حضور اکرم ﷺ کی ہر بات لکھتے ہیں حالانکہ آپ بشر ہیں اور آپ کو دوسرے انسانوں کی طرح غصہ بھی آسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے قریش کی یہ بات حضور اکرم ﷺ تک پہنچائی تو آپ ﷺ نے اپنے ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

والذی نفس محمد بیده ما یخرج مما بینهما الا الحق، فاکتب.

(ابوداود)

"قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے ان دونوں ہونٹوں سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا پس تم لکھا کرو"۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

لا الفین احدکم متکئا علی اریکته یاتیه امر مما امرت به او نهیت عنه، فیقول لا ادری، ما وجدنا فی کتاب الله اتبعناه.

(ترمذی: ص:۹۵،ج۲)

"میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرا کوئی حکم یا نہی پہنچے تو وہ کہے ہم نہیں جانتے، ہم تو صرف کتاب اللہ کی پیروی کرتے ہیں"۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباء کم، فایاکم وایاهم، لا یضلونکم ولا یفتنونکم.

(مسلم، مشکوٰۃ، کتاب الاعتصام)

"آخری زمانے میں ایسے جھوٹے دجال ظاہر ہونگے جو ایسی احادیث تمہارے سامنے بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہونگی اور نہ تمہارے بڑوں نے۔ پس تم ان سے بچو اور خود کو ان سے بچاؤ تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کر سکیں اور نہ ہی فتنے میں ڈال سکیں"۔

حجۃ الوداع کے مشہور و معروف اور تاریخی خطبے کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنے فرمانبردار جانثاروں کو یہ حکم صادر فرمایا:

الا لیبلغ الشاهد منکم الغائب.

(صحیح بخاری: ص:۲۱،ج۱)

"خبردار! تم میں سے حاضر غائب تک (یہ دین اور احکامات) پہنچادے"۔

وقال ابوذر رضی الله عنه لو

"حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے

وضعتم الصمصامة على هذه واشار الى قفاه ثم ظننت انى انفذ كلمة سمعتها من النبى ﷺ قبل ان تجيزوا علىّ لا نفذتها.

(صحیح بخاری: ص:۱۶،ج۱)

ہیں اگر میری گردن پر تلوار رکھ دی جائے اور مجھے اتنی مہلت ملے کہ وہ کلمہ جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے اسے مرنے سے پہلے جاری کر سکتا ہوں تو میں اسے ضرور نافذ (یعنی بیان) کروں گا"۔

حدیث رسول ﷺ کے حجت ہونے اور محفوظ ہونے کی بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ پیچھے تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے اور یہ وعدہ قرآن مجید کے الفاظ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے معانی کو بھی شامل ہے۔ اور حدیث قرآن مجید کی تفسیر و تشریح ہے پس اس کے محفوظ ہونے کا وعدہ بھی من جانب اللہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اہل علم کے قلوب کو حدیث شریف کی حفاظت کی طرف متوجہ فرما دیا اور حفاظت کا یہ سلسلہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے سے شروع ہوا اور یہ انشاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک زمین پر خیر موجود ہے۔ حضرات محدثین نے حدیث شریف کے الفاظ محفوظ فرمائے اور حضرات فقہاء کرام نے فقہ کے ذریعے سے حدیث شریف کے معانی کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حدیث شریف کی باقاعدہ تصنیف و تالیف اور تدوین کا حکم جاری فرمایا (کما فی البخاری) اور امت مسلمہ کا قابل فخر طبقہ اس مبارک کام میں مصروف رہا اور یہ کام کس قدر احتیاط و اہتمام سے ہوا اور عقلی طور پر یہ کس قدر قابل اعتبار ہے؟ اسکا اندازہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کے ان الفاظ سے لگائیے:

"(حدیث کی کتابوں کو بے بنیاد باتوں کا مجموعہ کہنے والوں) کو خالص علمی طور پر کبھی تو سوچنا چاہئے کہ ایسا ممکن کیونکر ہے؟ کیا جب احادیث کے یہ مجموعے لکھے گئے اس وقت دنیا میں ایک بھی صحیح قسم کا مسلمان نہیں تھا جو اس ساری جعل سازی اور افتراء پردازی کا مقابلہ

کرتا یا کم از کم اس پر نکیر ہی کرتا۔ مثال کے طور پر میں مؤطا کا نام لیتا ہوں، حدیث کا یہ مجموعہ بقول ابو طالب کے ۱۲۰ھ یا ۱۳۰ھ کے بعد یعنی رسول خدا ﷺ کی وفات کے ایک سو دس یا ایک سو بیس برس بعد وجود میں آیا (مقدمہ تنویر الحوالک: ص:۶) اور اس کے وجود میں آنے سے چند برس (تقریباً ۱۳ یا ۲۳ برس) پہلے تک آنحضرت ﷺ کے دیدار و گفتار سے شرف اندوز ہونے والے اصحاب رسول اس دنیا میں موجود تھے اور ان لوگوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں جنہوں نے صحابہ رسول کی صحبت کی سعادت پائی تھی اور بلاد اسلام مثلاً بلاد حجاز، شام، عراق، اور مصر وغیرہ کا ذکر اس وقت چھوڑیے، صرف مدینہ منورہ ہی کو لیجئے جہاں یہ کتاب وجود میں آئی، اسی میں اتنی کثرت سے تابعین (جنہوں نے صحابہ کی صحبت پائی تھی) موجود تھے جن کا شمار مشکل ہے .... علمی سلسلہ کے علاوہ ترتیب فرمائی کے لحاظ سے بھی تابعین کی حیثیت آنحضرت ﷺ کی نسبت سے وہی تھی جو نسبی سلسلہ میں پوتوں کی حیثیت دادا کی نسبت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر سلسلہ اخذ و تعلیم نہ ہوتا تب بھی جس طرح دادا کے حالات اور کارنامے پوتوں کو اپنے گھروں میں معلوم ہو جاتے ہیں، اسی طرح اس عہد کے لوگوں کو باقاعدہ تعلیم کے بدون ہی آنحضرت ﷺ کے بکثرت حالات اور کارناموں کا علم حاصل ہونا بدیہی بات ہے۔ اب غور کیجئے کہ ایسے عہد اور ایسی حالت میں اور ایسے لوگوں کی موجودگی میں پھر ایسی جگہ پر جہاں آنحضرت ﷺ کی زندگی کے آخری دس سال گزرے ہیں اور جہاں کا کوئی گھر اور کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ سے وابستگی اور آپکی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل نہ ہو۔ اس سرزمین میں ایک شخص (امام مالک) آپکی حدیثوں اور سنتوں کے بیان میں ایک مجموعہ تیار کر کے اسی سرزمین میں اس کو علی الاعلان سناتا ہے اور ہزاروں آدمی تمام بلاد اسلامیہ سے رخت سفر باندھ کر مدینے آتے اور اس مجموعہ کو سنکر اور بہت سے لوگ اس کی نقلیں لے کر اپنے اپنے وطن واپس جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر ان میں کا ہر آدمی اسکو سینکڑوں اور ہزاروں مسلمانوں میں پھیلاتا ہے مگر مدینہ مقدسہ

یا کسی جگہ کا ایک متنفس بھی یہ نہیں کہتا کہ یہ ساری حدیثیں یا ان میں سے بہت سی جعلی ہیں ...... کوئی صاحب عقل بتائے کہ اول تو ایسی حالت میں امام مالک کو اگر معاذ اللہ وہ مفتری ہوتے اسکی ہمت ہی کیسے ہوتی اور اگر بالفرض ہوتی بھی تو سارے اہل مدینہ اس افتراء پردازی اور دین میں جعلی چیز کے اضافہ اور اسکی اشاعت کا خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہ جاتے؟ مالکم کیف تحکمون"؟ (مقدمہ معارف الحدیث: ص:۳۵، ج ۱)

حدیث نام ہے حضور اکرم ﷺ کے فرامین، آپکے افعال اور آپکے احوال کا اور آپ نے انہیں تین ذریعوں (یعنی قول، فعل اور تقریر) سے قرآن مجید کی تفسیر فرمائی اور آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کے گواہ حضرات صحابہ کرام تھے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے حضور اکرم ﷺ کے افعال واحوال کو دیکھا اور اپنے کانوں سے آپ ﷺ کے اقوال کو سنا، گویا کہ حضور اکرم ﷺ قرآن مجید کی تفسیر تھے اور صحابہ کرام اس تفسیر کے گواہ تھے۔ انہوں نے الفاظ رسول ﷺ کو بھی سنا اور یہ بھی دیکھا کہ ان الفاظ پر عمل کس طرح سے کیا جاتا ہے۔ ان کے سامنے صرف الفاظ ہی نہیں تھے بلکہ وہ احوال بھی تھے جن میں یہ الفاظ فرمائے گئے تھے اور یہ بات واضح ہے کہ احوال کے تحت ہی الفاظ کا مفہوم متعین ہوتا ہے مثلاً ایک جملہ ہے "پانی لاؤ"، لیکن احوال کے اعتبار سے اسکا مصداق بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً دستر خوان پر کھانا کھانے والا شخص یہی الفاظ کہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ گلاس یا جگ میں پانی لایا جائے، لیکن اگر کوئی غسل خانے میں سے پکار کر کہے کہ پانی لاؤ تو اسے گلاس میں نہیں بلکہ بالٹی میں پانی درکار ہوتا ہے۔ قصائی کی دکان پر کھڑے ہو کر "گوشت دو" کہنے والے کے جملے کا وہ مطلب نہیں ہوگا جو کسی ہوٹل میں بیٹھ کر یہی جملہ کہنے والے کا ہوتا ہے۔ یقیناً ایک جگہ کچا گوشت اور دوسری جگہ سالن مراد ہوتا ہے۔ چونکہ دین اسلام ایک متواتر اور مسلسل دین ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ساتھ بطور معلم اور عملی تفسیر حضور اکرم ﷺ کو بھیجا اور حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کے سامنے پورے دین کا مکمل نقشہ پیش فرمایا

اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ تم میری اتباع کرو اور بعد والے لوگ تمہاری اتباع کریں گے۔ فرمان نبوی ﷺ ملاحظہ فرمایئے:

ائتموا بی ولیأتم بکم من بعدکم.

"تم لوگ میری اتباع کرو تمہارے بعد والے تمہاری اتباع کریں گے"۔ (بخاری: ص:۹۹، ج ۱)

یعنی بعد کے لوگ تمہارے افعال واقوال کے ذریعے سے میری سنت کو سمجھیں گے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام کو وقتاً فوقتاً یہ بات یاد دلاتے رہتے تھے کہ وہ آئندہ امت کے مقتدا اور پیشوا ہیں اس لئے انہیں چاہئے کہ وہ اچھی طرح سے دین کے تمام احکامات کو سیکھ لیں۔ چنانچہ حج کے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

خذوا عنی مناسککم، لعلی لا اراکم بعد عامی هذا.

"مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھ سکوں"۔ (یعنی ممکن ہے میرا انتقال ہو جائے)۔

اسی طرح آپ نے صحابہ کرام کو اس طرف توجہ دلائی کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی نماز کو اچھی طرح دیکھ لیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

صلوا کما رأیتمونی اصلی.

"تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو"۔ (بخاری)

اور آپ ﷺ نے اس کی پیشین گوئی بھی فرمائی کہ لوگ تمہارے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے) پاس علم حاصل کرنے آئیں گے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا:

ان الناس لکم تبع، وانّ رجالا یاتونکم من اقطار الارض یتفقهون فی الدین، واذا اتوکم

"بے شک لوگ تمہارے تابع ہیں اور لوگ تمہارے پاس زمین کے مختلف حصوں سے دین کا علم حاصل کرنے آئیں گے اور جب وہ

فاستو صوابهم خيرا.

"تمہارے پاس آئیں تو تم انکے ساتھ اچھا معاملہ کرنا"۔ (جامع ترمذی: ص:۹۳،ج۲)

حضرات صحابہ کرام نے حضور اکرم ﷺ کے احکامات پر پورا عمل کیا اور انہوں نے پورے دین کو اس طرح محفوظ کرلیا کہ وہ خود معیار حق بن گئے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ان کے اتباع کا حکم دیا۔ آئیے چند احادیث پڑھتے ہیں:

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فمن ادرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ. (ترمذی: ص:۹۶،ج۲)

"پس تم میں سے جو شخص اختلافات کے زمانے کو پائے تو اس پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں مضبوط پکڑے اور میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو داڑھوں سے مضبوط پکڑو"۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خير امتي قرني، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم.

"میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں پھر ان کے بعد والے اور پھر ان کے بعد والے"۔ (بخاری: ص:۵۱۵،ج۱)

حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک خاتون مسائل پوچھنے کے لئے حاضر ہوتی تھیں۔ ایک بار اس نے عرض کیا اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں یعنی آپکا وصال ہو چکا ہو؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان لم تجديني فاتي ابابكر.

"اگر مجھے نہ پاؤ تو ابو بکرؓ کے پاس چلی جانا"۔

(بخاری: ص:۵۱۶،ج۱)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اقتدوا بالذين من بعدي: ابي بكر وعمر. (ترمذی: ص:۲۰۷،ج۲)

"تم میرے بعد ابو بکرؓ وعمرؓ کی اقتدا کرنا"۔

دوسری روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

اني لا ادري ما بقائي فيكم، فاقتدوا بالذين من بعدي واشار الى ابي بكر وعمر. (ترمذی: ص:۲۰۷،ج۲)

"میں نہیں جانتا کہ میں کتنے دن تمہارے درمیان رہوں گا؟ پس تم میرے بعد والوں کی پیروی کرنا اور آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا"۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رضيت لكم ما رضي لكم ابن ام عبد. (المستدرک)

"میں تمہارے لئے اس چیز پر راضی اور خوش ہوں جس چیز کو تمہارے لئے عبد اللہ بن مسعود پسند کریں"۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اصحابي كالنجوم فبايهم اقتديتم اهتديتم. (مشکوۃ باب مناقب الصحابہ)

"میرے صحابہ تاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کروگے تو ہدایت ہی پاؤ گے"۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

او صيكم باصحابي، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يفشو الكذب، حتى يحلف الرجل ولا يستحلف، ويشهد الشاهد ولا يستشهد. (ترمذی: ص:۳۹،ج۲)

"میں تمہیں اپنے صحابہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (کہ ان کے نقش قدم پر چلنا) پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد ہیں، پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد ہیں، پھر جھوٹ عام ہو جائے گا یہاں تک کہ آدمی

بلا قسم دیئے قسم اٹھائیں گے اور بلا گواہی طلب کیے گواہی دیں گے"۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة، وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة، کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا: من هی یا رسول الله؟ قال: ما انا علیه واصحابی. (ترمذی: ص:۹۳،ج۲)

"بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت میں تہتر فرقے ہونگے سب کے سب دوزخ میں جائیں گے مگر صرف ایک فرقہ۔لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ وہ کونسا فرقہ ہے؟ فرمایا وہ فرقہ وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر ہوگا"۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں حضرات صحابہ کرام کی اتباع کے بارے میں حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ذکر کیا جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من کان مستنا فلیستن بمن قدمات، فان الحیّ لا تومن علیه الفتنة، اولئك اصحاب محمد ﷺ کانوا افضل هذه الامة، ابرها قلوبًا، واعمقها علما، واقلها تکلفا، اختارهم الله لصحبة نبیه ولاقامة دینه، فاعرفوا لهم فضلهم، واتبعوهم علی اثرهم، وتمسّکوا بما استطعتم من اخلاقهم

"جو شخص کسی کے طریقہ پر عمل کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کے طریقے کو اپنائے جو انتقال کر چکے ہیں کیونکہ زندہ لوگ فتنوں سے محفوظ قرار نہیں دیئے جاسکتے اور حضور اکرم ﷺ کے صحابہ اس امت کے سب سے افضل، نیک دل، گہرے علم والے اور کم تکلف کرنے والے افراد تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے منتخب فرمایا۔ پس تم انکی

وسیرهم، فانهم کانوا علی الهدیٰ المستقیم. (مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

فضیلت کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور جس قدر ہو سکے ان کے اخلاق اور سیرت کو اپناؤ، بے شک وہ لوگ صراط مستقیم پر تھے"۔

دین اسلام کی تیسری دلیل اجماع امت ہے اور اجماع کے حجت ہونے کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا. (النساء: ۱۱۵)

"اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے"۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اجماع امت کو ماننا فرض ہے اور اجماع امت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے۔صاحب مدارک لکھتے ہیں:

وهو دلیل علی ان الاجماع حجة لا تجوز مخالفتها کما لا یجوز مخالفة الکتاب والسنة. (مدارک بحوالہ حاشیہ جلالین: ص:۸۷)

"یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے اور اسکی مخالفت جائز نہیں ہے جس طرح کہ کتاب وسنت کی مخالفت جائز نہیں ہے"۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ان الله لا یجمع امتی او قال امة محمد علی الضلالة، وید الله علی الجماعة، ومن شذ شذ الی

"اللہ تعالیٰ میری امت کو (یا فرمایا) امت محمد (ﷺ) کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے اور جو جماعت

النار. (ترمذی: ص:۳۹،ج۲)

سے جدا ہو گیا وہ تنہا ہی آگ میں ڈالا جائے گا"۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

او صیکم باصحابی، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم ثم یفشو الکذب، حتی یحلف الرجل ولا یستحلف، ویشهد الشاهد ولا یستشهد، الا! لا یخلون رجل بامراة الا کان ثالثها الشیطان، علیکم بالجماعة، وایاکم والفرقة فان الشیطن مع الواحد، وهو من الاثنین ابعد. من اراد بحبوحة الجنة فلیلزم الجماعة. من سرته حسنة وساء ته سیئة فذلکم المومن.

(ترمذی: ص:۳۹،ج۲)

"میں تمہیں اپنے صحابہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (کہ ان کے نقش قدم پر چلنا) پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد ہیں اور پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد ہیں پھر جھوٹ عام ہو جائے گا یہاں تک کہ آدمی بلا قسم دیئے قسم اٹھائیں گے اور بلا گواہی طلب کئے گواہی دیں گے خبردار جب کوئی مرد اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ملتا ہے تو وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے تم لوگ جماعت کو لازم پکڑو اور تفرقے سے بچو۔ تنہا آدمی پر شیطان حملہ آور ہوتا ہے اور وہ دو آدمیوں سے بہت دور ہوتا ہے۔ جو شخص جنت کے وسط میں رہنا چاہتا ہو وہ جماعت کو لازم پکڑے۔ جس آدمی کا دل نیکی سے خوش ہوتا ہے اور اپنی برائی سے پریشان ہوتا ہے وہی شخص مومن ہے"۔

اسلام کی چوتھی دلیل قیاس شرعی ہے یعنی وہ مسائل جن کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی صراحت موجود نہ ہو اور نہ ہی وہ حدیث شریف میں منصوص ہوں اور نہ ہی ان پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا ہو تو ایسے مسائل کے بارے میں شریعت نے مجتہدین کرام کو یہ اختیار

دیا ہے کہ وہ قیاس کریں یعنی ان مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل نکالیں۔ اجتہاد کا یہ اختیار صرف انہیں لوگوں کو حاصل ہے جن میں اجتہاد کی مکمل اہلیت موجود ہو اور وہ قرآن وسنت کے ماہر ہوں۔ قیاس کے ثبوت اور اسکی حجیت کیلئے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح کافی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو ارشاد فرمایا:

کیف تقضی ان عرض لك قضاء؟ قال اقضی بکتاب الله. قال: فان لم تجد فی کتاب الله؟ قال بسنة رسول الله ﷺ. قال: فان لم تجد فی سنة رسول الله ﷺ ولا فی کتاب الله. قال: اجتهد برأیی ولا آلو. فضرب رسول الله ﷺ صدره فقال: الحمدلله الذی وفق رسول رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم لما یرضی رسول الله.

(ابوداؤد، مسند طیالسی، ترمذی)

"جب آپ کے سامنے کوئی مسئلہ آئے گا تو آپ اس کا کیسے فیصلہ کریں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اللہ کی کتاب میں آپ کو نہ ملے تو پھر کیا کریں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول اللہ ﷺ اور کتاب اللہ میں بھی نہ ملے تو پھر کیا کریں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ نے (خوشی سے) اپنا ہاتھ حضرت معاذ کے سینے پر مارا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے"۔

علامہ ابن قیم جوزیؒ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں اس حدیث کو حدیث مشہور قرار دیا ہے۔ اس حدیث شریف سے مجتہد کے لئے قیاس شرعی کی اجازت بھی معلوم ہوئی اور عامۃ الناس کے لئے مجتہد کی تقلید کا ثبوت بھی مل گیا کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قیاس پر اہل یمن نے عمل کرنا تھا اور آپ ﷺ نے اپنی خوشی کا اظہار فرما کر ان دونوں امور کی ضرورت اور افادیت کو واضح فرما دیا ہے۔ قیاس شرعی کا حجت ہونا امت مسلمہ کے نزدیک بالعموم مقبول رہا ہے اور ماسوا چند لوگوں کے کسی نے اسکا انکار نہیں کیا۔ علامہ سبکیؒ قیاس کے منکروں کے بارے میں جمہور کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

نفاة القياس لا يبلغون رتبة الاجتهاد ولا يجوز تقليدهم القضا. (طبقات الشافعية الكبرى۔ ص: ۴۵، ج ۲ بحوالہ الکلام المفید: ص: ۱۱۲)

قیاس کی نفی کرنے والے اجتہاد کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اور قضا کا عہدہ بھی ان کے سپرد کرنا جائز نہیں ہے۔

مشہور غیر مقلد مصنف نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

وذهب الجمهور من الصحابة والتابعين والفقهاء والمتكلمين الى ان القياس الشرعي اصل من اصول الشريعة، يستدل به على الاحكام التي يرد بها السمع وليس فيها نص ولا اجماع. قال ابن عبدالبر: لا خلاف بين فقهاء الامصار وسائر اهل السنة في نفي القياس في التوحيد واثباته في

"جمہور حضرات صحابہ کرام، تابعین، فقہاء اور متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ شرعی قیاس اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے۔ احکام سمعی میں (جو محض عقلی نہیں) جبکہ ان کے اثبات کے لئے نص اور اجماع نہ ہو قیاس شرعی سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ (اسلامی) شہروں کے حضرات فقہاء کرام اور تمام اہلسنت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید

الاحكام الاداؤد، فانه نفاه فيها جميعا. (الجنۃ ص: ۱۲ بحوالہ الکلام المفید: ص: ۱۱۳)

(وعقائد) میں قیاس کا کوئی دخل نہیں۔ ہاں احکام کا اثبات قیاس سے ہو سکتا ہے۔ البتہ داؤد ظاہری دونوں میں قیاس کی ایک ساتھ نفی کرتے ہیں"۔

قیاس کے حجت ہونے کے بارے میں دو باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے: ایک یہ کہ قیاس صرف ان مسائل میں ہوگا جن میں قرآن وسنت یا اجماع سے واضح دلیل موجود نہ ہو اور دوسری یہ کہ قیاس سے احکامات کو ثابت نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے حکم کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس لئے اصول فقہ کی تمام کتابوں میں مذکور ہے کہ "القياس مظهر لا مثبت" یعنی قیاس کے ذریعے سے کسی بھی حکم کی شرعی حیثیت کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا جاتا ہے کسی حکم کو بنایا نہیں جاتا۔ کیونکہ احکامات بیان کرنے اور تشریع کا حق قرآن وسنت کو حاصل ہے، قیاس تو مخفی احکامات کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر چونکہ مجتہد دین کی حفاظت کا ایک اہم کارنامہ سرانجام دیتا ہے اور نئے پیش آنے والے مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں ڈھونڈتا ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اس کے لئے ہر حال میں اجر کی بشارت سنائی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اذا حكم الحاكم فاجتهد واصاب فله اجران، واذا حكم فاجتهد واخطأ فله اجر واحد. (بخاری: ص: ۱۰۹۲، ج ۲)

"جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرے اور اجتہاد کرتے ہوئے درست فیصلہ کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے"۔

یہاں تک ہمیں ترتیب کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ دین اسلام کا اصل ماخذ اور بنیاد قرآن مجید ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کی تفسیر وتشریح ہونے کی وجہ سے قرآن کے بعد اسلام کا دوسرا ماخذ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو شرافت اور کرامت عطا

فرمائی ہے۔ اس لئے اسکا اجماع بھی حجت ہے اور اس اجماع میں پہلا درجہ حضرات خلفاء راشدین کے اجماع کو حاصل ہے۔ پھر تمام صحابہ کرام کے اجماع کا درجہ ہے اور پھر ان کے بعد والوں کا۔ پھر چونکہ یہ دین قیامت تک کے لئے آیا ہے اور انسانوں کے مسائل بے شمار ہیں اور قرآن وحدیث میں وہ تمام اصول بیان فرمادیئے گئے ہیں جنکی انسانوں کو ضرورت ہے لیکن نئے پیش آنے والے مسائل اور نئی نئی جزئیات کا حکم قرآن وحدیث کے ان اصولوں سے معلوم کرنا بغیر قیاس کے ممکن نہیں تھا اس لئے قیاس شرعی کی بھی اجازت دی گئی اور یہ اسلام میں سب سے آخری درجے کی حجت ہے۔

بس اس طرح سے اسلام میں تحریف وتبدیل کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کردیا گیا کیونکہ سب سے پہلے ہمیں قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا ہے اور قرآن مجید محفوظ ہے۔ اور اگر کوئی مسئلہ قرآن مجید میں نہ ملے تو سنت رسول ﷺ کی طرف صحابہ کرام کی تفسیر اور تعامل کے ذریعے رجوع کرنا ہے۔ اور اگر سنت میں بھی وہ مسئلہ نہیں ملے گا تو اجماع کی طرف اور بالکل آخر میں قیاس شرعی کی طرف رجوع کریں گے۔ قرآن وحدیث وحی الٰہی ہیں۔ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے۔ امت کا اجماع بحکم قرآن معتبر ہے اور یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔ اور قیاس بھی نفسانی رائے کا نام نہیں بلکہ عقل سلیم کے ذریعے مسائل کو قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کرنے اور جزئیات کو قرآن وحدیث کے اصولوں کے ساتھ جوڑنے کا نام ہے۔

پھر اسلام نے ایک اور حفاظتی انتظام فرمادیا ہے اور وہ یہ کہ دنیا کے انسانوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ حضرات جنہیں اجتہاد کا مقام حاصل ہے اور دوسرے وہ جو اس مقام تک نہیں پہنچتے۔ پھر اسلام نے مجتہدین کو تحقیق کا اور غیر مجتہدین کو تقلید کا حکم جاری فرمایا یعنی دین کے بارے میں تحقیق کا کام صرف دین کے ماہرین کریں گے اور باقی لوگ ان سے پوچھ پوچھ کر چلیں گے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہایت وضاحت

کے ساتھ گزر چکا ہے۔ نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین. (بخاری: ص:۱۶، ج۱)

"جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسکو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں"۔

دوسری جگہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

انما شفاء العی السؤال. (مشکوٰۃ، باب التیمم)

"یقیناً ناواقف کا علاج اور شفاء اسی میں ہے کہ وہ واقف کار سے پوچھ لے"۔

ان دونوں احادیث کو سامنے رکھئے اور پھر قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں غور فرمایئے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (التوبہ: ۱۲۲)

"اور (ہمیشہ کیلئے) مسلمانوں کو یہ (بھی) نہیں چاہئے کہ سب کے سب (ہی) نکل کھڑے ہوں۔ سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی (اس) قوم کو جبکہ وہ ان کے پاس واپس آئیں ڈرائیں تاکہ وہ (ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے) احتیاط رکھیں"۔

تھوڑا سا غور فرمایئے کہ تحقیق کا کام ماہر مجتہدین کریں اور غیر مجتہدین انکی تقلید کریں اور تحقیق کا میدان متعین ہو کر دلیل صرف قرآن مجید، حدیث شریف، اجماع اور قیاس شرعی سے بالترتیب لی جائیگی تو اب تحریف وتبدیل کے لئے کہاں گنجائش رہتی ہے؟ بے شک اسلام میں رہتے ہوئے کوئی شخص بھی اسلام میں تحریف وتبدیلی کی ہمت اور

گنجائش نہیں پاتا۔ چنانچہ جن لوگوں کو شوق تحریف ستاتا ہے وہ اسلام کے مذکورہ بالا نظام پر وار کرتے ہیں۔ کوئی قرآن کا انکار کرتا ہے اور کوئی حدیث کا، کوئی اجماع کا منکر ہوتا ہے اور کوئی قیاس شرعی کا۔ کیونکہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ ان چاروں میں سے کسی ایک کے یا زیادہ کے انکار کے بغیر وہ دین میں تحریف اور کمی زیادتی نہیں کرسکتے۔ اسی طرح جاہلوں کو تحقیق کا حق دے دینا اور انہیں تقلید سے آزاد کردینا بھی تحریف کا راستہ ہے، خواہ وہ جاہل حکمران ہوں یا عوام۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

ان الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى اذا لم يبق عالم اتخذ الناس رؤوسا جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلّوا واضلّوا. (بخاری: ص:۲۰، ج۱، ترمذی: ص:۹۳، ج۲)

"اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح سے نہیں اٹھائے گا کہ اسے لوگوں (کے دلوں) سے کھینچ لے بلکہ علماء کے اٹھالینے کی صورت میں علم کو اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے جن سے دین کے مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"۔

یعنی جب تک لوگ علماء کرام کی تقلید کرتے رہیں گے اور ان سے پوچھ کر چلتے رہیں گے اس وقت تک ہدایت پر رہیں گے لیکن جب علم اور علماء اٹھالئے جائیں گے یا لوگ علماء کو چھوڑ کر جاہلوں کی پیروی کرنے لگیں تو گمراہی کے دروازے کھل جائیں گے۔ اسی طرح جب جاہل لوگ دینی مسائل بتائیں گے اور بغیر علم کے فتوے جاری کریں گے تو اس سے گمراہی پھیلے گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں اشارۃً اس بات کی ترغیب دی گئی کہ لوگ علماء ہی کو اپنا حاکم اور سردار بنائیں اور دین کے معاملات میں انہیں کی طرف رجوع کریں اور ان پڑھ اور دین سے ناواقف لوگوں کو چاہئے کہ وہ یا تو دین کا علم حاصل کریں یا علماء کی پیروی کریں۔

خلاصہ اس پوری بحث کا یہ ہوا کہ اس امت میں یعنی مسلمانوں میں سے وہی شخص دین میں تحریف کا ارتکاب کرسکتا ہے جو یا تو قرآن کا انکار کرے یا حدیث کا، اجماع کا انکار کرے یا قیاس شرعی کا، یا تحقیق کا حق مجتہدین کے علاوہ جاہلوں کو بھی دے، یا ان پڑھ لوگوں کو غیر منصوص مسائل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید سے روکے۔ ہمارے سامنے اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ موجود ہے، اسے غور سے پڑھئے تو آپ کو اس بات کی صداقت کا یقین ہوجائے گا اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ یہ تمام باتیں امت مسلمہ میں اجماعی طور پر مسلّم رہی ہیں۔ اور جب بھی مسلمانوں میں سے بعض افراد نے ان مذکورہ بالا حقائق میں سے کسی حقیقت کا انکار کیا ہے تو تحریف کا راستہ کھل گیا اور تحریف کرنے والے یہ افراد اسلام کے سیدھے راستے سے ہٹ کر گمراہی کے گڑھوں میں جاگرے۔ مسلمانوں نے قرآن حدیث، اجماع اور قیاس کی حفاظت علم فقہ کے ذریعے سے کی جو ان چاروں دلائل کا جامع علم ہے اور فقہاء کرام میں سے جو حضرات مجتہد تھے، امت کے لوگوں نے انکی تقلید کی یعنی ان کی رہنمائی میں قرآن وسنت پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان فقہاء مجتہدین میں سے چار حضرات کو امت مسلمہ میں قبولیت عامہ حاصل ہوئی اور امت مسلمہ نے ان کی دینی سمجھ اور فقہ کو معتبر جانا۔ ان چار حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ۔

یہ چاروں حضرات اہلسنت والجماعت کے امام ہیں اور دنیا کے تمام مسلمان ان میں سے کسی ایک کی رہنمائی میں دین پر عمل کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

في الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها مفسدة كبيرة. (عقد الجید: ص:۳۶)

"ان چاروں مذاہب کو لینے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بڑا فساد اور خرابی ہے"۔

اس میں شک نہیں کہ امت مسلمہ میں ان چاروں حضرات کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے مجتہدین کرام گزرے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں چاروں حضرات کی فقہ کو عمومی قبولیت عطا فرمائی۔ جس طرح حدیث شریف کی کتابیں تو بہت لکھی گئیں مگر ان میں سے بعض کو من جانب اللہ خصوصی طور پر قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

ولما اندر ست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم، والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم.

"جب ان چاروں مذاہب کے علاوہ دیگر مذاہب حقہ مٹ گئے تو ان چاروں کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہو گی اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہو گا"۔

(عقد الجید: ص:۳۸)

حضور اکرم ﷺ نے سواد اعظم (یعنی امت کے اہل علم کی اکثریت) کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مذکورہ بالا عبارت میں اسی سواد اعظم کا تذکرہ ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا لازمی ہے کہ ان چاروں مجتہدین حضرات کا اسلام کے اصولوں اور عقائد میں مکمل اتفاق ہے اور عقیدے کے اعتبار سے یہ چاروں حضرات اہلسنّت والجماعت ہی کہلاتے ہیں۔ البتہ وہ فروعی مسائل جن میں حضرات صحابہ کرام کا اختلاف ہوا ان میں ان چاروں حضرات کا بھی اختلاف ہوا۔ کسی نے کسی صحابی کے قول کو لے لیا اور کسی نے کسی صحابی کے قول کو۔ اور اس طرح یہ اختلاف دین اسلام کو مضبوط و محفوظ بناتا ہے اور نفس پرستی اور تحریف کے دروازوں کو بند کرتا ہے اور امت کا چودہ سو سالہ تجربہ اس بات کا گواہ ہے۔

یہاں تک یہ بات تو اچھی طرح ثابت ہو چکی کہ اسلام میں رہتے ہوئے تحریف ممکن نہیں ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق کہ اس امت کے بدقسمت افراد یہود و نصاریٰ کے قدم بقدم چلیں گے اور چونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین میں

تحریف کی تو اس امت کے بدقسمت افراد بھی دین میں تحریف و تبدیل کی کوشش کریں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تحریف کے پردے چاک کرنے اور ان کے مکر و فریب کو آشکارا کرنے اور ان کے شر سے امت کو بچانے کا انتظام فرمادیا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين، وانما انا قاسم والله يعطي، ولن تزال هذه الامة قائمة على امر الله لا يضرهم من خالفهم حتى ياتي امر الله.

"جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔ اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور اس کو کوئی مخالف نقصان نہیں پہنچا سکے گا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کا حکم (یعنی قیامت) نہ آجائے"۔

(بخاری: ص:۱۶، ج:۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ہر زمانے میں امت کا ایک طبقہ حق پر قائم رہے گا اور اپنی دینی سمجھ بوجھ یعنی تفقہ اور علم کی بدولت حق کی حفاظت کرتا رہے گا۔ دوسری جگہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين ولا تزال عصابة من المسلمين يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم الى يوم القيمة.

"جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسکو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اور مسلمانوں میں ایک جماعت تا قیامت ایسی رہے گی جو حق کی خاطر قتال کرے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی"۔

(مسلم)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اہل حق کی ایک جماعت ہر زمانے میں اپنے علم اور اپنی تلوار کے ذریعے حق کی حفاظت کرتی رہے گی۔ ان دونوں احادیث سے اہل حق جماعت کی دو علامتیں بھی معلوم ہو گئیں: ایک فقاہت فی الدین اور دوسرا قتال علی الحق۔

اس جماعت کی فقاہت فی الدین یعنی دینی سمجھ اور دینی علوم میں پختگی کا یہ عالم ہوگا کہ وہ دین میں تحریف کرنے والوں کے مکر و فریب کا خاتمہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوگی۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، ينفون عنه تحريف الغالين، وانتحال المبطلين، وتاويل الجاهلين. رواه البيهقي. (مشکوۃ، کتاب العلم)

"ہمیشہ اس علم کو سلف کے بعد ان کے اہل اور نیک خلف سنبھالیں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریفات اور باطل پرستوں کے جھوٹ اور جاہلوں کی تاویلات کو مٹاتے رہیں گے"۔

عقیدت یا نفرت میں غلو، باطل پرستی اور جہالت یہی تین امور تحریف کے سرچشمے ہیں۔ اہل حق اپنے مضبوط علم کی بنیاد پر ان تمام تحریفات کا مقابلہ کریں گے اور انہیں مٹا کر دم لیں گے اور کسی بھی تحریف کو دین کا حصہ نہیں بننے دیں گے۔ یہی وہ تجدید کا عمل ہے جو تاقیامت جاری رہے گا اور اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایسے مجددین بھیجتے رہیں گے جو اسلام کو ہر طرح کی کمی اور زیادتی اور ہر طرح کے افراط و تفریط اور ہر طرح کی تحریفات سے پاک رکھیں گے اور اس کی روح اور اس کے ظاہر کی حفاظت کریں گے اور اسلام کے حلیے اور نقشے میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ان الله عزوجل يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها.

"بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے آغاز میں ایسے فرد کو پیدا فرمائے گا جو امت کے لئے دین کی تجدید کرے گا" (یعنی اسے نکھارے گا)۔

(ابوداؤد مشکوۃ کتاب العلم)

چونکہ ہر سو سال بعد نئی نسل، نئے افکار، نئے نظریات اور نئی ضروریات پیدا ہوتی ہیں اور اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں تقاضے اور حالات دین پر غالب نہ آجائیں اور دین میں کوئی تبدیلی نہ کر دی جائے، اس لئے مجددین کی جماعت بھیجی جاتی ہے جنکا کام من جانب

اللہ تقسیم ہوتا ہے اور وہ دین کے مختلف شعبوں پر محنت کرتے ہیں اور اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ حالات اور تقاضوں کو دین کا تابع بنایا جائے نہ کہ دین کو حالات اور تقاضوں کا۔ تجدید کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو اس نے اپنے سب سے محبوب اور سب سے آخری اور حتمی دین کی حفاظت کے لئے جاری فرمایا ہے۔ چنانچہ اس امت میں سے جو افراد تحریف کے لئے کھڑے ہوتے ہیں ان کے لئے یہ کام اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا یہود و نصاریٰ کے لئے تھا، کیونکہ اسلام کی حفاظت کا بہت ہی عالیشان اور مضبوط نظام موجود ہے۔ چنانچہ اس میں تحریف کی کوشش کرنے والے ہمیشہ منہ کی کھاتے ہیں اور ہمیشہ ذلیل ہوتے ہیں۔ اہل علم کا مضبوط طبقہ مسلح اور چاک و چوبند پہرے داروں کی طرح ہر زمانے میں دین کے ایک ایک حکم اور ایک ایک حرف کی حفاظت کے لئے مستعد رہتا ہے۔ نقب زنوں اور چوروں نے طرح طرح کے طریقے آزمائے، بڑے خوبصورت اور دل لبھانے والے نعرے لگائے، اپنے سینوں پر خوبصورت نام آویزاں کئے اور دس دس پردوں کے پیچھے سے وار کرنے کی کوشش کی مگر ان کی ہر کوشش ناکام ہوئی اور ان کی ہر چوری پکڑی گئی اور انہیں اپنے جیسے چند بدقسمت افراد کو گمراہ کرنے کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ لگا اور ان کا بنیادی مقصد کہ دین اسلام کو بدل دیا جائے بالکل کامیاب نہ ہوا۔ دشمنان اسلام کا منشور ہے کہ مسلمانوں کو بدل دو، اس طرح کہ وہ مسلمان نہ رہیں اور اسلام کو بدل دو تاکہ بنیاد ہی ختم ہو جائے، لیکن الحمدللہ اسلام کو بدلنے کی ہر کوشش بری طرح ناکام ہوئی اور قیامت تک ناکام ہوتی رہے گی۔

اسلام میں تحریف کی کوشش کرنے والے عمومی طور پر دو طرح کے افراد ہیں:

ایک تو وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں اسلام کے دشمن ہیں مگر انہوں نے اپنی تحریفات کو مسلمانوں میں پھیلانے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ ان لوگوں کے نام مسلمانوں جیسے مگر دل کافروں کے ہیں۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی کافر قوموں کی مغلوبیت

اور بربادی کا انتقام لینے کے لئے مسلمانوں میں گھستے ہیں اور اسلام میں تحریف کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ان اداروں کے باقاعدہ کارکن یا تنخواہ یافتہ ملازم ہیں جو ادارے اسلام اور مسلمانوں کی بربادی کو اپنا مقصد بنا چکے ہیں۔ ان لوگوں کا چونکہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی یہ لوگ قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اس لئے انہیں نصیحت کرنا بیکار ہے۔ ان سے تو صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ تمہاری ان پھونکوں سے نور اسلام بجھنے والا نہیں ہے، تم صرف اور صرف اپنا نقصان کر رہے ہو اور اللہ کے سچے دین کو مٹانے کی لاحاصل کوششیں کر کے خود کو جہنم کا ایندھن بنا رہے ہو۔ آج اگرچہ مسلمان اپنی مرکزیت اور حکومت کھو چکے ہیں جسکی وجہ سے تمہیں اپنے نامبارک مشن کے لئے کھلا میدان ملا ہوا ہے، لیکن وہ وقت دور نہیں جب مسلمانوں کی عظمت رفتہ انہیں دوبارہ ملے گی تب تم لوگوں کو زمین کا کوئی حصہ پناہ نہ دے گا اور نہ ہی آسمان تمہاری بربادی پر روئے گا۔

اسلام میں تحریف وتلبیس کی کوشش کرنے والے دوسرے افراد وہ ہیں جو نیت کے اعتبار سے اسلام دشمن نہیں ہیں لیکن وہ مال کی محبت، مادہ پرستی، علمی جہالت، کافروں کے رعب، یا ضد کی وجہ سے یہ بری حرکت کرتے ہیں۔ اس طرح کے افراد کو چاہئے کہ وہ ان آیات کو بغور پڑھیں جو یہودیوں کی تحریف فی الدین اور دین فروشی کی مذمت کے بیان میں ذکر کی گئی ہیں۔ مزید اس طرح کے لوگوں کی نصیحت کے لئے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

من تعلم علما لغير الله او اراد به غير الله فليتبوأ مقعده من النار.

"جو شخص دین کا علم غیر اللہ کے لئے سیکھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"۔

(ترمذی: ص:۹۴،ج۲)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من تعلم علما مما يبتغى به وجه

"جو علم اللہ کی رضا کے لئے سیکھا جاتا ہے اگر

الله لا يتعلمه الا ليصيب به عرضا من الدنيا، لم يجد عرف الجنة يوم القيمة يعني ريحها. (ابوداود)

کوئی شخص دنیا کا مال کمانے کے لئے اسے سیکھتا ہے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا"۔

اس حدیث پر وہ لوگ غور کریں جو عام طور پر کتابوں کا مطالعہ وغیرہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ لوگوں سے بحث کریں اور دنیا میں عزت کمائیں۔

حدیث شریف کا واضح مقصد یہ ہے کہ قرآن وسنت کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حاصل کرنا چاہئے اور اس کا کوئی بھی دنیاوی مقصد نہیں ہونا چاہئے کیونکہ دنیاوی مقاصد کے لئے حاصل کیا جانے والا علم انسان کو گمراہی اور تحریف وتلبیس کی طرف لے جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

من طلب العلم ليجاري به العلماء او ليماري به السفهاء ويصرف به وجوه الناس اليه، ادخله الله النار.

(ترمذی: ص:۹۴،ج۲)

"جو شخص اس لئے علم حاصل کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے علماء پر فخر کر سکے یا نادان لوگوں سے جھگڑا (اور بحث) کرے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں ڈال دیگا"۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ما ضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدل.

(ترمذی)

"جو قوم ہدایت سے ہٹ کر گمراہی کی طرف آتی ہے اسے جھگڑا (اور نزاع وجدال) دے دیا جاتا ہے"۔

جب علم حاصل کرنے اور مطالعہ کرنے کا مقصد ہی علماء کے مقابلے میں فخر کرنا، عام لوگوں سے بحث اور جھگڑا کرنا اور لوگوں میں نام پیدا کرنا ہو تو پھر اس علم سے ہدایت کی

بجائے گمراہی ملتی ہے اور گمراہی کی سب سے بڑی نشانی نزاع وجدال کا پیدا ہونا ہے۔ اور یہ تبھی پیدا ہوتا ہے جب تحریف وتلبیس کے ہتھکنڈے آزمائے جاتے ہیں اور دین میں افراط وتفریط سے کام لیا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ان لکل امة فتنةً وفتنة امتی المال. (ترمذی)

"ہر امت کے لئے کوئی فتنہ رہا ہے اور میری امت کا فتنہ مال و دولت ہے"۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ما ذئبان جائعان ارسلا فی غنم با فسد لها من حرص المرء علی المال والشرف لدینه. (مشکوۃ کتاب الرقاق)۔

"دو بھوکے بھیڑیے جو کسی ریوڑ پر چھوڑ دیئے جائیں اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا مال اور مرتبہ حاصل کرنے کا حرص آدمی کے دین کو نقصان پہنچاتا ہے"۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

من شر الناس منزلة یوم القیمة عبد أذهب آخرته بدنیا غیره. (مشکوۃ، کتاب الآداب)

"قیامت کے دن مرتبہ کے اعتبار سے بدترین شخص وہ ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کردیا"۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة. قال کیف اضاعتها یا رسول الله! قال اذا اسند الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة. (بخاری: ص:۹۶۱، ج ۲)

"جب امانت جاتی رہے تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔ کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ امانت کیسے جاتی رہے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی کام غیر اہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو"۔

آج دین کی امانت اور امامت غیر اہل اور نالائق افراد ہتھیانے کی کوشش کررہے ہیں۔ وہ بغیر علم کے تحقیقات کرتے ہیں اور بغیر سمجھ بوجھ کے دین پر کتابیں لکھتے ہیں اور لوگ ان کی پیروی کر کے گمراہ ہوتے ہیں۔ یقیناً یہ بات علامات قیامت میں سے ہے۔ دین فروشی کی مذمت میں امام غزالیؒ نے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے۔ امام صاحب لکھتے ہیں:

"روایت ہے کہ ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا (اس صحبت وخدمت کی برکت سے) اس نے لوگوں میں یہ کہنا شروع کیا کہ مجھے موسیٰ صفی اللہ علیہ السلام نے ایسا کہا اور موسیٰ نجی اللہ علیہ السلام نے یوں فرمایا اور موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے یوں ارشاد فرمایا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس بہت سا علم ہوگیا (اس کے بعد وہ اچانک کہیں غائب ہوگیا)۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نہ دیکھا تو اس کے بارے میں پوچھنا شروع کیا، مگر کہیں اس کا سراغ نہ ملا۔ یہاں تک کہ ایک روز آپ کی خدمت میں ایک سوّر کے گلے میں سیاہ رسی ڈالے ہوئے لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ آپ فلاں شخص کو جانتے ہیں؟ (جو آپ کی خدمت کرتا تھا اور پھر غائب ہوگیا تھا) آپ علیہ السلام نے فرمایا "ہاں" اس نے کہا یہ سوّر وہی شخص ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ الٰہی اسکو اصل صورت پر کردے تاکہ میں اس سے پوچھوں کہ وہ کس بات سے اس نوبت کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ اگر آپ ان صفات سے مجھ کو یاد کریں گے جنکے ذریعے آدم (علیہ السلام) سے لیکر آج تک کے انبیاء اور اولیاء نے مجھے پکارا ہے تب بھی میں اس بات کو نہ مانوں گا لیکن جس سبب سے میں نے اسکی صورت مسخ کی ہے وہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ شخص دین کے بدلے میں دنیا طلب کرتا تھا۔ (احیاء العلوم: ص:۱۰۶، ج ۱)

یہاں تک ہم نے تحریف فی الدین اور تلبیس کے بارے میں اسلامی دعوت کا تذکرہ کیا ہے۔ اب کچھ تذکرہ یہود کی بیماری کتمان حق (یعنی حق پوشی) کے بارے میں اسلامی دعوت کا کرتے ہیں۔ اسلام نے حق پوشی کو جرم عظیم اور قابل لعنت بیماری قرار دیا ہے اور

حق کے اعلان، حق کے اظہار اور حق کی تبلیغ کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کی حق گوئی کے واقعات سے بھرا پڑا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے کن خطرناک اور مشکل حالات میں حق بات کا اظہار فرمایا، اسے بھی قرآن مجید نے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعوت کا بار بار تذکرہ کرتا ہے جو انہوں نے اپنے خاندان، پوری قوم اور حکومت وقت کی مخالفت کے باوجود ببانگ دھل دی اور آگ کے دھکتے الاؤ کو خاطر میں لائے بغیر، اور اپنی کمزوری اور تنہائی کا عذر کئے بغیر، للکار کر حق بیان کیا اور ظلم کے کسی ہتھکنڈے کی پروا نہیں کی۔ قرآن مجید فرعون جیسے ظلم و جابر حکمران کے پُر شوکت محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعلان حق کا تذکرہ بار بار کرتا ہے۔ ایسا محل جہاں کوئی شخص فرعون کے سامنے اپنا سر نہیں اٹھا سکتا تھا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی نام نہاد خدائی کا انکار کرتے ہیں اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی توحید کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ یہ کام کچھ آسان نہیں تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی توفیق سے اس مشکل اور بظاہر ناممکن نظر آنے والے کام کو سرانجام دیا۔ چنانچہ آپ کا یہ اعلان حق قیامت تک کے داعیان حق کے لئے ایک ایسی مثال بن گیا جسے قرآن مجید اپنے خوبصورت اسلوب میں کئی بار دھراتا ہے۔ قرآن مجید کی دعوت اس بارے میں بالکل واضح ہے۔ اس میں ایک طرف تو حق چھپانے والوں کے لئے لعنت کی وعید کا تذکرہ ملتا ہے تو دوسری طرف حق گوئی اور بے باکی کے ایسے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں جن سے غیرت ایمانی، توکل علی اللہ، بے خوفی اور حق سے محبت چھلکتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک حق بیان کرتے رہے اور ہر طرح کی تکلیفیں سہتے رہے مگر انہوں نے اپنی جان اور جسم کو بچانے کے لئے حق چھپانا گوارہ نہیں کیا۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام ہیں، یہ حضرت صالح علیہ السلام ہیں، یہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں، یہ پکار پکار کر کیا بیان کر رہے ہیں؟ یہ اپنی قوم کے ہاتھوں کیوں ستائے جا رہے ہیں؟ یہ تمام

انبیاء علیہم السلام نہ تو مصلحت کا شکار ہوئے، نہ لالچ کا۔ وہ ہر حال میں حق بیان کرتے رہے اور دنیا کی کوئی طاقت اور دنیا کا کوئی ستم انہیں حق چھپانے پر مجبور نہ کر سکا اور نہ ہی انہوں نے ماحول اور معاشرے کے عمومی رجحان کا بہانہ بنا کر حق کو چھپانے یا بدلنے کی کوشش کی۔ چنانچہ یہ سب حضرات ہدایت کے روشن چراغ بن کر حق کی روشنی پھیلاتے رہے اور قرآن مجید نے ان کی حقانیت اور صداقت پر ان الفاظ سے مہر لگا دی:

"اولئک الذین ھداھم اللہ۔"

اسلام نے حق کے اظہار کی جس طرح سے دعوت دی ہے اور قرآن مجید نے حق گوئی کے واقعات کو جس تفصیل سے بیان فرمایا ہے، یہ مختصر مضمون ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتا، اس لئے صرف چند دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانوں کی فلاح اور نجات کے لئے جن قوانین اور احکامات کو اتارتا ہے اگر ان قوانین اور احکامات کو لوگوں تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے بلکہ کچھ لوگ جن تک یہ احکامات اور قوانین پہلے پہنچے ہوں، انہیں چھپالیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب نازل ہوگا، کیونکہ جب لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے احکامات نہیں پہنچیں گے تو وہ شیطان کے راستے پر چلیں گے اور فتنہ و فساد میں مبتلا ہوں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو مخاطب فرما کر خود انہیں اور ان کے ذریعے سے بعد والوں کو یہ حکم دیا کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے من وعن لوگوں تک پہنچادیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ.

(مائدہ: ۶۷)

"اے رسول! جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں وہ سب لوگوں کو پہنچا دیجئے اور اگر ایسا نہ کیا (یعنی سارے احکامات نہ پہنچائے) تو آپ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے۔ اور اللہ تعالیٰ آپکو لوگوں سے

بچائے رکھے گا، بے شک اللہ تعالیٰ منکروں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

آیت مبارکہ کی تفسیر میں صاحب جلالین لکھتے ہیں:

یا ایها الرسول بلغ جمیع ما انزل الیك من ربك ولا تکتم شیئا منه خوفا ان تنال بمکروه وان لم تفعل ای لم تبلغ جمیع ما انزل الیك فما بلغت رسالته بالافراد والجمع لان کتمان بعضها ککتمان کلها.

"اے رسول! وہ سارے احکامات جو آپ پر آپکے رب کی طرف سے نازل ہوئے ہیں، پہنچا دیجیے اور کسی ناگوار صورتحال پہنچنے کے خوف سے کچھ نہ چھپائیے۔ اور اگر آپ نے سارے احکامات نہ پہنچائے تو آپ نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا کیونکہ بعض احکامات کو چھپالینا تمام احکام کو چھپانے جیسا ہے"۔

(جلالین: ص:۱۰۴)

تفسیر ابن جریر میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر ان الفاظ سے کی گئی ہے: "یہود ونصاریٰ کی خرابیاں بیان فرماکر حضور اکرم ﷺ کو تبلیغ وحی میں "بلّغ" کے ساتھ تاکید فرمائی جاتی ہے کہ اگر آپ کسی کے خوف اور اندیشے سے تبلیغ دین میں کچھ کوتاہی کرینگے تو عہد رسالت کے ذمے دار ہونگے چونکہ عرب کی مشرک قوموں سے تو مکہ ہی میں توحید کا اعلان کرنے کے سبب سخت مخالفت ہو گئی تھی۔ وہ دن رات حضور اکرم ﷺ اور آپکے صحابہ کرام کی ایذاء اور تکلیف دہی میں سرگرم رہتے تھے۔ ان کے مظالم کے حد سے بڑھ جانے کے بعد مکہ چھوڑ کر مدینہ میں رہنا اختیار کیا۔ یہاں یہود ومشرکین کے گروہ زور آور اور سرکش تھے۔ یہ بھی وہ حق بات ظاہر کرنے کی وجہ سے جو ان کے طبائع کے خلاف اور رسمی مذہب کے برخلاف تھی، سخت دشمن ہوگئے۔ رہے بے چارے انصار اور چند غریب اور مفلس مہاجرین تو وہ بظاہر تمام قبائل عرب اور یہود ونصاریٰ کے ظلم وستم کا دفاع کرنے پر

پورے قادر نہ تھے۔ ایسی صورت میں انسانی طبیعت کا مقتضیٰ ہے کہ "ذرا لب بند کرے"۔ مگر چونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق اور نبی موعود تھے، جنکے آنے پر تمام قوموں کی بھلائی اور نجات منحصر تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تاکید کے ساتھ بلغ ما انزل فرمایا۔

(ابن جریر، حاشیہ قرآن مجید۔ ص:۱۶۵ بتغیر یسیر)

اس آیت مبارکہ میں ایک طرف تو تبلیغِ حق کا حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بلاکم وکاست انسانوں تک پہنچایا جائے اور دوسری طرف کتمان حق سے روکا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو نہ چھپایا جائے، نہ کسی کے خوف کی وجہ سے نہ کسی اندیشے کی وجہ سے، نہ کسی لالچ کی وجہ سے اور نہ کسی مایوسی کی وجہ سے۔ اس آیت کریمہ کے پہلے مخاطب خود نبی پاک حضرت محمد ﷺ تھے اور آپ نے جس طرح سے اس آیت مبارکہ پر عمل فرمایا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ آپ نے جس جرأت، بیباکی اور جانفشانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تبلیغ اور حق کا اعلان فرمایا، حقیقت میں وہ آپ ﷺ کا عظیم کارنامہ ہے جو آپ کے سوا کوئی بھی سرانجام نہیں دے سکتا۔ آپ پر پتھراؤ ہوئے، راستے میں کانٹے بچھائے گئے، قوم نے بائیکاٹ کر کے الگ تھلگ ڈال دیا، وطن کی زمین آپ پر تنگ کر دی گئی، آپ کے گلے میں رسے اور جسم پر اوجھڑیاں ڈالی گئیں، آپ کے گھر والوں پر تہمت لگائی گئی، آپ کے جسم کو زخمی کیا گیا، ذہنی اور جسمانی اذیتوں کے پہاڑ مسلط کیے گئے، مگر مجال ہے کہ آپ کی دعوت میں کوئی فرق آیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ پر حق کے اظہار کے صلے میں جو مصائب اور تکلیفیں آئی ہیں اگر وہ آپ کے علاوہ کسی پر آتیں تو وہ ثابت قدم نہ رہ سکتا۔ مگر آپ ﷺ نے تبلیغ حق کا حق ادا فرمایا اور ثابت قدمی آپکے قدم چومتی رہی۔ یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے وصال سے دو ڈھائی مہینے قبل حجۃ الوداع کے تاریخی خطبے کے موقعے پر اپنے جانثاروں سے ارشاد فرمایا: "اے لوگو! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے تو (ہر حکم) پہنچا دیا اور تمہارے اندر وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر اسے مضبوطی سے

پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ کھلی چیز ہے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ“۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کچھ اور نصیحتیں فرمائیں اور پھر سب لوگوں سے پوچھا: ”الاھل بلغت؟“ لوگو بتاؤ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ لوگوں نے جواب دیا: **اللّٰھم نعم**. یقیناً یقیناً اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اللّٰھم اشھد!** اے اللہ تو گواہ رہنا۔ (سیرت ابن ہشام، ص: ۴۴۷، ج۲)

حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل روایت پیش فرمائی ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنها قالت من حدثك ان محمدا صلی اللہ علیه وسلم کتم شیئا مما انزل علیه فقد کذب، واللہ یقول: یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك.

(صحیح بخاری: ص:۶۶۴، ج۲)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ وہ شخص جھوٹا ہے جو یہ کہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان احکامات میں سے کچھ چھپایا جو ان پر نازل ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے رسول آپ وہ سارے احکامات پہنچا دیجئے جو آپ پر نازل کئے گئے ہیں“۔

یہاں تک مذکورہ بالا آیت کی تفسیر بیان ہوئی۔ اب اظہار حق کی تاکید اور ضرورت پر مزید چند دلائل پڑھتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ. (الحجر: ۹۴)

”پس اعلان کیجئے اس چیز کا جس کا آپ کو حکم ہوا اور مشرکوں کی پروانہ کیجئے“۔

صاحب جلالین آیت کی تفسیر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

اجهر به وامضه. (جلالین: ص:۲۵)

”خوب زور سے حق بیان کیجئے اور اسے جاری فرمائیے“۔

حضور اکرم ﷺ کو جب سے نبوت سے سرفراز کیا گیا، آپ نے کسی لمحے بھی حق کو نہیں چھپایا۔ البتہ ابتدائی زمانے میں اسلام کی دعوت چپکے چپکے دی جاتی تھی۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہونے کے بعد آپ نے اعلانیہ طور پر اسلام کی دعوت دینا شروع فرما دیا اور زندگی کے آخری لمحے تک آپ نے دین اسلام کو اس طرح سے کھول کھول کر بیان فرمایا کہ یہ پورا دین صحابہ کرام کے سینوں میں اتر گیا اور ان کے مزاج کا حصہ بن گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے جن مشکل حالات میں اور جس عزیمت کے ساتھ حق کا اظہار فرمایا، اس کا اندازہ آپ ﷺ کے ان مبارک الفاظ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اپنے چچا ابو طالب کو ارشاد فرمائے:

یا عم! واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترك هذا الامر، ما ترکته حتی یظهره اللہ او اهلك منه.

(سیرت ابن ہشام: ص:۲۸۱، ۳۰۳، ج۱)

”چچا جان! واللہ اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند بھی رکھ دیں اور شرط یہ ہو کہ میں اس معاملے (دعوت الی الحق) کو چھوڑ دوں تو بھی میں اسے نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غلبہ عطا کرے یا میں مر جاؤں“۔

یہ الفاظ آپ نے اس وقت ارشاد فرمائے جب مشرکین مکہ نے آپ کے اعلان حق اور دعوت الی الحق کی شکایت کئی بار ابو طالب سے کی اور ابو طالب نے آپ کو بلا کر کہا کہ میرے بھتیجے! قوم نے بہت شکایتیں کی ہیں۔ تم مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنی جان پر بھی، اور مجھ پر ایسا بار نہ ڈالو جو میں برداشت نہ کر سکوں۔ ابو طالب کی اس بات سے حضور اکرم ﷺ کو یہ خیال گزرا کہ شاید چچا بھی میری امداد وتعاون سے دست کش ہو جائیں گے اور مجھے ان کے حوالے کر دیں گے۔ گویا ان سے بھی اعانت وحمایت کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ اس وقت آپ ﷺ نے مذکورہ بالا ایمان افروز الفاظ ارشاد فرمائے اور اپنے مضبوط عزم کا اظہار

فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ کے ان مبارک الفاظ میں علم وحکمت کے بے شمار خزانے اور داعیان حق کے لئے قوت اور عزم کے ذخیرے موجود ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے بارے میں اسلاف کا ذکر فرمودہ ایک لطیف نکتہ یہاں درج کر دیا جائے۔ ممکن ہے کہ نام نہاد مصلحت پسندی اور دنیاوی منفعتوں کی خاطر حق کو چھپانے والوں کے لئے سرمہ بصیرت ثابت ہو۔

نکتہ : ظاہر نظر میں سورج اور چاند سے زائد کوئی شئے روشن اور منور نہیں۔ لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک وہ نور مبین جس کو حضرت محمد ﷺ لیکر دنیا میں آئے، وہ سورج اور چاند سے کہیں زیادہ روشن اور منور ہے۔ مشرکین اس نور مبین کو بجھانا چاہتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو بغیر کمال تک پہنچائے ہرگز نہیں مانے گا اگرچہ کافر اس کو پسند نہ کریں"۔ (توبہ: ۳۲)

اس لئے حضور اکرم ﷺ نے سورج اور چاند کا ذکر فرمایا اور یہ بتلادیا کہ جس نور مبین کو میں لیکر آیا ہوں، اس کے سامنے سورج اور چاند کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ سورج اور چاند کو اس نور مبین کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہے۔ لہٰذا تم احمقوں کے کہنے سے میں نور اعلیٰ کو چھوڑ کر نور ادنیٰ کو کیسے اختیار کر سکتا ہوں؟ اتستبدلون الذی ھو ادنی بالذی ھو خیر. اور جس طرح دایاں ہاتھ بہ نسبت بائیں ہاتھ کے زیادہ اشرف اور افضل ہے، اسی طرح سورج بھی چاند سے کہیں اعلیٰ اور برتر ہے، اسی لئے نبی کریم فصیح العرب والعجم ﷺ نے سورج کا دائیں ہاتھ میں اور چاند کا بائیں ہاتھ میں رکھنا بیان فرمایا ہے۔ (روض الانف، سیرت المصطفیٰ: ص:۱۷۶، ج:۱)

دنیا کی تھوڑی سی چمک دمک کی خاطر حق کو چھپانے والے مذکورہ بالا نکتے پر غور کریں، ممکن ہے حرص ولالچ کے اندھیروں سے نجات مل جائے۔ قرآن مجید میں تو کتمان حق کی سزاؤں کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں جبکہ حضور اکرم ﷺ نے بھی حق پوشی پر سخت وعید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

من سئل عن علم ثم کتمه، الجم یوم القیمة بلجام من نار.

"جس سے کسی علم کی بابت پوچھا گیا اور اس نے اسے چھپالیا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی"۔ (ترمذی: ص:۹۳، ج:۲)

یعنی وہ لوگ جو دنیا میں حق بولنے کی بجائے اپنے منہ میں حرص، لالچ، خواہ مخواہ کی مصلحت اور خوف کی لگام لگائے رکھیں گے اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا سچا دین نہیں پہنچائیں گے بلکہ اسے چھپائیں گے تو ایسے لوگوں کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

مسند احمد میں ہے کہ "خلاف شرع امر دیکھ کر، سن کر، اپنے آپ کو کمزور جان کر خاموش نہ ہو جانا، ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باز پرس ہوگی اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے چپ ہو گیا تھا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اسکا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا"۔

(تفسیر ابن کثیر، سورۂ مائدہ)

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

"ضحاکؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس امت کے عالم دو طرح کے ہیں: ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا جسے اس نے لوگوں پر خرچ کیا اور اس پر کچھ مال کی حرص نہ کی اور اس نے تھوڑا سا مال نہ لیا، تو ایسے شخص پر پرندے اور سمندر کی مچھلیاں اور زمین کے چوپائے اور کراماً کاتبین رحمت بھیجتے ہیں اور وہ قیامت میں

اللہ تعالیٰ کے پاس سید اور شریف ہو کر آئے گا یہاں تک کہ رسولوں کے ہمراہ ہوگا۔ اور ایک وہ کہ اللہ کے بندوں سے اس پر بخل کیا اور مال کی طمع کی اور اس کے عوض میں تھوڑا سا مول لیا تو ایسا شخص قیامت کو آگ کی لگام دیا ہوا آئے گا۔ اور ایک پکارنے والا خلق کے سامنے پکارے گا کہ یہ فلاں شخص ہے اور فلاں کا بیٹا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں علم دیا مگر اس نے علم پر بخل کیا اور اس کے بندوں کو نہ سکھایا اور طمع کا دامن پھیلایا۔ اور علم کے عوض تھوڑا سامال اس کے لئے عذاب بنا رہے گا یہاں تک کہ سب آدمیوں کے حساب سے فراغت ہو جائے"۔ (احیاء العلوم: ص:۱۰۶، ج۱)

بعض روایات میں حق چھپانے والے کو شیطان اخرس یعنی گونگا شیطان قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ ایسی جگہ حق کے اظہار کو جہاد قرار دیا گیا ہے جہاں پر حق ظاہر کرنے کی صورت میں جان کا خطرہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إن من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر.

"ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کا اعلان بڑے جہاد میں سے ہے"۔

(ترمذی: ص:۴۰، ج۲)

عبرت و موعظة

یہودی حق کو چھپاتے رہے، دین کو بدلتے رہے اور حق و باطل کو خلط ملط کرتے رہے، یہ سب کچھ کرنے کی وجہ سے وہ آسمانی رحمت سے محروم ہو گئے، برکتیں ان سے روٹھ گئیں اور سچا دین ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔ اور جس ملعون دنیا کی خاطر انہوں نے یہ ستم ڈھایا تھا وہ بھی انہیں اتنی ہی ملی جتنی ان کے مقدر میں لکھی تھی اور اگر وہ دین کو نہ بیچتے تب بھی اتنی دنیا انہیں مل ہی جاتی۔ یہودیوں کے برعکس ہمارے اکابر حضرات صحابہ کرام اور انکے متبعین نے حق کی حفاظت کی اور اسے چار دانگ عالم میں پھیلایا۔ انہوں نے سولیوں پر

لٹک کر اور ماریں کھا کر بھی حق کا اعلان کیا اور انہوں نے اللہ کے دین کی کسی بات کو نہیں چھپایا اور نہ ہی انہوں نے دین میں کوئی تحریف کی۔ انہوں نے جس طرح سے قرآن مجید حضور اکرم ﷺ سے سنا، اسی طرح اسے یاد کیا اور اسے امت تک پہنچایا اور اسکی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کو کھپایا۔ اسی طرح انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے مبارک اقوال کو، آپکے مبارک افعال کو اور یہاں تک کہ آپکی مبارک عادات اور اداؤں تک کو محفوظ کر لیا اور پھر پوری احتیاط اور مکمل اہتمام کے ساتھ یہ سب کچھ اپنے لائق و فائق شاگردوں تک پہنچا دیا۔

حضرات صحابہ کرام دنیا سے بے رغبت تھے اور وہ دنیا کی حقارت اور بے وقعتی کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا۔ وہ نہ تو دنیا کے بادشاہوں سے مرعوب ہوتے تھے اور نہ دنیا کی چمک دمک ان پر اثر انداز ہوتی تھی۔ وہ دنیا میں رہتے تھے مگر دنیا ان کا مقصود نہیں تھی۔ انہوں نے اپنی زندگیاں دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دین قائم کرنے کیلئے وقف کر دی تھیں۔ وہ دین کے ایک ایک حکم کی اہمیت اور افادیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور یہ بات ان کے دل و دماغ میں گھر کر چکی تھی کہ اسلام ہی انسانیت کی فلاح اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ صحابہ کرام کی یہ خصوصیات انہیں کتمان حق اور تحریف سے روکتی تھیں اور وہ ہر لمحہ حق کی حفاظت اور اسکی اشاعت کے لئے سینہ سپر رہتے تھے۔ یہودی چونکہ دنیا پرست تھے اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرتے تھے، دنیا کے حکمرانوں اور یہاں کی چمک دمک بھی انہیں متاثر کرتی تھی اور انہوں نے آخرت کی بجائے دنیا کو مقصود بنا لیا تھا اور وہ دین کی افادیت کو بھی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک دین بھی دنیا کمانے کا ایک ذریعہ تھا۔ چنانچہ دنیا کا فائدہ انہیں جس کام میں نظر آتا تھا وہ اسے کر گزرتے تھے۔ دین کو چھپانا اور اسے بدلنا بھی اسی مقصد کے تحت تھا۔ حضرات صحابہ کرام کے بعد مسلمانوں میں سے جس میں حضرات صحابہ کی مذکورہ بالا صفات موجود تھیں وہ مسلمان تو حق کی حفاظت اور اسکی اشاعت کے لئے قربانیوں کی عظیم تاریخ رقم کرتے رہے۔ بادشاہوں

کے کوڑے، کنوؤں کے اندر بنے ہوئے زندان اور پھانسی کے پھندے بھی انہیں حق کا اظہار کرنے سے نہ روک سکے۔ اور اگر حکمرانوں نے دین میں تحریف کی کوشش کی تو یہ اللہ والے بوریا نشین اسلام کی حفاظت کے لئے میدانوں میں کود پڑے اور حکمرانوں کو ہمیشہ ان کے مقابلے میں شکست تسلیم کرنی پڑی۔ مسلمان داعیان حق اور علماء کرام کی تاریخ دعوت وعزیمت بہت تابناک ہے اور دوستوں کی طرح دشمن بھی اسکا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے جیسے تیسے کلمہ تو پڑھ لیا مگر اسلام ان کے دلوں میں نہیں اترا اور صحابہ کرام کی مذکورہ بالا صفات سے بھی وہ محروم تھے، ان مسلمانوں میں سے بعض میں یہودیوں کی بیماری کتمان حق، تلبیس اور تحریف پھیلی اور انہوں نے دنیا اور اس کے مال و منصب کو مقصود بنا کر حق کو چھپایا اور دین میں تلبیس و تحریف کی بھی کوششیں کیں۔ جہاں دعوت وعزیمت کی تاریخ بہت تابناک ہے وہاں نفاق کی یہ تاریخ بہت دردناک ہے۔ چونکہ ہمارا مقصد تاریخ بیان کرنا نہیں ہے اس لئے ہم عصر حاضر کے مسلمانوں کے سامنے کتمان حق اور تلبیس و تحریف کے بعض ہتھکنڈوں کا تعارف پیش کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں تاکہ وہ یہودیوں کی ان خطرناک بیماریوں اور ان کے موذی داعیوں سے بچ سکیں۔

(۱) ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ جب تک اسلام کے ادلہ اربعہ (چار دلائل) میں سے کسی کا انکار نہ کیا جائے، اس وقت تک اسلام میں کتمان و تحریف کی گنجائش نہیں بنتی۔ چنانچہ جسکے دل میں بھی یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تحریف و تلبیس کا شوق ابھرتا ہے، وہ پہلی ضرب ان چاروں دلائل میں سے کسی ایک پر لگاتا ہے۔ چنانچہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اور اہل بیت کی محبت کا نعرہ لگا کر سب سے پہلے رافضیوں نے اسلام میں کتمان اور تحریف و تلبیس کو جگہ دینے کی کوشش کی اور انہوں نے قرآن مجید کا انکار کر دیا اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اصل قرآن تو بارہویں امام اپنے ساتھ لے گئے ہیں جبکہ موجودہ قرآن نعوذ باللہ تحریف شدہ ہے اور اس میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ رافضیوں کے نزدیک

چونکہ "تقیہ" یعنی حق کو چھپانا ایک بہت بڑی عبادت ہے اور ان کی معتبر کتابیں تقیے یعنی حق پوشی کی تاکید اور فضائل سے بھری پڑی ہیں، اس لئے قرآن کے بارے میں وہ اپنے حقیقی عقیدے کا عام طور پر اظہار نہیں کرتے، وگرنہ یہ عقیدہ انکی معتبر ترین کتابوں مثلاً اصول کافی وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور بعض رافضیوں مثلاً نوری طبرسی وغیرہ نے اس موضوع پر مستقل اور ضخیم کتابیں بھی لکھی ہیں۔ تعجب ہے کہ یہودی تو تاویلیں کر کے چور دروازوں سے حق چھپاتے تھے جبکہ رافضی یہی کام عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ پھر رافضیوں نے اپنے لئے دین میں تحریف و تبدیل کے راستے کھولنے کے لئے قرآن مجید کا انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اصل کتاب بارہویں امام کے پاس ہے اور جب تک وہ کتاب ظاہر نہیں ہو جاتی اس وقت تک رافضیوں کے لئے اسی قرآن مجید کو پڑھنے کا حکم ہے۔ (کمافی اصول الکافی) رافضیوں کے اس عقیدے کی برائی اور تفصیلات سے قطع نظر ایک بات خاص طور پر قابل غور ہے، وہ یہ کہ جس قوم کے پاس آسمانی کتاب ہی نہ ہو وہ اپنے آپ کو کسی دین یا مذہب کی طرف کس طرح منسوب کر سکتی ہے؟ یہودیوں کے پاس جیسی تیسی تورات موجود ہے، عیسائیوں کے پاس جیسی تیسی انجیل موجود ہے؟ اس لئے اسلامی اصطلاح میں یہ دونوں فرقے اہل کتاب کہلاتے ہیں اور اسلام نے بعض مقامات پر انہیں غیر اہل کتاب کافروں کے مقابلے میں کچھ سہولت اور ترجیح بھی دی ہے اور یہ سہولت اور ترجیح صرف انکی اس کتاب کی وجہ سے ہے جو بدلی ہوئی شکل میں ہونے کے باوجود ان کے پاس موجود ہے۔ اس طرح مسلمان بھی اس وقت مسلمان کہلائے جا سکتے ہیں جب ان کے پاس آسمانی ہدایت اور کتاب موجود ہو اور اس میں انہیں مسلمان کے لقب سے نوازا گیا ہو۔ چنانچہ وہ مسلمان جو قرآن پر ایمان لاتے ہیں وہ تو باکتاب ہوئے اور انہیں مسلمان کہلانے کا حق بھی حاصل ہو گیا لیکن وہ لوگ جن کے پاس بقول انکے کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ ان کی آسمانی کتاب انہیں ہدایت پہنچانے کے بجائے ایک غار میں چھپی ہوئی ہے اور موجود قرآن انہیں مجبوراً پڑھنا پڑتا ہے تو ایسے لوگ باکتاب

نہ ہوئے اور ان کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہوگا کہ وہ خود کو اسلام کی طرف منسوب کریں۔ اس طرح انہیں اپنے مذہب کی دعوت دینے کی بھی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ ان کے مذہب کی بنیاد ہی چھپی ہوئی ہے اور انہیں خود کو ہدایت یافتہ کہلانے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ ہدایت کی تعلیمات تو کتاب میں ہیں اور کتاب غار میں ہے۔ پھر چونکہ رافضی اہل کتاب بھی نہیں ہیں اور ان کے مذہب میں تقیہ بھی عبادت ہے، اس لئے دین کے بارے میں انکی کوئی بات معتبر نہیں ہوگی بلکہ ان کا پورا مذہب اھوائے نفسانی کا مجموعہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کی اھواء نفسانی کی پیروی سے منع فرمایا ہے حالانکہ وہ اہل کتاب ہیں تو جو فرقہ اہل کتاب بھی نہیں ہے مسلمانوں کو اس کے مذہب یعنی اھواء نفسانی سے مکمل پرہیز کرنا چاہئے۔ ویسے بھی رافضیوں نے مسلمانوں کو بے حد نقصان پہنچایا ہے اور طرح طرح کی غیر اسلامی شرکیہ رسومات کو مسلمانوں میں عام کرنے کی کوشش کی ہے، اور جب بھی انہیں حکومت ملی ہے تو انہوں نے مسلمانوں کا ہی خون بہایا ہے، اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس فرقے کی تحریفات اور رسومات سے بچیں کیونکہ یہ سب غیر اسلامی ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ رافضیوں کے یہ عقائد ان کی معتبر کتابوں میں مذکور ہیں اور انکی بہت ساری تحریفی رسومات مسلمانوں میں پھیل چکی ہیں۔

(۲) تحریف اور کتمان میں دوسرا نمبر منکرین حدیث کا ہے۔ ان لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی احادیث کا انکار کیا تاکہ انہیں قرآن مجید میں تحریف کا موقع مل سکے۔ یہ تحریفی فتنہ مسلمانوں کے لئے دردسر بنا ہوا ہے اور اس کے گماشتے ہر آئے دن کوئی نہ کوئی نئی تحریف اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ لعنت کے مستحق ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان کے فتنے کا مکمل قلع قمع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم یہود کی کئی بیماریوں کے تحت اس فتنے کا کچھ تعارف پہلے ہی کرا چکے ہیں۔ اس فتنے کا طریقہ واردات بچھو کی طرح ہے اور یہ چھپ کر حملہ کرتے ہیں۔ اس فتنے کے داعی

دنیا پرست، اور ہوس کے مارے ہوئے وہ لوگ ہیں جنکا مبلغ علم صرف اردو اور انگریزی لٹریچر ہے۔ یہ مادہ پرستی کی دعوت دیتے ہیں اور اسلام کے حقیقی احکامات کو چھپاتے ہیں اور اسکی غلط تشریح کرتے ہیں۔

(۳) حضور اکرم ﷺ کی سنت کو چھپانا اور بدعات کو عام کرنا یہ بھی کتمان حق اور تحریف فی الدین ہے اور مسلمانوں میں یہ ایک مخصوص طبقہ یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس بیماری میں مبتلا ہو چکا ہے۔ یہ لوگ ظاہری طور پر سنت سے عشق کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ بدعات کی تشریح واشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ یہودیوں کی طرح دین فروش ہیں جو قبروں پر میلے لگوا کر اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ہٹا کر ان کا مال کماتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اسلام میں قبروں پر اونچے مزار اور گنبد بنانا تو درکنار، قبروں کو پکا کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ قبروں پر سجدے کرنا اور غیر اللہ کے نام کی نذر ونیاز اور منت ماننا کفر ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ میت کا تیجا، دسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ کی رسومات کا اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ تعزیہ اور قبروں پر چراغاں غیر اسلامی افعال ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ ساز باجے اور مروجہ قوالی کا اسلام سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں اس لئے وہ لوگوں کو حق بات نہیں بتاتے اور وہ بدکار اور بدکردار ہونے کے باوجود بزرگوں اور مشائخ کی گدیوں پر قابض ہیں اور دن رات لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سارے نام نہاد پیر اور مولوی کھلم کھلا دین میں تحریفات کرتے ہیں اور لوگوں کو غلط مسائل بتا کر ان سے رشوت اور نذرانے وصول کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہئے کہ یہ لوگ اسلام نہیں بلکہ یہودیت کے راستے پر چل رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان نفس پرستوں کی پیروی اور اتباع سے منع فرمایا ہے۔ یہ لوگ خود دین پر عمل نہیں کرتے بلکہ مریدوں کے مال لوٹ کر بڑی بڑی جاگیریں بناتے ہیں اور ان کے بیٹے مریدوں کے مال لوٹ کر عیاشی کرتے ہیں اور طرح

طرح کے کھلم کھلا بے حیائیوں اور گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ماضی میں یہودیوں نے اللہ کو چھوڑ کر قبروں پر سر جھکایا تو وہ تباہ و برباد ہو گئے، آج مسلمان اگر یہی غلطی دہرائیں گے تو انہیں کون عذاب سے بچا سکے گا؟ کیا اولیاء اللہ ہماری چادروں کے محتاج ہیں؟ قبروں پر ڈالی جانے والی یہی چادریں چند دنوں کے بعد اس قبر کے جاگیر دار وارثوں کے ہاں پہنچ جاتی ہیں اور ان کے بیٹے ان چادروں کو بیچ کر فلمیں دیکھتے ہیں اور بے حیائی کے کام کرتے ہیں تو آپ کو قبر پر چادر ڈالنے سے کیا ملا؟ اگر یہی چادر کشمیر، بوسنیا، چیچنیا، افغانستان یا فلسطین کی کسی بچی کے سر پر ڈالی جاتی تو کتنا اجر ملتا اور کتنی مقبول دعائیں حصے میں آتیں؟ کیا اولیاء اللہ اپنی قبروں پر ہمارے چراغاں اور میلوں کے محتاج ہیں؟ قبروں پر گھڑ دوڑ کرانے اور کتے ریچھ لڑانے سے اولیاء اللہ کو کیا ملتا ہے؟ یہ اولیاء اللہ کس کے سامنے سر جھکاتے تھے؟ ان حضرات نے تو کبھی بھی غیر اللہ کی طرف امید کی ترچھی نگاہ بھی نہیں اٹھائی۔ ان کی امیدوں اور محبتوں کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ مگر شرک کے بیوپاریوں نے ان اولیاء اللہ کی تعلیمات کو فراموش کرتے ہوئے لوگوں کو خود ان کی عبادت پر لگا دیا۔ اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو ہم انشاء اللہ یہودیوں کی بیماری شرک کے تحت کریں گے۔ یہاں پر صرف اتنی سی بات عرض ہے کہ اللہ کے دین کو چھپا کر اور اس میں تحریف کر کے سنت کے نور کو مٹانا اور بدعات کی ظلمتوں کو عام کرنا بہت بڑا ظلم ہے اور جو لوگ اپنے پیٹ اور منصب کی خاطر یہ جرم عظیم کر رہے ہیں، انہیں اللہ کے حضور توبہ کرنی چاہیے ورنہ بدترین انجام ان کا منتظر ہے۔ حضرت امام غزالی لکھتے ہیں: "اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کی قبروں نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ کفار کے مُردوں کی بدبو ہم کو بہت ستاتی ہے اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا کہ علماء سوء (برے علماء) کے پیٹ میں زیادہ بدبو ہے اس بدبو سے جو تمہارے اندر ہے"۔ (احیاء العلوم: ص:۱۰۸، ج:۱)

وہ لوگ جو کمزور دلائل کے ذریعے بدعات کا تحفظ کرتے ہیں اور دین کو بیچ کر دنیا کا

مال کماتے ہیں، انہیں امام اوزاعیؒ کی اس روایت پر غور کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔ عام مسلمانوں سے گذارش ہے کہ وہ سنت رسول ﷺ کو مضبوطی سے تھامیں اور ہر طرح کی بدعات سے خود کو محفوظ رکھیں کیونکہ صحیح احادیث کے مطابق قیامت کے دن حضور اکرم ﷺ ان لوگوں سے منہ پھیر لیں گے جنہوں نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کی ہو گی۔ ہم شرک و بدعت کے بارے میں قرآنی آیات اور احادیث انشاء اللہ شرک کے بیان میں ذکر کریں گے۔

(۴) کچھ لوگوں نے دین میں تحریف اور من مانی کا دروازہ کھولنے کے لئے اجماع کا انکار کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اپنے زمانے کے پروفیسروں کی بات تو معتبر ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان معتبر نہیں ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح پہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے مگر یہ لوگ اس اجماعی فیصلے کو ماننے کی بجائے نعوذ باللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے عیب لگاتے ہیں۔ کوئی بیس تراویح کو "بدعت عمر" کہہ کر اپنی آخرت تباہ کرتا ہے تو کوئی یہ اعلان کرتا ہے کہ جس نے بیس تراویح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو لیا اور حضور اکرم ﷺ کے فرمان کو چھوڑ دیا وہ کافر ہے۔ اس طرح کی ظالمانہ باتیں لکھتے وقت ان لوگوں کی عقل کام نہیں کرتی اور وہ اپنی پسندیدہ رائے کو ظاہر کرنے کے لئے حق کی ہر بات کو چھپاتے ہیں اور دین میں طرح طرح کی تحریفیں اور تاویلیں کر کے اللہ تعالیٰ کے عالمگیر دین کو چند فروعی مسائل میں جھگڑنے کا نام دیتے ہیں۔ یہ لوگ حدیث شریف کی کتابوں کے اردو ترجمے بغل میں دبائے پھرتے ہیں۔ اور خلفاء راشدین اور حضرات صحابہ کرام کے اجماع کا کھلم کھلا انکار کر کے اسلام کے حلیے کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس طرح کے ہر روز پیدا ہونے والے نت نئے فتنوں سے دور رہیں یہ لوگ گمراہی کے خریدار ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے قیامت کی علامات بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ولعن آخر هذه الامة اولها. "اس امت کے آخری لوگ پہلوں کو برا بھلا کہنے لگ جائیں"۔ (تب سرخ ہوا، زمین میں دھنسنے اور چہرے مسخ ہونے کے عذاب کا انتظار کرو) (ترمذی: ص:۴۴، ج۲)

اجماع امت کا کھلم کھلا انکار کرنے والے یہ فرقے جواب خود مختلف گروہوں میں بٹتے جارہے ہیں، پہلے اپنے بڑوں کے کہنے پر ایک رائے متعین کرلیتے ہیں اور پھر جو دلیل یا جو شخصیت انکی اس رائے کے خلاف ہو اس میں طرح طرح کے عیب نکالتے ہیں۔ یہ ظالم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف دل میں بغض رکھتے ہیں۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس تراویح اور تین طلاق کے مسئلے میں انکی رائے کے مطابق نہیں ہیں۔ یہ لوگ بلکہ ان کا بچہ بچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے خلاف اپنے دل میں بغض اور اہانت کے جذبات رکھتا ہے کیونکہ رفع یدین کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ان کے مطابق نہیں ہے۔ یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کو تو دین کی تشریح کا حق نہیں دیتے لیکن اپنے زمانے کے اردو خواں پروفیسروں کو اجتہاد تک کا حق دے دیتے ہیں۔ حالانکہ ان پروفیسروں میں اتنی استعداد بھی نہیں ہوتی کہ وہ اردو تراجم کے بغیر براہ راست قرآن وحدیث کو سمجھ سکیں جبکہ اجتہاد کے لئے تو بہت ساری شرائط لازمی ہیں۔ امام فخر الاسلامؒ لکھتے ہیں:

اما شرطه فان يحوى علم الكتاب بمعانيه وعلم السنة بطرقها ومتونها ووجوه معانيها وان يعرف وجوه القياس. (کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، ص:۲۷۸، بحوالہ الکلام المفید)

"اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ مجتہد کتاب اللہ کے معانی اور حدیث کی اسانید اور متون اور ان کے معانی کے طریقوں کے علم پر حاوی ہو اور یہ کہ قیاس کے طرق اور وجوہ کو بھی جانتا ہو"۔

امام عبدالکریم شہرستانیؒ لکھتے ہیں:

شرائط الاجتهاد (١) معرفة قدر صالح من اللغة والتميز بين الالفاظ الوضعية والاستعارية والنص والظاهر والعام والخاص والمطلق والمقيد والمجمل والمفصل وفحوى الخطاب ومفهوم الكلام. (٢) معرفة تفسير القرآن خصوصا ما يتعلق بالاحكام. (٣) ثم معرفة الاخبار بمتونها واسانيدها والاحاطة باحوال النقلة والرواة. (٤) ثم معرفة مواقع اجماع الصحابة والتابعين وتابعى التابعين من السلف الصالحين حتى لا يقع اجتهاده فى مخالفة الاجماع. (٥) ثم التهدى الى مواضع الاقيسة وكيفية النظر والتردد فيها الخ. (الملل والنحل: ص:۲۰، ج۱، الکلام المفید: ص: ۲۶)

اجتہاد کی شرطیں یہ ہیں: (۱) بقدرت ضرورت لغت (عربیہ) کی معرفت ہو اور الفاظ وضعیہ اور استعاریہ اور نص اور ظاہر اور عام اور خاص اور مطلق اور مقید اور مجمل اور مفصل اور فحوائے خطاب اور مفہوم کلام میں تمیز کرنے کی اہلیت ہو۔ (۲) قرآن کریم کی تفسیر کی معرفت ہو خصوصاً جو احکام سے متعلق ہے۔ (۳) پھر احادیث کی، انکی اسانید اور متون کے ساتھ معرفت اور ناقلین اور روایت کے احوال کی معرفت کا احاطہ۔ (۴) پھر حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور تبع تابعین وغیرہم سلف صالحین کے اجماع کے مواقع کی معرفت تاکہ مجتہد کا اجتہاد اجماع کے خلاف نہ واقع ہو۔ (۵) پھر قیاسات کے مواقع اور استدلال کی کیفیت اور ان میں غور فکر کرنے کے مواقع کی شناسائی اور ہدایت ہو"۔ الی آخرہ

لیکن آج وہ لوگ جنہیں قرآن مجید کی تفسیر تک نہیں آتی اور انہوں نے حدیث شریف کی اکثر کتابوں کو بھی نہیں پڑھا اور صحابہ کرام کے آثار کا بھی انہیں کچھ علم نہیں ہے

اور اجماع وقیاس کی تعریفات تک کو وہ نہیں جانتے مگر وہ چند اردو ترجمے اٹھائے پھرتے ہیں اور مسلمانوں کو مناظرے کے چیلنج کرتے ہیں حالانکہ وہ چند احادیث کے علاوہ پورے دین میں سے کچھ بھی نہیں جانتے اور نعوذ باللہ ان مسائل میں انعامی چیلنج دیتے ہیں جن مسائل میں حضرات صحابہ کرام کا اختلاف تھا گویا کہ یہ لوگ حضرات صحابہ کرام کو چیلنج دیتے پھرتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے مسلمان بھائیوں کی اکثریت کو دین کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہوتیں اس لئے وہ چند احادیث کا ترجمہ دیکھ کر ان لوگوں کے ہاتھوں شکار ہو جاتے ہیں۔ جس طرح منکرین حدیث چند آیات کا ترجمہ دکھا کر لوگوں کو شکار کرتے ہیں۔ ہم یہاں دو سچے اور مختصر واقعات ذکر کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے عام مسلمان بھائیوں کو انشاء اللہ ان سے ضرور فائدہ ہوگا۔

(۱) عام طور پر غیر مقلدین کا رعب ہمارے مسلمانوں کے دلوں پر چھا جاتا ہے کیونکہ وہ موٹی موٹی کتابیں لیکر پھرتے ہیں اور ان میں سے ہر شخص یہی دعویٰ کرتا ہے کہ بڑی تحقیق کے بعد میں نے حق کو پہچانا ہے۔ اور اب تک میں بہت سارے علماء کو مناظرے میں شکست دے چکا ہوں۔ یہ پہلا واقعہ غیر مقلدین کی حقیقت کے بیان میں ہے۔ ایک جگہ راقم کو قرآن مجید کی تفسیر اور بعض دینی کتابیں پڑھانے کا موقع اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اس درس میں بعض سرکردہ غیر مقلد بھائی بھی شریک ہوتے تھے۔ یہ سب لوگ ماضی میں اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے مگر بقول انکے انہوں نے بڑی تحقیق کر کے حق کو پہچان لیا اور غیر مقلدیت اختیار کی۔ ان میں سے بعض تو ان کے مبلغ بھی تھے۔ کچھ دن درس دینے کے بعد راقم کو یہ خیال گزرا کہ حلقہ درس میں شریک تمام ساتھیوں کی علمی استعداد کا جائزہ لیا جائے اور پھر انہیں وہ چیزیں پہلے پڑھائی جائیں جنکی ان کو زیادہ ضرورت ہو اور جنکی اسلام میں زیادہ اہمیت ہو۔ چنانچہ راقم نے دس سوالوں پر مشتمل ایک سوال نامہ ان ساتھیوں کو لکھوایا تاکہ وہ تحریری جواب دے سکیں۔ اس سوالنامے میں توحید، بدعت، سود، اسلامی

معیشت، اسلام کا سیاسی نظام، دعوت وجہاد وغیرہ جیسی بنیادی باتیں پوچھی تھیں۔ جب مجھے ایک دن بعد جوابات موصول ہوئے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رفع یدین اور فاتحہ جیسے مسائل پر شور شرابہ کرنے والے ہمارے ان بھائیوں کو اسلام کی ان بنیادی اصطلاحات کے بارے میں ضروری معلومات تک حاصل نہ تھیں۔ راقم کا مقصد چونکہ سب کو اللہ کا دین پڑھانا تھا، چنانچہ اس نے کسی کو شرمندہ کئے بغیر ان امور کے بارے میں تفصیل سے اسباق پڑھائے اور لکھوائے۔ اندازہ لگایئے کہ وہ مولوی اور پروفیسر جو ان نوجوان بچوں کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں چند فروعی مسائل میں الجھا کر جھگڑالو اور تند خو بنا دیتے ہیں، وہ انہیں اسلام کی بنیادی باتیں تک نہیں سکھاتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے بچوں کو تفصیل سے اسلام پڑھایا تو پھر یہ بچے کنوئیں کے مینڈک نہیں رہیں گے اور انہیں دوسری طرف کا حق موقف بھی معلوم ہو جائیگا۔ اسی طرح تفصیل سے اسلام پڑھانے کے لئے فقہ اور فقہاء کا بھی سہارا لینا پڑے گا جبکہ یہ لوگ اپنے نوجوان مقلدین کے سامنے فقہ اور فقہاء کو گالیاں دیتے ہیں اور فقہ کو حدیث کے مقابلے میں ایک نئی چیز بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ جیل میں قید ایک ساتھی کے والد صاحب اپنے علاقے میں غیر مقلدیت کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو خط لکھا جس میں یہ الفاظ بھی تھے کہ آجکل علماء نے قرآن وحدیث کو چھوڑ کر فقہ کے افسانے لوگوں کو سنانا شروع کر دیئے ہیں۔ ان کے خط میں زیادہ زور اسی بات پر تھا کہ فقہ محض ایک افسانہ ہے۔ اس ساتھی نے یہ خط راقم کو پڑھایا اور جواب لکھنے کے لئے کہا۔ راقم نے اپنے جواب میں یہ لکھا کہ آپ نے فقہ کو افسانہ قرار دیا ہے جبکہ امام بخاریؒ اپنی کتاب صحیح بخاری میں جگہ جگہ فقہاء کرام کے فقہی اقوال نقل کرتے ہیں اور کئی جگہ ان اقوال کی تائید کرتے ہیں اور کئی جگہ ان اقوال کو بطور دلیل اور سند کے پیش کرتے ہیں تو اگر فقہ افسانوں کا نام ہے تو پھر بخاری شریف جسے آپ لوگ سب سے زیادہ اٹھائے پھرتے ہیں، نعوذ باللہ ان افسانوں سے بھری پڑی ہے۔ یہ خط جب اس ساتھی کے والد

صاحب کو پہنچا تو اگلے خط میں انہوں نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ فقہ تو بہت اچھی چیز ہے لیکن ہمیں سب فقہاء کی فقہ لینی چاہئے نہ کہ کسی ایک کی۔ راقم نے الحمد للہ اس کا بھی شافی جواب بھجوادیا جس کے بعد اس موضوع پر خطوط آنا بند ہوگئے۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہئے کہ موٹی موٹی کتابیں اٹھالینے سے کوئی عالم نہیں بن جاتا۔ یہ لوگ جو دو چار صفحے کا اردو پمفلٹ پڑھ کر اس مسلک کو چھوڑ بیٹھے جس پر تیرہ سو سال سے امت کی اکثریت عمل کر رہی ہے، زیادہ عقل نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کا علم امام سرخسیؒ اور ملا علی قاریؒ جیسے امام ابو حنیفہؒ کے مقلدین کے علم کے لاکھویں حصے تک پہنچتا ہے۔ ان لوگوں کو تو اسلام کی بنیادی باتیں تک پتہ نہیں ہیں۔ اگر یہ لوگ حدیث شریف کی اکثر کتابیں اور صحابہ کرام کے آثار ہی پڑھ لیتے تو انہیں دیواروں پر چیلنج کے اشتہارات چپکانے سے پہلے شرم کی وجہ سے موت آجاتی۔ مگر ان کے پاس چونکہ علم نہیں ہے اس لئے وہ غباروں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں اور ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی ان سے خواہ مخواہ متاثر ہو جاتے ہیں۔ خدارا ان تحریفی فتنوں سے بچیں اور ہر کتاب اور پمفلٹ کو معتبر نہ جانیں۔ ایمان کی حفاظت جان کی حفاظت سے زیادہ ضروری ہے۔ اسکا اہتمام کریں۔

(۲) دوسرا عبرت آموز واقعہ یہ ہے کہ ایک غیر مقلد بھائی نے راقم سے کہا کہ میرا دل اپنے مسلک پر بالکل مطمئن ہے اور مجھے اس پر شرح صدر ہو چکا ہے۔ راقم نے عرض کیا کہ صرف دل کا مطمئن ہونا اور شرح صدر ہو جانا ہی کافی دلیل ہو تو بہت سارے غیر مسلم بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارا دل ہمارے مذہب پر مطمئن ہے اور ہمیں بہت سکون مل رہا ہے۔ غیر مقلد بھائی نے کہا کہ نہیں، مجھے یہ اطمینان دلائل کی وجہ سے ہوا ہے۔ راقم نے پوچھا: آپ کی نظر میں اسلامی دلائل کہاں کہاں سے لئے جاسکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں سب سے پہلے قرآن مجید کو دیکھتا ہوں، پھر حدیث شریف کو اور پھر صحابہ کرام کے اقوال کو۔ راقم نے ان سے کہا: کیا آپ کو قرآن مجید آتا ہے؟ انہوں نے کہا گزارے کی حد تک آتا ہے۔

راقم نے ان سے ایک آیت احکام کی تفسیر پوچھی۔ انہوں نے کافی سوچ بچار کے بعد انکار کر دیا کہ مجھے نہیں آتی۔ راقم نے کہا نوٹ کرلیں کہ آپ کو قرآن مجید نہیں آتا۔ پھر راقم نے ان سے پوچھا کہ حدیث شریف کی کتابوں کے نام بتائیں۔ انہوں نے چند کتابوں کے نام بتائے۔ راقم نے کہا اور بتائیں۔ انہوں نے کہا بس مجھے اتنے ہی آتے ہیں۔ راقم نے کہا: وہ کتابیں جنکے نام آپکو نہیں آتے، کیا ان میں مذکور صحیح احادیث حضور اکرم ﷺ کی احادیث نہیں ہیں؟ مگر آپ کو تو حدیث شریف کے کئی ضروری علوم تو درکنار، کتابوں کا نام تک نہیں آتا۔ تو پھر آپ حدیث شریف سے کس طرح دلیل لیتے ہیں؟ پھر راقم نے پوچھا کہ آثار صحابہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و فتاویٰ کن کتابوں میں ہیں؟ تو اس غیر مقلد دوست کو ایک کتاب کا نام نہیں آتا تھا۔ حالانکہ میرے یہ غیر مقلد دوست غیر مقلدین کے ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جنکے علم و تحقیق کا ان کے حلقے میں بڑا چرچا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فرقے کے اکثر لوگوں کا مبلغ علم چند اردو کتابیں اور ان کتابوں کے بھی چند صفحات ہیں۔ پھر یہ لوگ اگر چند فروعی مسائل کی حد تک وسعت کے ساتھ اہل علم سے اختلاف کرتے تو کوئی حرج نہیں تھا لیکن انہوں نے ان چند مسائل کو حق و باطل کا معیار سمجھ لیا ہے اور اب ان کا جو تازہ لٹریچر سامنے آرہا ہے وہ تو اس قدر زہریلا اور ایمان کش ہے کہ قادیانیوں اور منکرین حدیث کے لٹریچر کے ہم پلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اب ان لوگوں نے اسلاف امتؒ کو کھلم کھلا کافر کہنا شروع کر دیا ہے اور ان کے بعض ایسے فرقے بھی وجود میں آچکے ہیں جو روئے زمین پر اپنے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں مانتے۔ حالانکہ ان دردناک حالات میں جبکہ کافروں نے ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیر رکھا ہے اور دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو ذبح کرنے کے لئے ذبح خانے اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے لئے عقوبت خانے کھلے ہوئے ہیں، اللہ کی زمین مسلمانوں کے لئے تنگ کی جارہی ہے اور مسلمانوں کا خون اور عزتیں پانی سے زیادہ سستی بنادی گئی ہیں، ضرورت تو اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کو جوڑا

جاتا اور انہیں متحد کر کے کفر کا مقابلہ کیا جاتا اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے محنت کی جاتی مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ چند شرارتی قسم کے لوگ عربی کتابوں کے اردو ترجموں کو لے کر بیٹھے ہوئے ہیں اور آئے دن کوئی نہ کوئی نئی شرارت کر گزرتے ہیں۔ ان دنیا پرست لوگوں کا مقصد صرف اور صرف دنیا کمانا اور مسلمانوں میں تفریق ڈالنا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جن مسائل میں الجھا کر وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں، ان مسائل کے بارے میں اسلام نے کس قدر وسعت دی ہے اور ماضی میں مسلمان ان مسائل میں اختلاف کے باوجود باہم شیر و شکر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے قابل فخر امام اور حکمران حضرت نور الدین زنگیؒ حنفی تھے جبکہ ان کے دست راست کمانڈر صلاح الدین ایوبی شافعی تھے۔ ان دونوں کے باہمی اتحاد اور تعاون کی وجہ سے مسلمانوں کو بیت المقدس واپس ملا تھا۔ آج کے غیر مقلدین یہ کہہ کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ چار مسلکوں کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا ہے، اس لئے ہم نے تقلید کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ انکی یہ بات جھوٹی ہے ہم نے ابھی امت کے دو قابل فخر جرنیلوں کا تذکرہ کیا ہے جو دونوں الگ الگ مسلک کے ہونے کے باوجود متحد تھے اور انہوں نے ملکر کفر کا خاتمہ کیا اور خود سلطان صلاح الدین ایوبی بھی احناف کی طرف کافی مائل ہو گئے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کے تمام فرمانروا حنفی تھے لیکن ان کے دور اقتدار میں باقی مسلک کے علماء اور افراد کو پورا احترام حاصل تھا اور اس پورے دور میں مسلکی لڑائی کا کہیں وجود نظر نہیں آتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ غیر مقلدین جو مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے ہی خود منتشر ہو چکے ہیں اور ان میں اب تک تیس سے زائد فرقے بن چکے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک حق کو چھپاتا ہے اور حتی الوسع دین میں تحریف کرتا ہے۔

آج کے غیر مقلد اپنا تعلق عربوں سے جوڑتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عربوں کو ان کے بارے میں صحیح معلومات نہیں ہیں اور یہ لوگ عربوں کے سامنے جا کر توحید کے

علاوہ اور کوئی بات نہیں کرتے بلکہ یہ تو عربوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ ہندو پاک میں سب لوگ قبروں کے پجاری اور بدعتی ہیں، صرف ہم چند لوگوں نے وہاں توحید کا علم اٹھا رکھا ہے اور ہم لوگ اہلسنت والجماعت کے عقیدے پر قائم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کے اردو لٹریچر اور ان کے چیلنج والے اشتہارات عرب علماء تک پہنچ جائیں تو وہ ان پر تھوکنا بھی گوارہ نہیں کریں گے۔ اتنے دردناک حالات میں جبکہ کافر مسلمانوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، یہ ظالم لوگ ان مسائل کے ذریعے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال رہے ہیں جن مسائل کے بارے میں خیر القرون سے مسلمانوں میں سمجھوتہ ہو چکا ہے اور وہ ان اختلافات کو رحمت سمجھ کر قبول کر چکے ہیں۔

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ آج کے غیر مقلدین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ہندوستان میں جہاد کریں گے کیونکہ ہندوستان پہلے دار الاسلام تھا، اب دار الحرب بن چکا ہے۔ اب اگر ان سے کوئی پوچھے کہ ہندوستان جب دار الاسلام تھا تو اس پر احناف کی حکومت تھی اور آپ لوگ اپنی کتابوں میں احناف کو کافر اور گمراہ لکھتے ہیں۔ تو پھر ہندوستان دار الاسلام کیسے ہوا؟ یہاں تو چوتھی صدی ہجری سے احناف کی حکومت چلی آتی ہے۔ اور انگریز کے آنے سے پہلے ہندوستان کی کسی ایک چپہ زمین پر کسی غیر مقلد نے حکومت نہیں کی؟ کاش یہ لوگ سوچتے یا سمجھتے......!!

ان لوگوں نے تقلید کا انکار کر دیا حالانکہ یہ لوگ جن کتابوں کو پڑھتے ہیں وہ مقلدین کی کتابیں ہیں۔ بلوغ المرام کے مصنفؒ علامہ ابن حجرؒ کٹر شافعی تھے۔ غنیۃ الطالبین کے مصنف حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ حنبلی تھے۔ یہ لوگ جس بخاری شریف کو پڑھتے ہیں اس بخاری کے کئی راوی اور امام بخاریؒ کے کئی استاذ حنفی اور مقلد تھے مگر پھر بھی یہ لوگ سینہ زوری کر کے تقلید کا انکار کرتے ہیں۔ مگر ان کے تقلید چھوڑنے کا نتیجہ کیا نکلا ہے۔ اس چیز کا اظہار مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بٹالوی ان الفاظ سے کرتے ہیں:

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر وارتداد وفسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں"۔

(رسالہ اشاعت السنہ نمبر ۲ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء الکلام المفید۔ ص:۱۸۳)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت کے ماہرین کی رہنمائی ہی میں عمل کرنا چاہئے بس یہی سلامتی کا راستہ ہے۔

(۵) کچھ لوگوں نے قیاس شرعی کا انکار کر کے اسلام کو کمزور اور محدود کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اسلام ایک دائمی ضابطہ حیات ہے اور ہر دور میں جدید مسائل سے لوگوں کا سامنا ہوتا ہے اور جب اسلام کو حکومت اور اقتدار ملتا ہے تو وہ اپنے نظام کے تحت ہی سارے حکومتی شعبے چلاتا ہے۔ لیکن غلامی کے دور میں اٹھنے والے تحریفی فتنے یہی سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہمیشہ غلام ہی رہنا ہے اور حکومت کرنے کا حق صرف کافروں کو اور منافقوں کو ہے اور اسلام کبھی نافذ نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ پورے دھڑلے کے ساتھ قیاس شرعی کا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی تحریف ہے اور اسلام کو کمزور کرنے کی ایک بڑی سازش ہے۔ الحمدللہ ائمہ کرام نے قیاس شرعی کے وہ اصول مرتب فرمادیے ہیں جن کی بنیاد پر قیامت تک کے آنے والے مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کیا جاسکتا ہے۔ نئے مسائل کے بارے میں احکامات کی تخریج کا یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا اور اسلام کا وسیع دامن کبھی بھی جدید مسائل کے سامنے تنگ نہیں پڑے گا۔

(۶) بعض لوگ جدید دنیا سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں اور انکی آنکھوں پر مادہ پرستی کی

عینک چڑھی ہوئی ہے۔ یہ لوگ اسلام میں طرح طرح کی تحریفات کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اسلام کو ایک تجارتی دین بنانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے جہاد کا انکار کیا ہے اور بعض کے نزدیک مسلمانوں کے لئے کافروں کی غلامی قبول کرنا ہی اصل دین ہے۔ چنانچہ وہ کھلم کھلا لکھ رہے ہیں کہ دنیا میں مشرکوں کی حکومت سے بہتر کوئی حکومت نہیں ہے اور نعوذ باللہ مسلمانوں کو اسلام کی محدود کمیونٹی کا بے وقعت فرد بننے کی بجائے عالمی کمیونٹی کا ایک باعزت فرد بننا چاہئے۔ ان میں سے بعض کے نزدیک اسلام کے ظاہری احکامات فضول ہیں اور بعض کے نزدیک اسلام کے روحانی احکامات کی کوئی قدر نہیں ہے۔ کافروں کی طرف حرص اور رشک سے دیکھنے والے یہ حریص اور لالچی لوگ آئے دن نئی نئی تحریفات کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو بزدلی، مادہ پرستی اور غلامی کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایمان کے ان ڈاکوؤں سے ہوشیار رہیں اور اپنے ایمان کی بھرپور حفاظت کریں۔ ہم انشاء اللہ ان میں سے بعض تحریفی فتنوں کا تفصیلی ذکر یہودیوں کی بیماری "ترک جہاد" کے تحت کریں گے۔

(۷) دین کے بارے میں معلومات رکھنے والے وہ لوگ جو فاسق وفاجر حکمرانوں کے پاس آتے جاتے ہیں اور ان حکمرانوں کے دلوں کو مردہ کرنے والے دسترخوان پر کھانے کھاتے ہیں اور ان کے ہدیے اور تحفے قبول کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی ان حکمرانوں کے اثر کے تحت بہت ساری تحریفات کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ ایسے فتوے صادر کرتے ہیں جنکا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ ان فتاویٰ کا نقصان مسلمانوں کو اور سب انسانوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔ مثلاً عرب ممالک کے بعض فاسق حکمرانوں کے اشارے پر وہاں کے بعض اسلامی اسکالروں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ علاج کے لئے انسانی اعضاء کی پیوندکاری جائز ہے۔ اس فتوے کے صادر ہونے سے پہلے اسلامی ممالک میں اس غیر انسانی ظالمانہ عمل کو رواج نہیں ملا تھا لیکن جیسے ہی یہ فتویٰ صادر ہوا، فاسق حکمرانوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے مسلمانوں

کے ممالک میں اس عمل کی اجازت دے دی۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ زندہ انسان اغوا کر لئے جاتے ہیں اور کسی چوری شدہ گاڑی کے کل پرزوں کی طرح ان اغوا شدہ انسانوں کے اعضاء فروخت کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح غریب لوگوں نے گردوں اور دیگر اعضاء کو بیچنا شروع کر دیا ہے اور بعض لوگوں نے انسانوں کو دھوکہ دیکر ان کے اعضاء نکالنے کا کاروبار شروع کر دیا ہے۔ اسی طرح قبروں سے مُردوں کو نکالنے اور انکی خرید و فروخت کا کاروبار بھی بلندیوں تک جا پہنچا ہے۔ دیکھئے! صرف ایک شرعی مسئلے میں تحریف کا کتنا خوفناک انجام ہمارے سامنے آیا ہے۔ اسی سے اندازہ لگائیے کہ خالص اسلامی احکام کی حفاظت اور ان کا نفاذ انسانوں کے لئے کس قدر ضروری اور امن بخش ہے۔ علماء کرام کا غلط حکمرانوں سے روابط بڑھانا خود انکے لئے اور اسلام کیلئے کتنا مضر ہے؟ اس بارے میں چند روایات ملاحظہ فرمایئے جو حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں نقل فرمائے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص جنگل میں رہتا ہے جفا کرتا ہے۔ (یا سخت مزاج ہو جاتا ہے) اور جو شکار کے پیچھے پڑتا ہے وہ غافل ہو جاتا ہے۔ اور جو بادشاہوں کے پاس آتا ہے وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (ابوداؤد و ترمذی بروایت ابن عباس)

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک جنگل ہے جس میں وہی عالم رہیں گے جو بادشاہوں کی زیارت اور ملاقات کو جاتے ہیں۔ سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ جب تم عالم کو دیکھو کہ امراء کو گھیرتا ہے تو اس سے احتراز کرو کہ وہ چور ہے۔

اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز اس عالم سے زیادہ بری نہیں جو حاکم کے پاس جاوے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ بدترین علماء وہ لوگ ہیں جو امیروں کے پاس جاتے ہیں۔ اور بہترین حکام وہ ہیں جو علماء کے پاس آتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

مکحول دمشقیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن سیکھے اور دین میں تفقہ پیدا کرے پھر وہ خوش آمد اور طمع کی جہت سے سلطان (حکمران) کی صحبت اختیار کرے تو وہ بقدر اپنے قدموں کے دوزخ کی آگ میں گھستا ہے۔ سحنونؒ کہتے ہیں کہ میں سنتا تھا کہ بزرگوں کا قول ہے کہ جب عالم کو دیکھو کہ دنیا سے محبت رکھتا ہے تو اس کو تم اپنے دین میں متہم جانو۔

(احیاء العلوم: ص:۱۱۶،ج:۱)

اس بارے میں روایات و اقوال بہت زیادہ ہیں اور ہمارے اسلاف کے واقعات ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ آج وہ لوگ جنہیں دنیا کی محبت مارے جا رہی ہے اور حکمرانوں کے ہاں جانے کے لئے ان کے منہ سے رال ٹپکتی ہے اور بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں داخلہ اور وہاں کی شاگردی یا استادی حاصل کرنا ان کی زندگیوں کا بڑا مقصد ہے، وہ لوگ اسلام کی تشریحات کرتے ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جنہیں منافق قسم کے حکمران نے اپنے مفادات کے لئے رکھا ہوا ہے اور وہ ان حکمرانوں کی من مانی تشریحات کو اسلام کا حصہ قرار دیتے ہیں، مسلمانوں کے لئے ہرگز معتبر نہیں ہیں۔ ہاں! جو علماء کرام حکام کے سامنے صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر ان حکام کے مال و دولت کا ذرہ برابر رعب نہیں ہوتا اور وہ حق بات کہنے سے بالکل نہیں گھبراتے، ان علماء کرام کے لئے بڑا اجر ہے۔ لیکن اس طرح کے علماء کرام کو حکام اکثر پسند نہیں کرتے اور وہ انہیں اپنے سے دور رکھنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں۔

(۸) بعض لوگ اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے دین میں تحریف کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ جب بھی ان کے دل دماغ میں کوئی ایسی تحقیق یا بات آئے جو اسلاف کی تحقیق کے خلاف ہو تو اس بات کو پھیلانے یا شائع کرانے اور اسلاف کو برا بھلا کہہ کر اپنی علمیت جتلانے سے پہلے اپنی اس بات یا تحقیق کو وقت کے معتبر اور ثقہ علماء کرام کی خدمت میں پیش کریں۔ امید ہے کہ علماء کرام ان کی غلط فہمی کی اصلاح اور مغالطے کا

ازالہ فرمادیں گے۔ دین کے بارے میں دلچسپی رکھنے والے ہر مسلمان کو امام بخاریؒ کے ذکر کردہ دو جملے اچھی طرح یاد رکھنے چاہئیں۔ یہ دونوں جملے امام صاحب نے صحیح بخاری کی جلد اول کتاب العلم میں نقل فرمائے ہیں۔

پہلا جملہ: **انما العلم بالتعلم.** یعنی علم تو سیکھنے سے آتا ہے۔

(صحیح بخاری: ص:۱۶،ج۱)

یعنی علم اس وقت نصیب ہوتا ہے جب اسے باقاعدہ استاد سے سیکھا جائے اس لئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جو باقاعدہ تعلیم یافتہ نہ ہو وہ صرف کتابیں دیکھ کر فتویٰ نہ دے۔

(تقریر بخاری شریف: ص:۱۵،ج۱)

دوسرا جملہ: **لا یتعلم العلم مستحیی ولا مستکبر.** شرم کرنے والا اور تکبر کرنے والا آدمی علم حاصل نہیں کرسکتا۔

(صحیح بخاری: ص:۲۴،ج۱)

بس خلاصہ یہ ہوا کہ علماء کے پاس جانے سے اور ان سے سوال کرنے سے نہیں شرمانا چاہئے اور نہ ہی تکبر میں مبتلا ہو کر کسی کے پاس علم سیکھنے کے لئے جانے کو اپنی توہین سمجھنا چاہئے۔ اگر فضول شرم اور موذی تکبر سے نجات مل گئی تو انشاءاللہ علم سیکھنا آسان ہو جائے گا اور اس جہالت کا علاج بھی ہو جائے گا جو کبھی کبھار دین میں تحریف کا سبب بن جاتی ہے۔

آخری گذارش

اس دور کے تحریفی فتنے بہت زیادہ اور بہت خطرناک ہیں۔ چونکہ اس زمانے میں شر غالب ہے اور قرب قیامت کا دور ہے، اس لئے طرح طرح کے دجالی اور تحریفی فتنے آئے دن سر اٹھاتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ عقیدہ اہلسنت والجماعت پر مضبوطی سے

قائم رہیں، اور جہاد اور عمل کے میدان میں آگے بڑھیں، اور فضول بحثوں میں نہ پڑیں اور نہ ہی ہر گمراہ آدمی کی کتابوں کو پڑھا کریں۔ اور وہ مسلمان جن کو عقیدے اور مسلک کے بارے میں تحقیق کا شوق ہے، وہ سب سے پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز صاحب صفدر مدظلہ العالی کی تمام کتابوں کا مکمل سیٹ منگوا کر پڑھیں اور ان کتابوں کو اپنے پاس رکھیں۔ ان کے علاوہ دیگر اکابرین اہلسنت والجماعت کی کتابوں کو پڑھیں۔ مگر اصل فکر یہی ہو کہ اپنا عقیدہ درست کر کے اپنی روحانی اصلاح اور جہاد کے میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ ہر مسلمان کو اسی کی ضرورت ہے اور یہی وقت اور حالات کا تقاضا بھی ہے۔

۸/ جمادی الآخرہ ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۹۹ء۔

........☆☆☆........

یہودیوں کی آٹھویں بیماری

بے صبری

صبر، ضبط نفس کو کہتے ہیں یعنی نفس کو فضول خواہشات، فضول شہوات، غلط غصے، حرص، بزدلی، گناہوں اور مصیبت کے وقت بے ہمتی اور جزع فزع سے روکنا صبر کہلاتا ہے۔ گویا کہ ایمان کے تقاضوں پر ڈٹے رہنے اور نیک اعمال پر جمے رہنے کا نام صبر ہے۔ پس جس خوش قسمت انسان کو اس بات کی قوت اور طاقت نصیب ہو جائے کہ وہ نیکیوں پر ڈٹا رہے گناہوں سے بچتا رہے اور مصیبت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ سے جڑا رہے، وہی شخص صابر ہے اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ اور اس کے لئے بے شمار فضائل ہیں۔ اسی وجہ سے صبر کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے کیونکہ صبر ہی کی بدولت انسان کو ایمان پر استقامت اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے میں پختگی نصیب ہوتی ہے۔ وہ شخص جو مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہو جاتا ہو اور زبان سے الٹی سیدھی باتیں کرتا ہو، صبر سے محروم ہے۔ ایسے شخص کو مصیبت کی تکلیف بھی اٹھانا پڑے گی اور وہ بے صبری کی وجہ سے گناہگار بھی ہوگا اور اسے مصیبت زیادہ ستائے گی کیونکہ مصیبت کے وقت صبر نہ کرنا، مصیبت سے بدتر مصیبت ہے۔

اسی طرح وہ شخص جو نیکیوں پر اور طاعات پر ثابت قدم نہیں رہتا۔ وہ بھی صبر سے محروم ہے۔ ایسے شخص کو کبھی بھی استقامت جو سب سے بڑی کرامت ہے، نصیب نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ شخص جو گناہوں کے مواقع دیکھ کر بے قابو ہو جاتا ہے اور ان گناہوں میں جا گرتا ہے، وہ بھی صبر سے محروم ہے، ایسے شخص کا ایمان ہمیشہ خطرات میں رہتا ہے۔ اسی طرح جو شخص دنیا کی چمک دمک کے پیچھے آنکھیں بند کر کے دوڑتا ہے اور مزید سے مزید کی خواہش میں مبتلا رہتا

ہے، وہ بھی صبر سے محروم ہے، ایسا شخص دنیا کے ادنیٰ مفاد کی خاطر آخرت کی پائدار زندگی کو خطرے میں ڈالتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ انسان صبر کا محتاج ہے اور صبر ہی انسان کی وہ طاقت ہے جس کے ذریعے وہ ایمان کے تقاضوں کو نباہ سکتا ہے اور شہوت (خواہشات) اور غضب (غصے) کے شر سے محفوظ رہ سکتا ہے اور حبِ دنیا کے خوفناک وبائی مرض پر قابو پا سکتا ہے۔ اس لئے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے اندر اس ضروری اور عمدہ خصلت و طاقت کو پیدا کرے، اگرچہ اس میں ظاہری طور پر کچھ وقتی تکلیف ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

"صبر ایک کڑی دوا ہے اور ناخوشگوار شربت ہے مگر نہایت بابرکت اور ہر طرح کی منفعت کا موجب اور ذریعہ ہے۔ اور ہر طرح کی مضرت کو دفع کرتا ہے۔ جب دوا ایسی بابرکت اور نافع ہو تو عقلمند انسان طبیعت پر جبر کر کے بھی ایسی دوا استعمال کرتا ہے اور گھونٹ گھونٹ کر کے اپنے پیٹ میں ڈال لیتا ہے۔ اور اس کی تلخی اور تیزی کو برداشت کرتا ہے۔ اور یوں کہتا ہے کہ اس دوا کی تلخی تو ایک گھڑی بھر کے لئے ہے مگر اسکا نفع سالہا سال تک باقی رہنے والا ہے"۔ (منہاج العابدین: ص:۲۲۶ صبر کا بیان)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صبر کا حکم دیا ہے اور اس صبر کے تین شعبے ہیں:

(۱) صبر علی الطاعات، یعنی اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر جمائے رکھنا۔

(۲) صبر عن المعاصی، یعنی اپنے نفس کو حرام و ناجائز کاموں اور گناہ کی تمام باتوں سے روکنا۔

(۳) صبر فی المصائب، یعنی دنیا کی آفتوں اور مصیبتوں پر صبر کرنا اور ہر مصیبت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر اس پر ثواب کا امیدوار رہنا۔

امام غزالیؒ نے صبر کا ایک چوتھا شعبہ بھی بیان فرمایا ہے۔ صبر عن فضول الدنیا

یعنی دنیا کی لالچ اور یہاں کے مال و اسباب کی طمع سے اپنے نفس کو روکنا۔

صبر کے بارے میں اس مختصر تمہید سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ایمان میں کمال حاصل کرنے کے لئے صبر لازمی ہے۔ چنانچہ دیگر اقوام کی طرح اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو بھی اپنے نبی کی زبانی صبر کی تلقین فرمائی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (اعراف: ۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ اور صبر کرو زمین تو اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسکا مالک بناتا ہے اور اچھا انجام تو متقی لوگوں کا ہے۔

اس آیت میں ظاہری دشمن فرعون کے مقابلے کے لئے اللہ تعالیٰ سے استعانت، صبر اور تقویٰ کی تلقین کی گئی۔ چنانچہ صبر کی اس عظیم خصلت کی بدولت بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۔ (اعراف: ۱۳۷)

اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک پورا ہوا۔ اور فرعون اور قوم فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے، سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے داخلی دشمنوں پر قابو پانے کے لئے بھی صبر کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ۔ (بقرہ: ۴۵)

اور صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر جو خشوع کرنے والے ہیں۔

علمائے اہل کتاب جو بعد وضوح حق بھی آپ پر ایمان نہ لاتے تھے، اسکی بڑی وجہ حُبِّ جاہ اور حُبِّ مال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج بتا دیا۔ صبر سے مال کی طلب اور محبت جائے گی اور نماز سے عبودیت اور تذلل آئے گا اور حُبِّ جاہ کم ہو گی۔

(تفسیر عثمانی: ص:۱۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صبر دو طرح کا ہے ایک مصیبت پر، یہ اچھا ہے اس سے زیادہ بہتر وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محارم سے صبر کرے۔

(حاشیہ قرآن: ص:۱۰، بحوالہ ابن کثیر)

علامہ سیوطیؒ صبر کی تفسیر ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

الصَّبر: الحبس للنفس علی ما تکرہ. (جلالین: ص:۹)

”نفس کو اس کی ناپسندیدہ چیزوں پر روکنا (یعنی جمائے رکھنا) صبر کہلاتا ہے (یعنی وہ اچھے کام جو نفس پر شاق گزرتے ہیں ان پر ضبط پیدا کرنا)“۔

صبر کی ایک تفسیر روزے سے بھی کی گئی ہے۔ علامہ سیوطیؒ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقیل: الخطاب للیهود لما عاقهم عن الایمان الشره وحب الریاسة فامروا بالصبر وهو الصوم لانه یکسر الشهوة والصلوة لا نها تورث الخشوع وتنفی الکبر. (جلالین: ص:۹)

”بعض کے نزدیک اس آیت کا خطاب یہودیوں سے ہے کیونکہ انہیں حرص اور حُبِّ جاہ نے ایمان سے روک رکھا تھا اس لئے انہیں صبر کا حکم دیا گیا جو کہ روزہ ہے کیونکہ وہ شہوت کو توڑتا ہے اور نماز کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ عاجزی پیدا کرتی ہے اور تکبر کو ختم کرتی ہے“۔

یہودی اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتائے ہوئے نسخے، صبر کو اپنا لیتے اور اپنے نفس کے اندر صبر کی ایمانی قوت کو بھر لیتے تو پھر دنیا آخرت کے اونچے مقامات اور کامیابیاں ان کے قدم چومتیں۔ مگر یہودی اعلیٰ درجے کے بے صبرے تھے اور انہوں نے صبر کے کسی بھی شعبے کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ آزمائش کے کئی مواقع پر جہاں صبر کی بے حد ضرورت تھی انہوں نے صاف اعلان کر دیا کہ ہم صبر نہیں کر سکتے۔

دیکھئے قرآن مجید کی یہ آیت:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ

(بقرہ: ۶۱)

"اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا پس آپ اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ ترکاری، اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اگتی ہیں ہمارے لئے پیدا کرے۔ انہوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ کسی شہر میں جا اترو وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا اور (آخر کار) ذلت (و رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گئے"۔

اس آیت میں ان کی بے صبری کے کئی مظاہر کو بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلے انہیں حکم دیا گیا تھا کہ جہاد کر کے شہر میں داخل ہوں۔ طاقتور دشمن کے سامنے ڈٹ کر لڑنا بھی صبر ہے۔ مگر انہوں نے بے صبری اور بزدلی دکھائی اور جہاد سے انکار کر دیا۔ اسکی سزا کے طور پر انہیں "وادی تیہ" میں سرگرداں کیا گیا مگر نبی کے ساتھ ہونے کی برکت سے وہاں بھی کھانے کا

اعلیٰ انتظام من وسلویٰ کی صورت میں کیا گیا۔ انہیں چاہئے تھا کہ اس کھانے پر صبر کرتے اور اپنے نفس کو مزید خواہشات سے روکتے تاکہ اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی دور ہوتی اور "وادی تیہ" میں بھٹکنے کی آزمائش ختم ہو جاتی لیکن مصیبت اور سزا کے لمحات میں بھی ان کے اندر حرص کروٹیں لینے لگا اور طرح طرح کے کھانے تناول کرنے کی لالچ سے وہ پھٹنے لگے اور بالآخر نبی کو ستانے لگے کہ ہم سے تو ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا۔ ہمیں تو زمین سے پیدا ہونے والی ترکاریاں اور دالیں چاہئیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے انہیں کھیتی باڑی میں جوت دیا اور آسمانی رزق کی برکات اٹھالیں اور ذلت ومسکنت کو ان پر لازم کر دیا۔ جس طرح چوہا پراٹھے کے ایک ٹکڑے کے حرص میں کڑکی میں پھنس جاتا ہے ایسے ہی طرح طرح کی غذائیں کھانے کی حرص نے یہودیوں کو بری طرح پھنسا دیا اور لوگوں کا محتاج بنا دیا۔

یہودیوں کی بے صبری کا ایک اور عبرتناک واقعہ قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِیْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ

(اعراف: ۱۶۳)

"اور ان سے اس گاؤں کا حال تو پوچھو جو دریا کے کنارے واقع تھا۔ جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ اسی طرح ہم نے ان لوگوں کو انکی فرمانیوں کی وجہ سے آزمائش میں ڈالا"۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر ہفتے دن شکار کرنا حرام کیا تھا۔ یہودیوں کے کچھ افراد ایک دریا کے کنارے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر کے پیمانے کو ناپنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ ہفتے کے دن مچھلیاں کثرت سے نظر آتیں اور دریا کی سطح پر تیرتی رہتیں۔ ان لوگوں

نے جب یہ صورت حال دیکھی تو حرص اور لالچ کی وجہ سے ان کا نفس پھٹنے لگا۔ اور انہوں نے طرح طرح کے حیلے اختیار کر کے ہفتے کے دن بھی شکار شروع کر دیا جسکی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل بندر بنا کر ہلاک کر دیا اور ان کے اس واقعے کو قیامت تک کے لئے عبرت بنا دیا۔

لالچ اور حرص کی چوکھٹ پر صبر کو ذبح کرنے کے واقعات سے یہودیوں کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ یہی حال ان کا مصیبت کے وقت بھی تھا کہ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے اور حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے فوراً چیخنا چلانا شروع کر دیتے تھے اور بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھتے تھے اور نبی کو (نعوذ باللہ) اپنی مصیبتوں کا سبب قرار دیتے تھے۔ انکی اکثریت کا یہی حال تھا البتہ ان میں سے کچھ لوگ صبر کی عظیم اور لازمی خصلت اپنے اندر پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔ بنی اسرائیل کا یہی صابر طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہا اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات کا مستحق بنا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (قصص: ۵۴)

"(اہل کتاب میں سے جو لوگ قرآن پر ایمان لائے) ان لوگوں کو دگنا بدلہ دیا جائیگا کیونکہ وہ صبر کرتے رہے ہیں اور بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں اور جو (مال) ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

ان کا صبر اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے ان کے ہر عمل پر دگنا اجر دینے کا وعدہ فرما لیا کیونکہ اسی صبر کی بدولت وہ لوگ تورات اور انجیل کے بعد قرآن مجید پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑے رہے۔ اور پھر انہوں نے ایمان کے راستے میں آنے والی مشقتوں پر بھی صبر کیا اور سابقہ مذاہب کے ساتھ وابستگی اور قوم کی اکثریت کا موقف ان کے صبر واستقلال کو کمزور نہ کر سکا۔ ماضی میں بھی بنی اسرائیل کے

صرف انہیں لوگوں کو قوم کی امامت اور پیشوائی کا مقام ملا جو صبر کی نعمت سے مالا مال تھے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ. (السجدہ: ۲۴)

"اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو سیدھی) راہ چلاتے تھے جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے"۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ بنی اسرائیل کے صرف انہیں علماء کو امامت اور پیشوائی کا مقام ملا جن میں دو صفتیں تھیں: ایک صبر اور دوسری یقین۔ صبر سے مراد عملی کمال اور یقین سے مراد علمی کمال ہے۔ بس جس عالم میں یہ دونوں کمال ہونگے وہی عالم اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہوگا اور اسی عالم کے ذریعے سے دنیا میں نور ہدایت پھیلے گا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

بالصبر واليقين تنال الامامة فى الدين. (بحوالہ معارف القرآن: ص:۵۷، ج۔۷)

یعنی صبر اور یقین ہی کے ذریعے دین میں کسی کو امامت کا درجہ مل سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو صبر کا حکم دیا۔ ان میں سے بعض نے اس حکم کو مانا اور اپنے اندر صبر کی خوبصورت خصلت کو پیدا کیا یہی لوگ انبیاء کے حقیقی وارث، دین کے علمبردار اور حق کے راستے کے رہنما بنے۔ ان لوگوں نے انجیل کی بھی تصدیق کی اور جب اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید نازل ہوئی تو اسی طبقے کے موجود افراد نے فوراً اسے پہچان لیا اور بلا تاخیر اسے مان لیا۔ لیکن یہودیوں کی اکثریت نے اپنے اندر صبر کی خصلت کو پیدا نہیں کیا بلکہ وہ حرص اور بے صبری کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور اس حرص اور بے صبری نے انہیں نہ دنیا کا چھوڑا نہ آخرت کا۔ اس بارے میں پیچھے جن دو مثالوں کو ذکر کیا گیا ہے وہ یہودیوں کی بے صبری کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

اسلامی دعوت

اسلام میں صبر کی بہت زیادہ تاکید و تلقین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور عبادت میں پختگی کے لئے صبر عظیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ عبادت کہتے ہیں ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے کو اور ایمان کی مخالف چیزوں سے بچنے کو، تو جب تک انسان اپنی جان کو مصائب و تکالیف برداشت کرنے کا عادی نہیں بنائے گا اور اپنے نفس کو نیکیوں پر ہر حال میں ڈٹے رہنے اور گناہوں سے بچے رہنے کا خوگر نہیں بنائے گا، اس وقت تک عبادت کے میدان میں کس طرح سے کامیاب ہو سکتا ہے؟ اسی لئے قرآن و حدیث میں صبر کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور اسکی تمام اقسام اور بے شمار فوائد کو ذکر کیا گیا ہے اور اپنے اندر صبر پیدا کرنے کا بہترین طریقہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اسکے رسول ﷺ نے صبر پر جو فضائل و فوائد بیان فرمائے ہیں، ان میں یقین کے ساتھ غور کیا جائے اور خود کو ان فضائل و فوائد کا مستحق بنانے کی کوشش کی جائے۔ اور جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور طاقت پر جتنا زیادہ یقین اور بھروسہ ہوگا وہ شخص اسی قدر اعلیٰ درجے کے صبر پر فائز ہوگا۔

پس جس آدمی کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں فرماتا بلکہ وہ تو محبت کرنے والی ماں سے بھی زیادہ محبت اپنے بندے سے فرماتا ہے۔

جس آدمی کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اٹل ہے اور موت کا وقت مقرر ہے اور وہ ایک لمحہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

جس آدمی کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو روزی اسکی قسمت میں لکھی ہے وہ اسے مل کر رہے گی۔

جس آدمی کو یقین ہو کہ اس نے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور

اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ وہ آدمی بے صبری کے مرض سے محفوظ رہتا ہے اور حالات جیسے بھی ہو جائیں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی پر قائم و دائم رہتا ہے اور بڑی سے بڑی مصیبت، مال و دولت کے انبار اور آنکھیں مارتے اور دل کو للچاتے گناہ اس کے قدموں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے صبر کو "عزم الامور" یعنی ہمت کا کام (مردوں کا شیوہ) قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (آل عمران: ۱۸۶)

"تو اگر صبر اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں"۔

امام غزالیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"تو گویا اللہ تعالیٰ ان آیات میں فرما رہا ہے کہ اپنی جانوں کو مصائب و تکالیف برداشت کرنے کا خوگر بنالو۔ اگر تم ان مصائب میں صبر کرو گے تو واقعی تم مردانگی کا ثبوت دو گے اور واقعی تمہارے ارادے مردوں والے ہونگے"۔ (منہاج العابدین: ص:۲۰۵)

حضرات انبیاء علیہم السلام سارے کے سارے صبر کے اعلیٰ مقامات پر فائز تھے۔ ان حضرات میں سے بھی جنکو صبر میں فضیلت حاصل تھی ان کو اولوالعزم رسول کا خطاب دیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ. (الاحقاف: ۳۵)

"پس (اے محمد!) جس طرح عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح آپ بھی صبر کریں اور ان کے لئے (عذاب) جلدی نہ مانگیں"۔

قرآن مجید میں صبر کے بہت سارے فضائل و فوائد ذکر کیے گئے ہیں۔ اگر ان سب کا احاطہ کیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جاتی ہے، اس لئے ہم صرف چند فوائد پر ہی اکتفا کرتے ہیں:

(۱) صبر سے اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ (بقرہ: ۱۵۳)

چونکہ صابر آدمی ہر حال میں اللہ کی طاعت اور بندگی پر جما رہتا ہے اور کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ سے منہ نہیں موڑتا تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے بندے کو اپنا خصوصی قرب اور اپنی خصوصی معیت اور نصرت عطا فرماتا ہے۔ مومن اور مشرک میں ایک بڑا اور طبعی فرق یہ ہے کہ مشرک جنکی پوجا کرتا ہے ان سے اسے کچھ دنیاوی اغراض ہوتی ہیں۔ چنانچہ اگر پوجا پاٹ کرنے کے باوجود وہ غرض پوری نہ ہو تو مشرک اپنے اس معبود سے ناراض ہو کر کوئی اور بت یا کوئی اور قبر اور آستانہ ڈھونڈتا ہے لیکن مومن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑا رہتا ہے ظاہری طور پر اسکی حاجتیں پوری ہوں یا نہ ہوں۔ مومن کو معلوم ہوتا ہے کہ مجھے پیار کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ سے بدگمان نہیں ہوتا بلکہ اسی کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اسے بھوکا اور پیاسا رکھے یا اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے یا زخم لگا دے یا اسے قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دے، مومن یہ جانتے ہوئے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا ہے، اور اسی کے آگے سجدے کرتا ہے اور اسی کے گن گاتا ہے اور اسی کے نام کو رٹتا ہے اور اسی کے احکامات پر جان دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس پر ظلم نہیں فرماتا، اور اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ اور میں تو بندہ ہوں غلام ہوں میرا کام تو آقا کی اطاعت کرنا ہے اور جس حال میں مالک رکھے اسی میں میں نے خوش رہنا ہے۔ پس بندہ مومن کو جب یہ کیفیت صبر نصیب ہوتی ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی محبت اور نصرت کے ساتھ ہمیشہ اپنے پاس پاتا ہے۔ تب اسے اپنی مصیبت بھی اچھی لگتی ہے۔ کیونکہ یہ مصیبت محبوب کے قرب کا

ذریعہ بن جاتی ہے۔

مرض عشق کا کیا مبارک مرض ہے
عیادت کو کیا کیا حسین آ رہے ہیں

(۲) صبر کی بدولت اللہ تعالیٰ کی عمومی اور خصوصی رحمتیں اور ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ۔ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔

(بقرہ: ۱۵۵،۱۵۶،۱۵۷)

"اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے پس صبر کرنے والوں کو (اللہ تعالیٰ کی خوشنودی) بشارت سنا دیجئے۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر انکے پروردگار کی طرف سے خاص خاص رحمتیں ہونگی اور عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں"۔

انا للہ وانا الیہ راجعون کا ایمان افروز جملہ اظہار وفاداری بھی ہے اور دل کے زخموں کا علاج بھی۔ کیونکہ عام طور پر مصیبت کے وقت انسان سب کچھ بھول جاتا ہے اور طرح طرح کے وساوس کا شکار ہو جاتا ہے اور بعض اوقات دیوانگی کی حالت تک جا پہنچتا ہے لیکن صابر آدمی مصیبت کی المناک گھڑیوں میں بھی "انا للہ" کہہ کر یہ اعلان کرتا ہے کہ یااللہ! میں سب کچھ بھول سکتا ہوں مگر تجھے نہیں بھلا سکتا۔ اور نہ میں اس بات کو بھول سکتا ہوں کہ میں تیرا بندہ ہوں، پس ان مشکل لمحات میں بھی جیسے بھی بن پڑا تیری بندگی کا حق

نبھاؤں گا کیونکہ بالآخر مجھے تیرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ یہ تو ہوا وفاداری کا اظہار جبکہ "اناللہ" دل کے زخموں کا علاج بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ غم اور مصیبت کے وقت انسان ایک طرح کی تنہائی اور بے بسی محسوس کرتا ہے اور اسے کسی سہارے، کسی مددگار اور کسی انیس کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ جب بندہ مومن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو فوراً کہتا ہے کہ "اناللہ" کہ میں تنہا نہیں ہوں، میرا محبوب حقیقی میرے ساتھ ہے۔ میں بے بس نہیں ہوں، میرا مولیٰ، میرا مالک، میرا مددگار ہے۔ وہی میرا سہارا ہے اور وہی میرا انیس ہے۔ پس غمزدہ آدمی "اناللہ وانا الیہ راجعون" کے مبارک کلمات کے ذریعے سے عشق الٰہی کی سکون آور آغوش میں پناہ لے لیتا ہے اور یوں اسکا غم ہلکا ہو جاتا ہے اور اسے تنہائی اور بے بسی کا احساس بھی نہیں ستاتا۔ ادھر غمزدہ اور مصیبت زدہ بندہ روتے ہوئے، بلکتے ہوئے، معصوم بچے کی طرح عشق الٰہی کی آغوش محبت کی طرف دوڑتا ہے تو رحمت الٰہی آگے بڑھ کر اسے سینے سے چمٹالیتی ہے اور اس پر ہدایت و رحمت کے ایسے بوسے نچھاور کرتی ہے کہ وہ سارے غم بھول جاتا ہے اور ایک نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ بے شک سچ کہا کہنے والوں نے کہ "صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے"۔

الصبر کا سمه مرٌّ مذاقته — لکن عواقبه احلیٰ من العسل

صبر اپنے نام کی طرح کڑوا ہوتا ہے — لیکن اسکا انجام شہد سے بھی میٹھا ہوتا ہے

(۳) صبر کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔ (آل عمران: ۱۴۶)

"اور بہت سے نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سارے اللہ والے (اللہ کے دشمنوں سے) سے لڑتے ہیں تو جو مصیبتیں ان پر اللہ کے راستے میں واقع ہوئیں ان کے سبب انہوں نے نہ ہمت ہاری اور نہ بزدلی کی نہ

(کافروں سے) دبے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے"۔

یہاں صبر سے، جہاد میں اور کافروں کے مقابلے میں ثابت قدمی مراد ہے جو صبر کا ایک عظیم شعبہ ہے۔ حضرت محقق عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"یعنی (ان اللہ والوں نے) مصائب و شدائد کے ہجوم میں نہ گھبراہٹ کی کوئی بات کہی نہ مقابلہ سے ہٹ جانے اور دشمن کی اطاعت قبول کرنے کا ایک لفظ زبان سے نکالا...... جب پہلی امتوں کے حق پرستوں نے مصائب و شدائد میں اس قدر صبر و استقلال کا ثبوت دیا تو اس امت کو (جو خیر الامم ہے) ان سے بڑھ کر صبر و استقامت کا ثبوت دینا چاہئے"۔

(تفسیر عثمانی: ص:۸۹)

اللہ تعالیٰ نے "واللہ یحب الصابرین" فرما کر صابرین سے اپنی خصوصی محبت کا اعلان فرمادیا اور اپنی محبت کا شربت پلا کر انکی محنت، جفاکشی اور تکالیف اور تھکاوٹوں میں ان کے لئے سکون کا سامان کر دیا۔

(۴) صبر کی بدولت دین کی امامت اور پیشوائی کا مقام نصیب ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی وراثت ملتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔ (السجدۃ: ۲۴)

"اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے سیدھی راہ چلاتے تھے جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے"۔

اس آیت کی مختصر تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

(۵) صبر کے ذریعے سے انسان کو خیر اور بھلائی نصیب ہوتی ہے۔

وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

"اور اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا

رَّحِیْمٌ. (النساء: ۲۵)

ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے"۔

اپنی شہوت کو قابو میں رکھنا اور شادی وغیرہ کے معاملات میں اپنی وقتی خواہشات کو ضبط کر کے زیادہ بہتری کی صورت اختیار کرنا بھی صبر ہے۔ اور اس صبر کو سراسر خیر قرار دیا گیا ہے۔ عام طور پر لوگ شہوت کے وقت بے قابو ہو جاتے ہیں اور شادی وغیرہ کے معاملے میں بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں، ایسے لوگ اس خیر عظیم سے محروم ہو جاتے ہیں جو صبر کی صورت میں ملتی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ. (النحل: ۱۲۶)

"اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے"۔

جب بھی کوئی شخص دعوت و تبلیغ کے میدان میں اترتا ہے تو اسے گمراہی کے سوداگروں کی طرف سے طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں۔ اب شریعت نے اس بات کا اختیار دیا ہے کہ اگر طاقت ملنے کے بعد تم ان سے بدلہ لینا چاہو تو برابر کا بدلہ لے سکتے ہو۔ لیکن اگر تم نے صبر کیا تو اس میں بڑی خیریں پوشیدہ ہیں۔ کیونکہ اس کے ذریعے سے تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہو جائے گی اور تمہارا شمار صابرین میں ہو گا۔ یوں دعوت بھی زیادہ پھیلے گی اور تمہیں بھی زیادہ اجر ملے گا۔ البتہ جہاد کا حکم اس کے ہرگز منافی نہیں ہے کیونکہ جہاد یعنی قتال فی سبیل اللہ خود ایک دعوت اور بہت بڑا صبر ہے، کما لا یخفی علی العلماء.

(۶) صبر کرنے والوں کے لئے بہترین اجر کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ ارشادی باری تعالیٰ ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ

"جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا اور

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (النحل: ۹۶)

جن لوگوں نے صبر کیا ہم ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے"۔

آج دنیا کی تھوڑی سی تنخواہ، مزدوری اور اجرت کی خاطر لوگ کیا کیا تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور کس کس طرح کی پابندیاں برداشت کرتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سپاہیوں اور فوجیوں کو دیکھا کہ وہ گرمیوں کے موسم میں گرم وردی اور گرم لوہے کی ٹوپیاں پہن کر گھنٹوں ایک حالت میں کھڑے رہتے ہیں اور اپنا جسم تک نہیں کھجاتے۔ یہ سب تھوڑی سی تنخواہ کی خاطر کیا جاتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے عظیم خزانوں سے بہترین اجر پانے کے لئے انسان خود کو پابند نہیں کر سکتا اور ضبط نفس کا مظاہرہ نہیں کر سکتا؟ بے شک جو لوگ آخرت کی زندگی کو اصل سمجھتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنے والے عظیم اجر کی اہمیت اور ضرورت کا احساس ہے، وہ اس موقع پر صبر کرتے ہیں جہاں شریعت ان سے صبر کا تقاضا کرتی ہے۔

(۷) صابرین کے لئے جنت کے اونچے اونچے بالاخانوں اور فرشتوں کی طرف سے خوش آمدید اور سلام کی بشارت ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا. (الفرقان: ۷۵)

"ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیئے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا و سلام کے ساتھ ملاقات کریں گے"۔

صبر اونچی صفت ہے اسکا بدلہ بھی اونچا ہے۔ صابر آدمی دنیا میں بھی بلند اور آخرت میں بھی بلند۔ پھر چونکہ صابر آدمی اللہ تعالیٰ کا پیارا ہوتا ہے اس لئے فرشتے بھی اس سے پیار کرتے ہیں اور وہ قیامت کے دن جوق در جوق اس کے استقبال کے لئے آئیں گے۔

(۸) صبر ہی کی بدولت انسان کو وہ اچھی خصلتیں اور عادتیں نصیب ہوتی ہیں جنکی بنا پر وہ دعوت الی اللہ کے اہم فریضے کو بحسن و خوبی ادا کر سکتا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ (حم السجدہ: ۳۵)

"یہ بات ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر (یعنی برداشت) کرنے والے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑی قسمت والے ہیں"۔

پچھلی آیات میں دعوت الی اللہ کی فضیلت اور اہمیت کا بیان اور داعی کے لئے بعض ضروری صفات کو ذکر فرمایا گیا ہے، اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ یہ عظیم صفات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں جو صبر کرنے والے اور بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں۔ پس وہ شخص جو برداشت کرنے اور سہارنے کی طاقت کے بغیر دعوت دینے نکل کھڑا ہوتا ہے، وہ اس مبارک میدان میں زیادہ دیر نہیں چل سکتا۔ بلکہ ذاتیات میں پڑکر اپنے اصلی مقصد کو بھول جاتا ہے اور بعض اوقات فتنوں کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ داعی کے ساتھ کئی لوگ ہمیشہ برائی سے پیش آتے ہیں اور بعض لوگ اسے مال اور عزت کی لالچ دیکر بچلاتے ہیں اور بعض اوقات شیطان اسے خودرائی اور دکھلاوے میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ایک داعی میں اگر صبر کی صفت نہ ہو تو وہ کس کس کا مقابلہ کرے گا۔

(۹) صبر کے بدلے جنت کا ریشم ملتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا۔ (الدھر: ۱۲، ۱۳)

"اور (اللہ تعالیٰ) ان کے صبر کے بدلے ان کو جنت (کے باغات) اور ریشم (کے ملبوسات) عطا فرمائے گا ان میں وہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہونگے وہاں نہ دھوپ (کی حدت) دیکھیں گے نہ سردی کی شدت"۔

وہ بیٹا جو اپنی ماں کی خاطر سارا دن دھوپ میں مزدوری اور نوکری کرتا ہے جب شام

کو پیسے لے کر ماں کے پاس لوٹتا ہے تو ممتا کی محبت بیٹے کی وفاداری، خدمت اور تکلیف کو دیکھ کر جوش مارتی ہے اور ماں اپنے بیٹے کو نرم سے نرم بستر بچھا کر بٹھاتی ہے اور اسے کھانے پکا پکا کر کھلاتی ہے اور محبت کے مارے اس پر واری جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ماں کی بنسبت اپنے بندوں پر زیادہ شفیق ہے پس وہ بندہ جو اللہ کے لئے صبر کرتا ہے اور عبادت میں خود کو تھکاتا ہے" گناہوں سے بچنے کی مشقت برداشت کرتا ہے اور دنیا کے غم اور مصیبتوں کو اللہ کی رضا کے لئے صبر کے ساتھ سہتا ہے، اور اللہ کے کلمے کی بلندی کے لئے میدان جہاد میں ڈٹ کر لڑتا ہے اور ہر پہلو پر زخم کھاتا ہے، یہ بندہ جب مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس جاتا ہے تو پھر اس کی تھکاوٹوں اور تکلیفوں اور غموں کو دور کرنے کے لئے محبوب حقیقی نے جو انتظام فرمایا ہے، مذکورہ بالا آیات میں اسی کی ایک جھلک کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱۰) صبر کی بدولت انسان دشمنوں کے شر اور انکی سازشوں سے محفوظ رہتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ۔ (آل عمران: ۱۲۰)

"اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو ان (دشمنوں) کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر احاطہ کئے ہوئے ہے"۔

حضرت محقق عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال گزرے کہ جب ہم ان (دشمنوں) سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں گے تو وہ زیادہ غیظ و غضب میں آکر ہمارے خلاف تدبیریں کریں گے اور بیش از بیش نقصان پہنچانا چاہیں گے۔ اسکا جواب دیا کہ تم صبر و استقلال اور تقویٰ وطہارت پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو گے تو ان کا کوئی داؤ فریب تم پر کارگر نہ ہوگا۔ جو کارروائیاں وہ کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور اس کو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ ان کا تار پود بکھیر کر رکھ دے۔

تم اپنا معاملہ خدا سے صاف رکھو پھر تمہارے راستہ سے سب کانٹے صاف کردیے جائیں گے"۔(تفسیر عثمانی: ص:۸۴)

(۱۱) صبر ہی کی بدولت اپنے سے طاقتور دشمن پر جہاد میں فتح نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ. اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ.

(الانفال: ۶۵،۶۶)

"اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے۔اگر تم میں بیس آدمی صابر (یعنی ثابت قدم رہنے والے) ہونگے تو دو سو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر سو (ایسے) ہونگے تو ہزار پر غالب رہیں گے اس لئے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔اب اللہ تعالیٰ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کردیا اور معلوم کرلیا کہ تم میں کسی قدر کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں سے ایک سو صابر (یعنی ثابت قدم رہنے والے) ہونگے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ایک ہزار ہونگے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے۔اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے"۔

یہاں صبر سے مراد قوت قلبی ہے اور یہی قوت قلبی تائید الٰہی کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں اپنے سے کئی گنا زیادہ اور طاقتور دشمن پر غالب کرنے میں مددگار بنتی ہے۔

(۱۲) صبر وہ صفت ہے جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی تعریف فرماتا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ.

"بے شک ہم نے ان کو صبر کرنے والا پایا۔ بہت خوب بندے تھے۔ بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے"۔ (ص: ۴۴)

ان آیات میں حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان کے مثالی صبر پر تعریف فرمائی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا۔ گھر والے ہلاک ہوگئے۔ مال مویشی اور گھربار بھی تباہ وبرباد ہوگئے۔ دوست احباب سب بچھڑ گئے۔ اور طرح طرح کی بیماریوں نے جسم پر حملہ کردیا۔ سوائے ایک بیوی کے کوئی بھی ساتھ نہ رہا مگر صبر کا دامن تب بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر دل وجان سے راضی رہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ سے مصیبتیں دور ہونے کی التجا کرتے رہے بالآخر صبر کا میٹھا پھل ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور پہلے سے دگنی نعمتیں عطا فرمادیں۔ اور ان کے واقعے کو ایک یادگار بنادیا کہ دنیا میں جب کسی اللہ کے بندے پر مصیبت آئے تو وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر واستقلال کو یاد کرے اور انکی پیروی کرے تب وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائیگا۔ اور بالآخر اسکی تنگیاں وسعتوں میں اور مصیبتیں راحتوں میں بدل جائیں گی۔

(۱۳) صبر کرنا اور صبر کی نصیحت کرنا ان صفات میں سے ہے جنکی بدولت انسان ہر طرح کے خسارے اور نقصان سے بچ سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ.

(العصر: پارہ ۳۰)

"اور قسم ہے زمانے کی! تحقیق تمام کے تمام انسان خسارے میں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے"۔

انسان کو آخرت کی تیاری کیلئے چھوٹی سی زندگی ملی اور یہ زندگی بغیر رکے گزرتی جاتی ہے اور اس میں ایک لمحہ برابر مہلت نہیں ملتی۔ پس عام لوگ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو فضول کاموں اور گناہوں میں گزار کر بڑے سخت خسارے اور گھاٹے میں جا پڑے ہیں۔ البتہ چار کام ایسے ہیں جن میں انسان کا جتنا وقت گزرے گا وہ وقت بہت قیمتی بن جائے گا اور اس وقت کا گزرنا انسان کے لئے ندامت اور خسارے کا باعث نہیں بلکہ سعادت اور کامیابی کا باعث بنے گا۔ وہ چار کام یہ ہیں: (۱) ایمان (۲) نیک اعمال (۳) حق کی دعوت (۴) اور ایک دوسرے کو صبر واستقامت کی تلقین۔

حقیقت میں ان چاروں کا ایک دوسرے کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ذریعہ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی تفسیر بہت دلچسپ اور ایمان افروز ہے مگر یہاں اس کے بیان کا محل نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ چار اعمال جن پر انسانیت کی فلاح کا مدار ہے، صبر اور اسکی تاکید و تلقین بھی انہیں میں سے ایک ہے۔ بس اسی سے صبر کی اہمیت، ضرورت اور فضیلت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

(۱۴) صبر "ابواب البر" میں سے ہے۔ یعنی صبر ان نیکیوں میں سے ہے جنکی بدولت انسان کا شمار صادقین اور متقین میں ہوتا ہے اور انہیں نیکیوں کی بدولت انسان کے دعوائے ایمان کو سچا سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. (البقرۃ: ۱۷۷)

"اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور (دشمنوں سے جہاد میں) لڑائی کے وقت، یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں پرہیزگار"۔

اس آیت کے آغاز میں اور بھی کئی نیکیوں کا تذکرہ ہے جن کا تعلق عقیدے، اعمال اور اخلاق کے ساتھ ہے۔ ان نیکیوں کے آخر میں صبر کو بیان فرما کر آخر میں یہ بشارت سنا

دی گئی کہ جو شخص صبر سمیت ان تمام نیکیوں کو اختیار کرے گا اسی کا دعویٰ ایمان سچا ہوگا اور ایسے شخص کو تقویٰ کی دولت بھی نصیب ہوگی۔

(۱۵) صبر کی صفت کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ کی آیات سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ. (ابراہیم: ۵)

"اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور ان کو اللہ کے دن یاد دلاؤ اور اس میں ان لوگوں کے لئے جو صابر وشاکر ہیں نشانیاں ہیں"۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ. (لقمان: ۳۱)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کی مہربانی سے کشتیاں دریاؤں میں چلتی ہیں تاکہ وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھائے۔ بے شک اس میں ہر صبر کرنے والے (اور) شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں"۔

یعنی صبر و شکر کی صفات انسان میں بیداری پیدا کر دیتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے واقعات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح ظالموں کے انجام کو دیکھ کر عبرت پکڑتا ہے اور برائیوں سے بچتا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ. (سبا: ۱۹)

"انہوں نے اپنے حق میں ظلم کیا تو ہم نے (انہیں نابود کر کے) ان کے افسانے بنا دیئے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس میں ہر صابر وشاکر کے لئے نشانیاں ہیں"۔

چونکہ صبر و شکر کا فقدان ہی قوموں کو بدترین تباہی کی طرف لے جاتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح استعمال کرنے والے شاکرین اور ہر حال میں اللہ کے ساتھ جڑے رہنے والے صابرین ہی ظالموں کے انجام سے سبق لیتے ہیں اور صبر و شکر کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے تباہی اور بربادی سے محفوظ رہتے ہیں۔

قرآن مجید میں صبر کا بیان بہت تفصیلی ہے۔ ہم ان پندرہ فضائل و فوائد پر اکتفا کرتے ہوئے اب ایک نظر حضور اکرم ﷺ کی مبارک احادیث پر ڈالتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بھی امت کو اپنے اندر صفت صبر پیدا کرنے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے اور صبر کے مختلف شعبوں کی اہمیت کو اپنے اثر انگیز جامع الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

آیئے صبر کے بارے میں چند احادیث پڑھتے ہیں:

(۱) صبر روشنی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

والصّبر ضیاءٌ. (صحیح مسلم) ”اور صبر روشنی ہے“۔

یعنی صبر وہ روشنی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندے کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور اسے کامیابی کے ایسے راستے سجھاتا ہے جن پر چل کر انسان ناکامی سے بچتا ہے۔ پس جو شخص صبر سے محروم ہے وہ روشنی سے محروم ہے۔ ایسا شخص اپنے نفس کے اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے اور صراط مستقیم سے بہت دور جا گرتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

(۲) صبر حاصل کرنے کا طریقہ۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ومن یتصبّر یُصَبِّرہ اللہ. ”اور جو صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا فرمادے گا“۔

(بخاری: ص:۹۵۸، ج۲، مسلم)

لیکن اگر انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمت کرے اور خوشی سے صبر کا کڑوا گھونٹ پی لے اور اللہ کے سوا کسی کے سامنے اپنے غموں کی شکایت نہ کرے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ صبر عطا فرمادیتا ہے۔ یعنی اس کے دل کو مطمئن کردیتا ہے اور صبر کی جزاء دنیا و آخرت میں

اسے عطا فرمادیتا ہے۔

(۳) صبر میں خیر ہی خیر ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

عجبا لامر المؤمن ان امرہ کلہ لہ خیر، ولیس ذلک لاحد الا للمؤمن، ان اصابتہ سرّاء شکر فکان خیرا لہ وان اصابتہ ضرّاء صبر فکان خیرًا لہ. (مسلم)

”مومن کا معاملہ بھی عجیب (یعنی باعث فرحت) ہے۔ اس کے ہر معاملے میں خیر ہی خیر ہے۔ اور یہ مومن ہی کی خصوصیت ہے۔ جب اسے خوشی نصیب ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے تو یہ اس کے لئے خیر ہوگئی اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے تو یہ (بھی) اسکے لئے خیر ہوگئی“۔

یعنی اصل ایمان والا وہی ہے جسے نہ تو اچھے حالات اللہ کے احکامات سے باغی اور اللہ کی یاد سے غافل کرتے ہیں اور نہ برے حالات اسے مایوسی اور بدگمانی میں مبتلا کرتے ہیں بلکہ وہ تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ رہتا ہے۔ خواہ اس کے قبضے میں سونے چاندی کے ڈھیر ہوں یا بھوک کی وجہ سے اس کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہوں۔

(۴) صبر کا بہترین وقت۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

انما الصبر عند الصدمۃ الاولی. (بخاری و مسلم)

”صبر تو پہلے صدمہ کے وقت ہوتا ہے“ (یعنی اصل صبر وہ ہے جو غم کے پہلے جھٹکے کے وقت کیا جائے)

یہ جامع الفاظ آپ ﷺ نے امت کی تربیت کے لئے ارشاد فرمائے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو ایک قبر کے نزدیک بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔ اس عورت نے (حضور اکرم ﷺ کو نہیں پہچانا اور) کہا مجھے چھوڑ دیجئے کیونکہ مجھ پر جو

مصیبت آئی ہے وہ آپ پر نہیں آئی اور آپ میری مصیبت کو نہیں جانتے۔ بعد میں اس عورت کو بتایا گیا کہ وہ (جو تجھے نصیحت فرمارہے تھے) اللہ کے نبی ﷺ تھے۔ وہ فوراً آپکے گھر پر حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ کے دروازے پر کوئی دربان نہیں تھے۔ اس عورت نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبر تو پہلے صدمہ کے وقت ہوتا ہے۔

(۵) خوف کے وقت صبر۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

فليس من عبد يقع فى الطاعون فيمكث فى بلده صابرا محتسبا يعلم انه لا يُصيبهُ الاما كتب الله له الا كان له مثل اجر الشهيد. (بخاری)

جو شخص طاعون کے پھیل جانے کے وقت اپنے شہر میں صبر اور اجر کی امید کے ساتھ رکا رہے گا اور اس بات کا یقین رکھے گا کہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی مگر جو اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے لکھ دی ہے تو ایسے شخص کو شہید کے اجر جیسا ثواب ملے گا۔

(۶) کسی محبوب کی موت کے وقت صبر۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يقول الله تعالىٰ: ما لعبدى المومن عندى جزاء اذا قبضتُ صفيّه من اهل الدنيا ثم احتسبه الا الجنة. (بخاری)

میرے نزدیک اس بندہ مومن کی جزا جنت ہے جسکے دنیا میں کسی پیارے کو میں اٹھالیتا ہوں اور وہ اجر کی امید پر صبر کرتا ہے۔

(۷) معذوری میں صبر۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله عزوجل قال اذا ابتليت عبدى بحبيبته فصبر عوضتهُ منهما الجنة، يريد عينيه. (بخاری)

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب میں کسی بندہ سے اسکی دو پیاری چیزیں (یعنی آنکھیں) لے لیتا ہوں پھر وہ صبر کرتا ہے تو

میں اسے ان دو آنکھوں کے بدلے جنت عطا فرمادیتا ہوں۔

(۸) تکلیف میں صبر۔ ایک روایت میں آیا ہے:

عن عطاء بن ابى رباح قال: قال لى ابن عباس رضى الله عنهما: الا اريك إمراة من اهل الجنة؟ فقلت بلى، قال هذه المرأة السوداء، اتت النبى صلى الله عليه وسلم فقالت: انى اصرع وانى اتكشف فادع الله تعالىٰ لى: قال ان شئت صبرت ولك الجنة وان شئت دعوت الله تعالىٰ ان يعافيك. فقالت اصبر، فقالت انى اتكشف فادع الله ان لا اتكشف فدعا لها.

(بخاری، مسلم)

عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں آپکو ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا ضرور۔ انہوں نے فرمایا یہ کالی خاتون حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ مجھ پر مرگی (بیہوشی) کا دورہ پڑتا ہے اور بیہوشی کے وقت میرا جسم کھل جاتا ہے آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے (صحت کی) دعا فرمادیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو صبر کرو اس پر تمہیں جنت ملے گی اور اگر چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیتا ہوں کہ وہ تمہیں صحت دے۔ اس عورت نے کہا میں صبر کرتی ہوں۔ پھر اس نے عرض کیا کہ بیہوشی میں میرا جسم کھل جاتا ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ایسا نہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے لئے دعا فرما دی"۔

(۹) دعوت الی اللہ کے راستے میں آنے والے مصائب پر صبر۔ حضرت عبداللہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كأني أنظر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يحكى نبيا من الانبياء صلوت الله وسلامه عليهم، ضربه قومه فأدموه وهو يمسح الدم عن وجهه يقول: اللهم اغفر لقومي فانهم لا يعلمون. (بخاری، مسلم)

"گویا کہ وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ حضور اکرم ﷺ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ایک نبی کا حال بیان فرمارہے تھے کہ قوم نے اس نبی کو اس قدر مارا کہ وہ خون میں لت پت ہوگئے۔ وہ اپنے چہرے سے خون کو صاف کرتے ہوئے فرمارہے تھے اے میرے پروردگار! میری قوم کو بخش دے کیونکہ یہ انجان ہیں۔

(۱۰) بیماری میں صبر۔

عن عطاء بن يسار قال اذا مرض العبد بعث الله تعالى اليه ملكين فقال انظر ماذا يقول لعوّاده فان هو اذجاء وه حمد الله واثنى عليه رفعا ذلك الى الله عزوجل وهو اعلم فيقول لعبدى علىّ ان توفيته أن ادخله الجنة وإن انا شفيته ان ابدل لحما خيرا من لحمه ودما خيرا من دمه وان اكفر عنه سيئاته. (موطا امام مالک)

"حضرت عطا بن یسار سے روایت ہے کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو وہ اپنے عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے؟ جب عیادت کرنے والے اس کے پاس آتے ہیں تب اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ تک یہ بات پہنچاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ (خود) زیادہ بہتر جانتے ہیں تب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر میرے بندے کا یہ حق ہے کہ اگر میں نے اسے وفات دی تو اسے جنت میں داخل کروں

گا اور اگر شفا دے دی تو اسے اس کے پہلے گوشت وخون سے بہتر گوشت وخون عطا کرونگا اور اسکی برائیوں کو معاف کردوں گا"۔

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن النبی ﷺ انه عاد مريضا ومعه ابو هريرة من وعك كان به فقال رسول الله: أبشر فان الله يقول هى نارى اسلطها على عبدى المؤمن فى الدنيا لتكون حظه من النار فى الآخرة. (ابن ماجہ)

"حضور اکرم ﷺ نے بخار میں مبتلا ایک مریض کی عیادت فرمائی اور آپکے ساتھ ابوہریرہؓ تھے رسول اللہ ﷺ نے (مریض سے) فرمایا تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ (بخار) میری آگ ہے جسے میں دنیا میں اپنے بندے پر اس لئے مسلط کرتا ہوں تاکہ آخرت میں اسکے حصے کی آگ کا (بدل) ہوجائے"۔

(۱۱) لوگوں کی باتوں پر صبر:

حضور اکرم ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر جب مال غنیمت تقسیم فرمایا تو بعض لوگوں نے اس تقسیم پر کچھ اعتراضات کئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی یہ باتیں حضور اکرم ﷺ تک پہنچائیں تو آپ ﷺ کے چہرے مبارک کا رنگ سرخ ہوگیا مگر پھر بھی آپ نے ضبط فرماکر یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

فمن يعدل اذا لم يعدل الله ورسوله؟ ثم قال: يرحم الله موسى قد اوذى باكثر من هذا فصبر. (بخاری، مسلم)

"اگر اللہ اور اسکا رسول بھی انصاف نہیں کرتے تو پھر کون انصاف کرتا ہے؟ پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو موسیٰ پر کہ انہیں اس سے بھی زیادہ ایذا پہنچائی گئی مگر

انہوں نے صبر کیا"۔

یعنی آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صبر کو یاد فرما کر لوگوں کی باتوں پر صبر فرمایا۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر صبر۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وان الله تعالى اذا أحب قوما ابتلاهم فمن رضي فله الرضى ومن سخط فله السخط. (ترمذی)

"اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتا ہے تو انہیں آزمائش میں ڈال دیتا ہے پس جو راضی رہتا ہے (یعنی صبر کرتا ہے) تو اس کے لئے (اللہ تعالیٰ کی) رضا ہے اور جو ناراض ہوتا ہے (یعنی بے صبری کرتا ہے) اس کیلئے (اللہ تعالیٰ کی) ناراضگی ہے۔

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

ما من مسلم يصيبه اذى شوكة فما فوقها الاكفر الله بها سيئاته وحُطّ عن ذنوبه كما تحط الشجرة ورقها. (بخاری، مسلم)

جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے کانٹا چبھنے کی یا اس سے زیادہ تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسکی برائیوں کو مٹا دیتے ہیں اور اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے۔

ایک اور روایت میں حضور اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

من يرد الله به خيرا يصيب منه. (بخاری)

اللہ تعالیٰ جس سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے مصیبت میں مبتلا فرماتے دیتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

ما يزال البلاء بالمومن والمومنة في نفسه وولده وما له حتى يلقى الله تعالى وما عليه خطيئة. (ترمذی)

ایمان والے مرد اور ایمان والی عورت پر برابر آزمائشیں آتی رہتی ہیں اسکی جان، اسکی اولاد اور اسکے مال میں یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے تو اس پر کوئی گناہ (باقی) نہیں ہوتا۔

(۱۳) غصے میں صبر۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ليس الشديد بالصرعة انما الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب. (بخاری، مسلم)

طاقتور وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے (بلکہ) طاقتور تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے (یعنی صبر کرے)"۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كظم غيظا وهو قادر على ان ينفذه دعاه الله سبحانه وتعالى على رؤوس الخلائق يوم القيمة حتى يخيره من الحور العين ماشاء. (ابوداؤد، ترمذی)

"جس نے غصے کو نافذ کرنے (یعنی انتقام لینے) پر قدرت کے باوجود اسے دبایا (اور صبر کیا) تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ حور عین میں سے جسے چاہے لے لے"۔

(۱۴) اپنے حقوق کے بارے میں صبر کرنا۔

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام میں سے بعض کو فرمایا:

انها ستكون بعدي أثرة وامور تنكرونها. قالوا يا رسول الله! فما تأمرنا؟ قال: تؤدون الحق الذي

"میرے بعد تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی اور ایسے کام بھی ہونگے جنہیں تم برا جانو گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا (ان حالات

علیکم وتسالون الله الذی لکم. (بخاری، مسلم)

میں) آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم وہ حقوق ادا کرتے رہنا جو تمہارے ذمے ہیں اور اپنے حقوق کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرنا"۔

(۱۵) جہاد میں صبر۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا ایها الناس لا تتمنوا لقاء العدو واسئلوا الله العافیة فاذا لقیتموهم فاصبروا. واعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف. (بخاری، مسلم)

"اے لوگو! دشمن سے لڑنے کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو پھر جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر (یعنی استقلال) کے ساتھ لڑو اور جان لو کہ بے شک جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔

جہاد میں صبر واستقامت کے فضائل اور ضرورت پر وارد ہونے والی احادیث بہت زیادہ ہیں کیونکہ مجاہد کے لئے صابر ہونا ضروری ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: "فضائل جہاد" تلخیص مشارع الاشواق۔

(۱۶) صابرین کے لئے بیت الحمد۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اذا مات ولد العبد قال الله لملائکته: قبضتم ولد عبدی؟ فیقولون نعم فیقول. قبضتم ثمرة فؤاده؟ فیقولون نعم فیقول ماذا قال عبدی؟ فیقولون حمدك واسترجع فیقول الله: ابنوا لعبدی بیتا فی الجنة وسمّوه بیت الحمد. (ترمذی)

جب کسی کا لڑکا انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں تم نے میرے بندے کے لڑکے کی روح قبض کرلی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے اس کے دل کے پھل کو چھین لیا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جی ہاں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اس نے آپکی حمد بیان کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بنادو اور اسکا نام بیت الحمد رکھ دو۔

حدیث شریف میں صبر کے اور بھی فضائل وفوائد بیان فرمائے گئے ہیں ہم انہیں سولہ فوائد پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"صبر تین طرح پر ہے: ایک تو اللہ کے لئے اور وہ اس طرح کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائے۔ جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہے۔ دوسرا صبر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے یعنی آدمی اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صابر وشاکر رہے۔ تیسرا صبر اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے روزی دینے، مددگار ہونے اور آخرت کا ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے اس پر صبر کے ساتھ انتظار کرے"۔ (غنیۃ الطالبین: صبر کے بیان میں) صبر کس قدر اعلیٰ نعمت اور کس قدر عظیم خصلت ہے؟ اسکا اندازہ حضور اکرم ﷺ کے ان مبارک الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وما أعطى أحدٌ عطاءً خيرًا وأوسع من الصبر.

(بخاری: ص:۹۵۸، ج۲) "کسی انسان کو صبر جیسی بھلی اور کشادہ نعمت عطاء نہیں کی گئی"۔

یعنی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں اور عطائیں نصیب ہوئی ہیں ان میں سے سب سے بہتر اور سب سے کشادہ نعمت صبر ہے۔

ایک عجیب نکتہ :

پیچھے گزر چکا ہے کہ بعض مفسرین حضرات نے صبر کی تفسیر روزہ سے کی ہے اور

بعض روایات میں صبر کو نصف ایمان اور روزہ کو نصف صبر قرار دیا گیا ہے۔ (کمافی احیاء العلوم للغزالی) اس سے معلوم ہوا کہ روزے کا صبر پیدا کرنے میں بہت بڑا دخل ہے کیونکہ روزے کا مطلب ہے نیت کے ساتھ صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ہمبستری سے خود کو روکنا۔ اس میں ایک طرف تو خود صبر پایا جاتا ہے کیونکہ انسان کو فطری طور پر جن چیزوں کی حاجت ہے اور وہ چیزیں حلال بھی ہیں ان سے اللہ کی رضا کی خاطر خود کو باز رکھنا بہت بڑا صبر ہے۔ دوسری طرف اس ترتیب کے ذریعے سے انسان کو اپنے اندر خصلت صبر پیدا کرنے کا طریقہ بھی سکھلا دیا گیا۔ کیونکہ روزے میں تین چیزیں ہیں اور یہی تین چیزیں انسان میں خصلت صبر پیدا کر سکتی ہیں۔ روزے میں پہلی چیز نیت ہے پس نیت اور عزم کے ذریعے سے انسان صابر بن سکتا ہے۔ روزے دار صبح صادق سے پہلے یہ نیت کر لیتا ہے کہ آج میں کھانے پینے سے دور رہوں گا اور بیوی کے پاس بھی نہیں جاؤں گا۔ اس نیت اور عزم کی وجہ سے سارا دن اسے یہ پابندیاں برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ نیت اور عزم کا اثر انسان کی فطرت اور طبیعت پر پڑتا ہے اور جب نیت اور عزم پختہ ہو تو انسان کی طبیعت اور فطرت بھی اس کے مطابق بن جاتی ہے جیسا کہ ہر مسلمان اس بات کا پختہ عزم رکھتا ہے کہ وہ خون نہیں پیئے گا اور خنزیر کا گوشت نہیں کھائے گا۔ مسلمان کے اس پختہ عزم اور نیت کا اثر اس کے مزاج اور طبیعت پر ایسا پڑتا ہے کہ اسے طبعی طور پر خون سے اور خنزیر کھانے سے نفرت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر اسے مجبور بھی کیا جائے تو وہ یہ کام آسانی سے نہیں کر سکتا۔ بس اسی طرح اگر کوئی انسان اس بات کا پختہ عزم اور نیت کر لے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر ڈٹے رہنا ہے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑے رہنا ہے تو اسکی طبیعت اور مزاج کے اندر صبر اور پختگی پیدا ہو جائے گی۔ روزے میں دوسری چیز کھانے پینے اور ہم بستری سے خود کو روکنا ہے اس سے یہ سبق ملا کہ انسان کے بس میں ہے کہ وہ خود کو حلال کاموں سے بھی روک سکتا ہے اور جب تک وہ اپنے آپکو روکے گا نہیں، اس وقت تک وہ روزے دار نہیں ہو سکتا۔ بس اپنے

نفس کو روکنا ہی اونچے مقامات پانے کا ذریعہ ہے اور صبر کی خصلت بھی تبھی پیدا ہوتی ہے جب انسان اپنے نفس کو حرام سے اور برائیوں سے روکے۔ اس طرح سے روزے نے انسان کو صابر بننے کا طریقہ سکھا دیا۔ بس جو شخص اپنے نفس کو جتنا زیادہ روکے گا وہ اتنا ہی بڑا صابر ہو گا۔

روزے میں تیسری چیز وقت کا تعین ہے کہ غروب آفتاب تک خود کو بعض کاموں سے روکے اور یہ بات لازمی ہے کہ جب کسی پابندی کے لئے وقت مقرر کیا جاتا ہے تو اس پابندی کو نبھانا آسان ہو جاتا ہے۔ روزے دار کو معلوم ہوتا ہے کہ غروب آفتاب تک میں خود کو کھانے پینے سے روکوں گا لیکن جب سورج غروب ہو جائے گا تو پھر طرح طرح کی نعمتیں مجھے ملیں گی اور ان نعمتوں سے وقتی دوری کی وجہ سے ان کے لطف اور مزے میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

روزے میں وقت کے تعین سے یہ سبق ملا کہ جب صابر آدمی اپنے نفس کو برائیوں اور غفلتوں سے روکتا ہے تو اسکا نفس پوچھتا ہے کہ یہ پابندیاں کب تک لگی رہیں گی؟ صابر آدمی روزے سے سبق سیکھ کر کہتا ہے کہ یہ پابندیاں موت کے وقت تک ہیں اور اگر تم موت کی گھڑی تک رکے رہے تو موت کے فوراً بعد تم پر سے ساری پابندیاں اٹھا لی جائیں گی اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی نصیب ہو گی اور ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی جنکا تم نے تصور بھی نہیں کیا۔ اگر تم دنیا میں زنا سے رکو گے تو تمہیں آخرت میں حوروں کا سحر انگیز قرب نصیب ہو گا۔ یہاں حرام کھانے سے رکو گے تو جنت کے لذیذ کھانے تمہارا مقدر بنیں گے۔ یہاں مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے جھیلو گے تو آخرت میں میدان حشر کا بوجھ ہلکا ہو گا اور اس دن جب تمہیں ان مصیبتوں پر اجر وثواب سے نوازا جائے گا تو دنیا میں عافیت کے ساتھ رہنے والے لوگ تمنا کریں گے کہ ہائے کاش! دنیا میں ان کے جسم لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جاتے تاکہ انہیں بھی آخرت میں یہ اجر ملتا۔ جس طرح روزے دار کی پیاس افطار کے وقت ٹھنڈے شربت کے گھونٹ کے ساتھ ہی لذت میں بدل جاتی ہے اسی طرح موت کے بعد سے ہی صابرین کے لئے بے حساب اجر کی لذت شروع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب. (زمر: ۱۰) "جو صبر کرنے والے ہیں انکو بے شمار ثواب ملے گا"۔

خلاصہ یہ ہوا کہ روزے میں موجود تینوں چیزیں یعنی عزم، نفس کو روکنا، اور وقت کا تعین، صبر سیکھنے کا طریقہ اور صبر کا نصاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو یہ پیاری خصلت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

عبرت و موعظۃ :

صبر ایک نعمت اور بے صبری ایک بیماری ہے۔ یہودیوں نے اپنے اندر صبر کی خصلت حمیدہ کو پیدا نہیں کیا چنانچہ وہ حرص و بے صبری کے مرض میں مبتلا ہوئے جبکہ ہمارے اکابر حضرات صحابہ کرام نے صبر کے ہر شعبے میں عروج حاصل کیا اور وہ اپنے صابرانہ طرز عمل کے ذریعے ان بلندیوں تک جا پہنچے جہاں انہیں "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا عظیم مقام نصیب ہو گیا۔ حضرت طالوت علیہ السلام کے لشکر میں موجود اکثر یہودی تو پانی کے چند گھونٹوں سے صبر نہ کر سکے اور بے تحاشا پانی پی کر ڈھیر ہو گئے۔ جبکہ حضرات صحابہ کرام نے اللہ کے حکم سے منہ کے ساتھ لگے ہوئے شراب کے جام پھینک دیئے اور جب شراب کی حرمت کے بارے میں آنے والا حکم ان کے کانوں میں پہنچا تو پھر شراب کا کوئی قطرہ ان کے ہونٹوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ یہودی تو من وسلویٰ جیسے لذیذ کھانے پر صبر نہ کر سکے اور چیخنے چلانے لگ گئے جبکہ حضرات صحابہ کرام نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے۔ درختوں کے پتے چبائے اور کئی کئی دنوں تک کھجور کی گٹھلیاں چوس کر گزارہ کیا مگر ان کی زبانوں سے شکوہ نہیں، شکر ہی کے زمزمے سنے گئے۔ یہودی تو دریا کی سطح پر ابھری ہوئی چند مچھلیاں دیکھ کر پھسل گئے اور انہوں نے ان چند مچھلیوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کے حکم کو پامال کر دیا۔ جبکہ حضرات صحابہ کرام نے تو دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ان کو

بادشاہوں نے طرح طرح کی لالچیں دیں مگر وہ راہ مستقیم سے نہ ہٹے۔ روم وفارس کے تخت وتاج اور خزانے ان کے قدموں کے نیچے آئے مگر وہ ان کے قدموں میں ہی رہے، ان کے دل میں جگہ نہ پا سکے۔ یہودیوں نے تو مچھلی جیسے ادنیٰ مال کی خاطر مالک حقیقی سے منہ موڑا جبکہ حضرات صحابہ نے تو اس مال کو بھی اپنے سے جدا کر دیا جو ایک لمحہ بھی مالک کی طرف انکی توجہ میں حائل ہوا۔ یہودی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چند دن انتظار نہ کر سکے اور انہوں نے بچھڑے کے آگے اپنی پیشانیاں جھکا دیں جبکہ حضرات صحابہ کرام گرم ریت پر لٹائے گئے، ان کے سینے پر پتھر اور گلے میں رسے ڈالے گئے، مگر انکی زبانوں سے "احد احد" کے علاوہ کچھ نہیں نکلا۔ انہیں سولیوں پر لٹکایا گیا وہاں بھی انہوں نے نبی کے ساتھ اپنی وفاداری اور اللہ کی توحید کا ڈنکا بجایا اور جب نبی رخصت ہو گئے تب بھی وہ نبی کے چھوڑے ہوئے ایک ایک نقش کی حفاظت میں زندگیاں کھپاتے رہے۔ یہودیوں نے تو توحید کا پیغام سن کر بھی اسے دل میں نہیں اتارا بلکہ جب انہوں نے کچھ اور لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا تو صبر کھو بیٹھے اور اپنے نبی کو تنگ کرنے لگے کہ ہمیں بھی ایسے ہی بت بنا کر دو جبکہ صحابہ کرام نے جب توحید کا پیغام سنا تو پھر انہوں نے ان تمام بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑا جنکی عظمت اور ہیبت جہالت کے زمانے میں ان کے دلوں پر سوار تھی مگر ایک بار کلمہ توحید پڑھ لینے کے بعد ان کے دلوں سے شرک کے تمام اثرات دھل گئے کیونکہ صحابہ کرام صابر تھے وہ جو کچھ کہتے تھے وہ اٹل ہوتا تھا۔ یہودیوں نے اپنے دشمن کو جب اپنے سے زیادہ طاقتور پایا تو نبی کے سمجھانے کے باوجود میدان جنگ میں صبر کے ساتھ نہ ڈٹ سکے بلکہ انہوں نے جہاد سے بھاگنے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا مگر حضرات صحابہ کرام میدان جہاد میں ایسے صبر واستقلال کے ساتھ لڑے کہ دنیا کی تاریخ ان کے صبر واستقلال کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انہوں نے ہر میدان میں اپنے سے بہت زیادہ طاقتور دشمن کو للکارا اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ یہودی جب کسی مصیبت یا دشمن کو اپنے سر پر دیکھتے تھے تو نبی کو طعنے دینے لگتے تھے

جبکہ حضرات صحابہ کرام جب مصیبت یا دشمن کو اپنے سر پر دیکھتے تو ان کے دل میں نبی کی محبت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی اور وہ خود کو بھول کر نبی کے تحفظ کے لئے اپنی جانیں نچھاور کرتے تھے اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر نبی کے محافظ بن جاتے تھے۔ یہودی مال و دولت اور کھانے پینے کے حرص میں مبتلا تھے جبکہ صحابہ کرام مال و دولت اور کھانے پینے کے حرص سے پاک اور اس بارے میں مثالی صبر کرنے والے تھے۔

ایک نظر گریبان پر:

حضرات صحابہ کرام کے صبر اور یہود کی بے صبری کی مختلف جھلکیاں ہمارے سامنے ہیں۔ پچھلے صفحات میں ہم صبر کے فضائل اور اسکی ضرورت اور بے صبری کے نقصانات بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں پڑھ چکے ہیں۔ اب ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنی ذات، اپنے متعلقین اور اپنے معاشرے پر ایک نظر ڈالیں اور اس بات کا محاسبہ کریں کہ کیا ہم صبر کی عظیم خصلت سے مالا مال ہو کر حضرات صحابہ کرام کے راستے پر چل رہے ہیں یا خدانخواستہ ہم نے بھی یہودیوں کی طرح زندگی کے ہر شعبے میں بے صبری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے؟ اسمیں شک نہیں کہ آج بھی مسلمانوں میں ایسے صابرین کی کمی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر خم ٹھونک کر جمے ہوئے ہیں اور نہایت ثابت قدمی کے ساتھ میدان جہاد میں صبر کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور معاشرے میں کینسر کی طرح پھیلے ہوئے گناہوں سے بھی اپنا دامن بچائے ہوئے ہیں اور سخت سے سخت مصیبتوں کو بھی ایمان اور خندہ پیشانی سے جھیل رہے ہیں۔ اللہ کے یہ نیک اور صابر بندے خوش نصیب ہیں اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ لیکن آج معاشرے کا عمومی رجحان بے صبری کی طرف ہے۔ مسلمانوں نے اللہ کی اطاعت اور عبادت کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔ اور جو لوگ عبادت واطاعت کرتے ہیں وہ بھی پوری نہیں کرتے۔ اسی طرح ہر گناہ کے کام پر آج کے اکثر مسلمان اسی طرح جھپٹتے ہیں جس

طرح میٹھے پر مکھیاں جھپٹ جھپٹ کر جمع ہو جاتی ہیں۔ اور مصیبت کے وقت تو اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتے ہیں اور اپنی مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے بعض اوقات کفر اور شرک تک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کسی کو اولاد نہیں ملتی تو وہ جا کر کسی قبر پر جھک جاتا ہے یا کسی آستانے پر جا کر غیر اللہ کے نام کی نذر نیاز مانتا ہے۔ کوئی مقدمے میں پھنس جاتا ہے تو طرح طرح کے شرکیہ وظائف اور شرکیہ اعمال میں لگ جاتا ہے۔ کسی پر بیماری آتی ہے تو وہ اس قدر ناشکری اور جزع فزع کرتا ہے کہ گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہی نہیں اور پھر بیماری سے چھٹکارے کے لئے نہ معلوم کیا کیا غلط پاپڑ بیلے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو مالی تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ بھی صبر کرنے کی بجائے بھیک مانگنے کو، یا حرام ذرائع اختیار کرنے کو، یا کافروں کی غلامی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہر طرف بے صبری ہی کا دور دورہ ہے۔ بے صبری نے آج انسانیت کو اجتماعی ہلاکت کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ مالداروں کی بے صبری نے دنیا کے معاشی نظام کو غیر متوازن کر دیا ہے جسکی وجہ سے غریب غریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آج کافروں نے بھانپ لیا ہے کہ مسلمان بھی بے صبری کا شکار ہیں چنانچہ وہ ہر طرح سے مسلمانوں کو لوٹ رہے ہیں۔ کبھی رنگا رنگ کھانے کھلا کر، کبھی طرح طرح کے مضر صحت مشروبات پلا کر اور کبھی طرح طرح کے کپڑے، جوتے اور فیشن کا سامان پھیلا کر۔

بے صبری نے انسانی ضروریات اور اس کے حرص کو بڑھا دیا ہے جسکی وجہ سے ہر آدمی مال اور پیسے کا محتاج بنتا جا رہا ہے۔ چنانچہ صحت کے نام پر بیماری اور ترقی کے نام پر معاشی عدم توازن کو پھیلایا جا رہا ہے۔ لوگوں کی خواہشات اس قدر بے صبری کا شکار ہیں کہ ایک نشے کے بعد دوسرا نشہ لوگوں میں عام ہوتا جا رہا ہے مگر خواہش ہے کہ کہیں پوری نہیں ہوتی۔ آج اگر صرف شادی کے موقع پر ہونے والی بے صبری کو لے لیا جائے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ چنانچہ کہیں زیادہ جہیز کا سانپ پھن اٹھائے بیٹھا ہے تو کہیں زیادہ مہر کے نام پر ظلم ڈھایا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں معاشرہ پاکدامنی سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کاش!

طبیعتوں میں صبر اور نفوس میں ضبط ہوتا تو یہ مسائل منٹوں میں حل کیے جاسکتے تھے مگر آج ہر طرف بے صبری اور افراتفری کا عالم ہے۔ ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے اندر صبر کی انمول خصلت کو پیدا کریں اور دنیا آخرت کے غموں سے نجات پائیں، ورنہ وہ دن زیادہ دور نہیں ہے جب صبر بھی کام نہیں آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کردیا جائے گا:

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْا اَوْلَا تَصْبِرُوْا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (طور: ۱۶)

"اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمہارے حق میں برابر ہے جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) انہیں کا تم کو بدلہ مل رہا ہے"۔

یااللہ! ان حروف کے راقم کو اور تمام مسلمانوں کو صبر کی خصلت حمیدہ عطا فرما اور دنیا آخرت میں اپنی رحمت اور عافیت سے سرفراز فرما۔

آمین ثم آمین

۱۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۰ھ۔

۲۸/ ستمبر بمطابق ۱۹۹۹ لیلۃ الاربعاء

بعد از نماز مغرب سجن کوٹ بلوال جامو ہند

☆☆☆

یهودیوں کی نویں بیماری

جھوٹ اور گناہ کی عادی زبانیں

زبان انسان کی ترجمان ہے۔ اگر انسان اسے سدھار لے تو اسکی قدر و قیمت آسمانوں پر بھی بڑھ جاتی ہے اور زمین پر بھی، اور اس کا ایک ایک جملہ قیمتی بن جاتا ہے اور وہ ایمان و عرفان کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔ لیکن اگر زبان کو نہ سدھارا جائے تو انسان کی روح ناپاک اور منزل کھوٹی ہو جاتی ہے اور وہ ذلت کے تحت الثریٰ میں جاگرتا ہے جہاں ناکامیاں اسکا استقبال کرتی ہیں۔ یوں تو زبان گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے لیکن اسکی ایک ایک حرکت پر پہاڑ لرز اٹھتے ہیں اور سمندروں میں تلاطم آجاتا ہے۔ انسان چاہے تو زبان کی ایک حرکت کے ذریعے خود کو رحمت کا مستحق بنالے اور چاہے تو زبان کی تھوڑی سی حرکت کی بدولت لعنت کا مستوجب قرار پائے۔ زبان کی ایک جنبش امن قائم کردیتی ہے اور اسی زبان کی ایک حرکت فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکا دیتی ہے۔ زبان کی شہادت کے بغیر ایمان تک معتبر نہیں ہوتا مگر اسی زبان سے نکلا ہوا ایک جملہ ایمان کو کفر میں بھی بدل دیتا ہے۔ انسان اگر چاہے تو زبان سے نکالے ہوئے ایک کلمے کے ذریعے فرشتوں سمیت اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کو اپنا ایسا گرویدہ بنالے کہ ساری مخلوق مل کر اس کیلئے استغفار اور رحمت کی دعا کرنے لگے اور اگر چاہے تو زبان سے ایک کلمہ ادا کرکے فرشتوں سمیت ساری مخلوق کو اپنا ایسا دشمن بنالے کہ ساری مخلوق اس پر لعنت بھیجنے لگے۔ زبان کے ذریعے ہی انسان کو تولا جاتا ہے اور اسکے وزن کا اندازہ لگایا جاتا ہے، اور زبان ہی کے ذریعے سے انسان کے ایمان اور اسکے دل کی کیفیت کو پہچانا جاتا ہے۔ کسی عاقل کا قول ہے:

المرء باصغریه قلبه ولسانه.   "انسان (کا مرتبہ اور مقام) اس کے جسم کی دو چھوٹی چیزوں یعنی دل اور زبان کے ذریعے سے پہچانا جاتا ہے"۔

ایک شاعر اس مفہوم کو یوں ادا کرتا ہے۔

لسان الفتی نصف ونصف فؤداه   فلم یبق الاصورة اللحم والدم

"مرد کی زبان اسکا نصف حصہ ہے اور دوسرا نصف اسکا دل ہے۔ ان دو کے علاوہ باقی تو گوشت اور خون کا ایک پتلا ہے"۔

اچھی زبان آدمی کو معتبر بناتی ہے جبکہ زبان کی خرابی آدمی کو غیر معتبر کر دیتی ہے۔ سچی زبان انسان کی روح کو خوشبوؤں سے بھر دیتی ہے جبکہ جھوٹی زبان سے آدمی کی روح گندی اور بدبودار ہو جاتی ہے۔ زبان کی درستگی انسان کو باوقار بناتی ہے جبکہ زبان کی خرابی آدمی کو بے عزت کر دیتی ہے۔ اگر دل میں ایمان اور تقویٰ ہو تو زبان پر اسکا اثر چھلکتا ہے اور شریعت کی لگام زبان کو سنبھالے رکھتی ہے لیکن اگر دل میں کفر و نفاق بھرا ہو تو زبان بے لگام ہو جاتی ہے اور اسکی ایک ایک حرکت باعث ہلاکت بن جاتی ہے۔ مسلسل سچ انسان کو ایسا سچا بناتا ہے کہ پھر چاہتے ہوئے بھی جھوٹ نہیں بولا جا سکتا اور مسلسل جھوٹ آدمی کو ایسا جھوٹا بناتا ہے کہ پھر وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے سے بھی نہیں چوکتا اور چاہتے ہوئے بھی سچ نہیں بول سکتا۔ قرآن مجید نے یہودیوں کی جو بیماریاں عبرت و نصیحت کے لئے بیان فرمائی ہیں ان میں ایک بیماری زبان کی خرابی بھی ہے۔ چونکہ یہودیوں کے دل گندے تھے اس لئے ان کی زبانیں بھی جھوٹ اور گناہ کی عادی ہو چکی تھیں۔ زبان کی اس خرابی نے انہیں بے وقعت، بے قدر اور گندا بنا دیا تھا اور انکا معاشرہ اپنی اعتباریت کھو چکا تھا۔ اور جھوٹ کے عام ہو جانے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر بھی اعتبار نہیں کرتے تھے جسکی وجہ سے انکی اجتماعیت کھوکھلی ہو چکی تھی۔ اور چونکہ انکی زبانیں گناہ کی عادی ہو چکی تھیں اور ان زبانوں سے خیر کی باتیں

نہیں نکلتی تھیں اس لئے ایمان والوں کو سمجھایا گیا کہ وہ یہودیوں کی باتوں میں نہ آئیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہودی اپنی زبان کو سدھارتے اور نبی آخر الزماں ﷺ کی مبارک تعلیمات کے ذریعے اپنے دل اور زبانوں کی اصلاح کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ وہ تو جھوٹ بولنے اور جھوٹ پھیلانے کے مواقع ڈھونڈتے رہتے تھے اور ان محفلوں میں بیٹھ کر بھی ہدایت نہیں پاتے تھے جن محفلوں میں نور ہدایت موسلادھار بارش کی طرح برستا تھا۔ آئیے! یہودیوں کے جھوٹ اور ان کی زبان کے دوسرے گناہوں کا کچھ احوال قرآن مجید کی روشنی میں پڑھتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ. (المائدہ: ۴۱)

"اور وہ جو یہودی ہیں جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لئے۔ وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے جو آپ کے پاس نہیں آتے"۔

اس آیت میں یہودیوں کے جھوٹ کے ساتھ گہرے تعلق کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ان کے احبار یعنی مذہبی پیشوا جھوٹ بولتے تھے اور عام یہودی اس جھوٹ کو خوب سنتے تھے اور اسی کی پیروی کرتے تھے۔ اسی طرح کچھ یہودی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تاکہ آپ ﷺ کی باتیں سن کر اپنے سرداروں اور پیشواؤں تک پہنچائیں اور وہ ان باتوں میں تحریف کر کے اور ان میں جھوٹ ملا کر لوگوں کو گمراہ کریں اور اسلام کے بارے میں فتنے ڈالیں۔ اور ایک مطلب ان آیات کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہودی آپ کی مجلس میں آتے ہی اس لئے تھے تاکہ آپکی باتوں کو سنیں اور پھر ان میں کچھ جھوٹ ملا کر ان کو عیب دار کر کے لوگوں کو بتائیں اور بعض یہودی ان باتوں کو من و عن یاد کر کے اپنے استاذوں تک پہنچاتے تھے پھر ان میں جھوٹ شامل کرنے کا کام انکے سردار خود کر لیتے تھے۔ اگلی آیت میں اسی

مفہوم کو پھر ان الفاظ میں دھرایا گیا ہے:

(۲) سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ. (مائدہ: ۴۲)

"(یہ یہودی) جھوٹ کو بہت زیادہ ماننے والے اور بڑے حرام کھانے والے ہیں"۔

حضرت محقق عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"سماعون" کے معنی بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے۔ پھر "بہت زیادہ سننا" کبھی تو جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اسکے معنی ہوتے ہیں بہت زیادہ قبول کرنے والا۔ جیسے **سمع الله لمن حمده** میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ (حضرت شیخ الہند) نے پہلے معنی مراد لئے ہیں (جیساکہ آیت نمبر ۴۱ کے ترجمے سے واضح ہے) لیکن ابن جریر وغیرہ محققین نے دوسرے معنی پر حمل کیا ہے **سماعون للکذب** یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے (جیساکہ آیت نمبر ۴۲ کے ترجمے سے واضح ہے)۔ (تفسیر عثمانی: ص:۱۵۱)

مذکورہ بالا دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ یہودیت پوری کی پوری جھوٹ کے گرد گھومتی ہے۔ ان کے بڑے جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کے چھوٹے جھوٹ سننے کے عادی اور شوقین ہیں اور جھوٹ کو خوشی سے قبول بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح یہودی حق بات کو اس لئے سنتے ہیں تاکہ اسمیں جھوٹ ملائیں اور ان کے اندر جاسوسی کا مستحکم نظام بھی صرف اور صرف جھوٹ کو پھیلانے اور باطل کی تشہیر کے لئے ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

(۳) لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَا اِلَّا قَلِیْلًا. مَلْعُوْنِیْنَ

"اگر منافق اور وہ لوگ جنکے دلوں میں مرض ہے اور جو مدینہ (منورہ) میں جھوٹی خبریں اڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو انکے پیچھے لگادیں گے۔ پھر وہ آپ

اَیْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا. (احزاب: ۶۰-۶۱)

کے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے۔ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مارے گئے"۔

"المرجفون فی المدینة" مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے ولے کون تھے؟ حضرت محقق عثمانی لکھتے ہیں:

یہ غالباً یہود ہیں جو اکثر جھوٹی خبریں اڑا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے اور ممکن ہے منافق ہی مراد ہوں۔ (تفسیر عثمانی: ص:۵۶۸)

جھوٹی خبریں اور خوفزدہ کرنے والی افواہیں اور بزدلی پھیلانے والے شوشے یہودی بھی چھوڑتے تھے اور ان کے اثریافتہ شاگرد منافقین بھی۔ اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ لیکن افسوس آج مسلمانوں میں یہودیوں اور منافقین کے جھوٹ کو ماننے، قبول کرنے اور اسکا اثر لینے کا رواج پڑ گیا ہے۔ **والی الله المشتکی.**

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

(۴) لَوْلَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ. (مائدہ: ۶۳)

"کیوں نہیں منع کرتے انکے درویش اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے؟ بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں"۔

علامہ سیوطیؒ "قولھم الاثم" کی تفسیر "الکذب" (جھوٹ) سے فرماتے ہیں۔ (جلالین، ص: ۱۰۳) یعنی یہ مطلب ہوا کہ یہودیوں کے مذہبی پیشوا انہیں جھوٹ اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکتے؟ اس آیت سے بھی واضح ہوگیا کہ جھوٹ اور حرام خوری ان کے معاشرے کا حصہ بن چکی تھی اور عوام وخواص سب اسمیں مبتلا تھے۔ اس آیت کی مزید اور مفصل تفسیر ہم انشاء اللہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بیان میں آگے چل کر ذکر

کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

(۵) وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ.

(آل عمران: ۷۵)

اور اہل کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے پاس (روپوں کا) ڈھیر امانت رکھ دو تو تم کو (فوراً) واپس دے دے اور کوئی اس طرح کا ہے کہ اگر اسکے پاس ایک اشرفی بھی امانت رکھو تو جب تک اسکے سر پر ہر وقت کھڑے نہ رہو تمہیں دے ہی نہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ "امّی" لوگوں کا حق لینے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ اللہ پر محض جھوٹ بولتے ہیں اور (اس بات کو) جانتے ہیں"۔

حضرت محقق عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"اہل کتاب کی دینی خیانت ونفاق کے سلسلہ میں دنیوی خیانت کا ذکر آ گیا جس سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ جو لوگ چار پیسہ پر نیت خراب کرلیں اور امانت داری نہ برت سکیں، ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ دینی معاملات میں امین ثابت ہونگے۔ چنانچہ ان میں بہت سے وہ ہیں جن کے پاس زیادہ تو کیا ایک اشرفی بھی امانت رکھی جائے تو تھوڑی دیر بعد مکر جائیں اور جب تک کوئی تقاضہ کے لئے ہر وقت ان کے سر پر کھڑا نہ رہے اور پیچھا کرنے والا نہ ہو، امانت ادا نہ کریں۔ بے شک ان میں سب کا حال ایسا نہیں بعض ایسے بھی ہیں جنکے پاس اگر سونے کا ڈھیر رکھ دیا جائے تو ایک رتی خیانت نہ کریں۔ لیکن یہی خوش معاملہ اور امین لوگ ہیں جو یہودیت سے بیزار ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جارہے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہ ...... یعنی پرایا حق کھانے کو یہ مسئلہ بنالیا کہ عرب کے "امّی" جو

ہمارے مذہب پر ہیں انکا مال جس طرح ملے روا ہے۔ غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں۔ خصوصاً وہ عرب جو اپنا آبائی دین چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں خدا نے ان کا مال ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔ یعنی جان بوجھ کر خدا کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کررہے ہیں۔ امانت میں خیانت کرنے کی۔ خدا نے ہرگز اجازت نہیں دی۔ آج بھی اسلامی فقہ کا مسئلہ یہی ہے کہ مسلم ہو یا کافر، کسی کی امانت میں خیانت جائز نہیں"۔ (تفسیر عثمانی: ص: ۷۶، ۷۷)

اس آیت مبارکہ میں یہودیوں کے دو گناہ بیان کئے گئے جو وہ اپنی زبانوں سے کرتے تھے۔ پہلا گناہ امانت میں خیانت ہے کہ پہلے تو جب کوئی ان کے پاس امانت رکھوانے آتا تو اس بات کا اقرار کر لیتے کہ یہ واقعی امانت ہے اور ہم یہ واپس لوٹا دیں گے لیکن جب ان سے اس امانت کی واپسی کا تقاضہ کیا جاتا تو اپنی بات سے مکر جاتے اور طرح طرح کے بہانے بناتے اور ٹال مٹول سے کام لیتے۔ یہودی اپنی اس گندی عادت کو کل بھی اپنی عقلمندی سمجھتے تھے اور آج بھی وہ اسے اپنی عقلمندی سمجھ رہے ہیں۔ چنانچہ یہ عادت اور زبان کا یہ ہیر پھیر یہودیوں کی سرشت بن چکا ہے۔ دوسرا گناہ جھوٹ بولنا ہے اور یہ جھوٹ وہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ پر بولا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ تم اس طرح دھوکہ دیکر لوگوں کا مال کیوں لوٹتے ہو؟ تو فوراً ایک شرعی مسئلہ گھڑ لیتے تھے کہ ان ان پڑھ اور جاہل لوگوں کے اموال ہمارے لئے حلال ہیں اور ان کا حق کھانے کی ہمیں شرعی طور پر اجازت ہے۔ چونکہ شریعت اور دین کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے، اس لئے کوئی غلط شرعی مسئلہ جان بوجھ کر گھڑ لینا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا ہے جو کہ بدترین گناہ ہے۔ مگر یہودی چند ٹکوں کی خاطر یہ عظیم گناہ بھی کر گزرتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

(۶) وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ

"اور ان (اہل کتاب) میں بعض ایسے ہیں کہ

أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ، وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔

(آل عمران: ۷۸)

کتاب (تورات) کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا، اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا) اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور (یہ بات) جانتے بھی ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں بھی ان کے ایک جھوٹ کا تذکرہ ہے۔ جھوٹ خود بھی ایک گناہ ہے لیکن جب یہ اللہ تعالیٰ پر بولا جائے تو اسکی شدت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ یہودیوں نے دین وشریعت کے بارے میں بھی جھوٹ کو شعار بنایا اور اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ بولا۔ یہاں تک کہ انکی عبادت گاہوں اور انکی مذہبی کتاب تک میں جھوٹ گھس گیا۔ جب سچ کے مراکز جھوٹ کے ہاتھوں تباہ ہو جائیں تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے؟ اس آیت کی مزید تشریح تحریف کے بیان میں گزر چکی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

(۷) كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلاًّ لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِلاَّ مَا حَرَّمَ اِسْرَآئِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (آل عمران: ۹۳، ۹۴)

"بنی اسرائیل کیلئے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں مگر وہ جو (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) نے تورات کے نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو (یعنی دلیل پیش کرو) جو اس کے بعد بھی اللہ پر جھوٹ جوڑے تو ایسے لوگ ہی بے

انصاف ہیں"۔

ان دو آیات میں یہودیوں کے ایک جھوٹ کا تذکرہ ہے وہ یہ کہ یہودی مسلمانوں پر اعتراض کرتے تھے کہ تم لوگ خود کو دین ابراہیم پر بتلاتے ہو جبکہ وہ چیزیں بھی کھاتے ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر حرام تھیں۔ مذکورہ بالا آیات میں یہودیوں کے اس جھوٹے اعتراض کی قلعی کھول دی گئی اور انہیں چیلنج کیا گیا کہ اپنے اس اعتراض کی دلیل اپنی آسمانی کتاب تورات سے لاؤ۔ مگر جھوٹ کی دلیل کہاں سے ملتی؟ آیت کی مکمل تفسیر سمجھنے کے لئے فوائد فتحیہ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

"یہود آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ کو دعویٰ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریق پر چلنے کا ہے لیکن جو چیزیں خاندان یعقوبؑ میں جو حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے، حرام تھیں انکو آپ کھاتے ہیں۔ خدا نے اس کی تردید کی اور فرمایا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے کھانے کی سب چیزیں یعقوب کو حلال تھیں مگر وہ جو انہوں نے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ اسکی کیفیت یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ وہاں انکو عرق النساء کا مرض ہو گیا جس کی وجہ سے ان کو بہت تکلیف تھی تو انہوں نے نذر مانی کہ جو چیز مجھے زیادہ محبوب و مرغوب ہے وہ ترک کردوں گا۔ چنانچہ اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ یعقوبؑ کے بیٹوں نے بھی ان کی اتباع میں اونٹ کا گوشت ترک کردیا تھا۔ غرض تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی سب چیزیں یعقوبؑ پر حلال تھیں اور خدا نے انکو ان پر حرام نہیں کیا تھا اسی بناء پر خدا نے فرمایا: اے پیغمبر! یہود سے کہہ دو اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور دکھاؤ کہ اسمیں کہاں لکھا ہے کہ ابراہیمؑ کے وقت میں اونٹ حرام تھا؟ ہاں یہودیوں کی نافرمانیوں اور گناہوں کے سبب کچھ چیزیں ان پر حرام کردی گئی تھیں اور اس سے ان کو شرارتوں کی سزا دینی مقصود تھی"۔ (فوائد فتحیہ: ص:۷، ف: ۷۴)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

(۸) اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ.

(آل عمران: ۱۸۳)

"وہ (یہودی) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم بھیجا کہ جب تک کوئی پیغمبر ہمارے پاس ایسی نیاز لیکر نہ آئے جس کو آگ (آکر) کھا جائے تب تک ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ "(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے کئی پیغمبر تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لیکر آئے اور وہ (معجزہ) بھی لائے جو تم کہتے ہو تو اگر سچے ہو تو تم نے ان کو قتل کیوں کیا؟"

اس آیت مبارکہ میں یہودیوں کے ایک اور جھوٹ کا تذکرہ ہے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے بعض حضرات کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ وہ قربانی اور اللہ تعالیٰ کے لئے نذر ونیاز کا سامان رکھ دیتے تھے تب آسمان سے ایک آگ آتی تھی جو اسے جلا دیتی تھی۔ آگ کا اس مال کو جلا دینا اسکے بارگاہ الٰہی میں قبول ہونے کی نشانی ہوتی تھی۔ بعض انبیاء علیہم السلام کے انہیں واقعات کو لیکر یہودیوں نے یہ اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا حکم دے رکھا ہے کہ جب تک کوئی نبی ہمیں یہ معجزہ نہ دکھائے ہم اس پر ایمان نہ لائیں۔ حالانکہ یہ جھوٹ تھا کیونکہ اس طرح کا کوئی حکم انکی کتابوں میں موجود نہیں تھا اور نہ آج موجود ہے مگر یہودیوں نے یہاں بھی اللہ تعالیٰ پر ایک بڑا جھوٹ بولنے میں کوئی تکلف یا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

قرآن مجید نے ان کے اس دعوے پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر واقعی انبیاء کی صداقت کے لئے آسمانی آگ کا صدقات کو کھانا بڑی علامت ہے تو تم نے ان انبیاء علیہم

السلام کو کیوں جھٹلایا؟ اور کیوں شہید کیا؟ جو تمہارے پاس یہی معجزہ لیکر آئے تھے۔ یعنی حق کی جستجو نہ تمہیں کل تھی نہ آج ہے۔ اور تمہارا مقصد آسمانی دعوت کو ٹھکرانا اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنا ہے وہ تم کرتے رہتے ہو، کبھی کوئی بہانہ بنا کر اور کبھی کوئی۔

یہودیوں کی زبانیں جھوٹ اور گناہ کی عادی ہوتی ہیں اسکی آٹھ شہادتیں قرآن مجید سے ہم نے پیش کر دیں۔ اس موضوع پر مزید شہادتیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے سے نہ رکتے ہوں، ان کے اندر جھوٹ کی عادت کس قدر سرایت کر چکی ہوگی؟ اسکا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

اسلامی دعوت :

اسلام نے زبان کی حفاظت اور اسکی اصلاح کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے، سچائی کو لازم پکڑنا، سچائی پر قائم رہنا اور سچائی کو پھیلانا اسلامی دعوت کا اہم موضوع ہے۔ اسلام جھوٹ سے بے انتہا نفرت کرتا ہے اور اسے منافقین کا شیوہ اور بہت ساری برائیوں کی جڑ مانتا ہے۔ قرآن مجید اور ذخیرہ احادیث سچ کی اہمیت، سچ کے نصاب اور سچوں کے فضائل کے تذکرے سے بھرا پڑا ہے۔ اسی طرح جھوٹ کی مذمت پر بھی درجنوں آیات اور احادیث موجود ہیں۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہر آدمی صرف اور صرف سچ بولے، سچ سنے، سچ کو قبول کرے، سچ کو عام کرے اور سچائی کی دعوت دے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہر انسان جھوٹ تو کیا اس کے ادنیٰ سے شائبے سے بھی بچے، اور نہ ہی جھوٹ کو سنے اور نہ جھوٹ کو پڑھے اور نہ جھوٹ کو قبول کرے۔ اسلامی معاشرہ صادقین اور صدیقین کا معاشرہ ہوتا ہے۔ سچا عقیدہ، سچا عمل، معاملات میں سچائی، معاشرت میں سچائی اور معیشت میں سچائی اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا کیونکہ جھوٹ بولنا تو کافروں اور منافقوں کا شیوہ ہے۔ مسلمان منبر پر ہو یا دکان پر، مسجد میں ہو یا گھر میں، وہ مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کر رہا

ہو یا کافروں کے ساتھ، وہ جہاد میں مشغول ہو یا تجارت میں، وہ اپنوں کے بارے میں گواہی دے رہا ہو یا غیروں کے بارے میں، وہ ہر حال میں سچائی کو لازم سمجھتا ہے اور کسی بھی منفعت یا مصلحت یا خوف کی وجہ سے سچ کا دامن نہیں چھوڑتا۔ مسلمان جس رب کو مانتے ہیں وہ سچا ہے، مسلمان جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہیں انہیں مشرک اور کافر بھی صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے، مسلمان جس کتاب کو پڑھتے ہیں وہ بھی سچ بیان کرتی ہے اور سچائی کی دعوت دیتی ہے، پھر مسلمان کس طرح سے جھوٹا ہو سکتا ہے؟ قرآن وحدیث میں سچ کی اہمیت اور فضیلت اور جھوٹ کی مذمت اور خباثت کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ آج جھوٹ بہت زیادہ پھیل رہا ہے اور اب تو جھوٹ کو گناہ بھی نہیں سمجھا جاتا اس لئے ضرورت تو اس بات کی ہے کہ اس موضوع کو نہایت تفصیل سے بیان کیا جائے تاکہ دلوں میں بات اتر جائے اور ہمارا معاشرہ جھوٹ کی لعنت سے پاک ہو جائے لیکن کتاب کو بہت زیادہ طوالت سے بچانے کے لئے ہم سچ اور جھوٹ کے بارے میں قرآن وحدیث میں مذکورہ تفصیلات کا خلاصہ عرض کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو اور تمام مسلمانوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

صداقت یعنی سچ :

قرآن مجید میں سچ کے متعلق تاکیدی تفصیلات کا خلاصہ ہم چودہ عنوانات سے ذکر کرتے ہیں۔ واللہ الموفق وھو المستعان۔

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدھی بات کہنے اور سچ بولنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا. يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کیا کرو، وہ تمہارے سب اعمال درست

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا.

کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریگا تو بے شک بڑی مراد پائے گا"۔ (احزاب: ۷۰،۷۱)

عکرمہؒ نے فرمایا کہ قول سدید "لا الہ الا اللہ" ہے اور مجاہدؒ نے کہا سیدھی بات، اور بعض نے کہا سچی بات، مگر یہ سب معنی اپنے اپنے موقع پر ٹھیک ہیں۔ (ابن کثیر بحوالہ حاشیہ قرآن ص:۵۹۶)

کاشفیؒ نے روح البیان میں فرمایا ہے کہ قول سدید وہ ہے جو سچا ہو جھوٹ کا اس میں شائبہ نہ ہو، صواب (درست) ہو جس میں خطا کا شائبہ نہ ہو، ٹھیک بات ہو ہزل یعنی مذاق ودل لگی نہ ہو، نرم کلام ہو دلخراش نہ ہو۔ (بحوالہ معارف القرآن: ص:۲۴۰،ج۷)

حضرت مفتی اعظمؒ لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمہ اس آیت کا کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جو سیدھی بات کا عادی ہونے پر اصلاح اعمال کا وعدہ ہے، وہ صرف دینی اعمال ہی نہیں بلکہ دنیا کے سب کام بھی اس میں داخل ہیں۔ جو شخص قول سدید کا عادی ہو جائے یعنی کبھی جھوٹ نہ بولے، سوچ سمجھ کر کلام کرے جو خطا ولغزش سے پاک ہو، کسی کو فریب نہ دے، دل خراش بات نہ کرے، اس کے اعمال آخرت بھی درست ہو جائیں گے اور دنیا کے کام بھی بن جائیں گے۔ حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے کہ: "کہو بات سیدھی کہ سنوار دے تم کو تمہارے کام"۔ (معارف القرآن: ص:۲۴۳)

ان آیات میں زبان کی درستگی اور سچ بولنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ زبان کی اصلاح اور سچ کو لازم پکڑے بغیر نہ تو تقویٰ نصیب ہو سکتا ہے اور نہ انسان کے دوسرے اعمال کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس سے ان لوگوں کی بات کی تردید ہو گئی ہو جو جھوٹ بھی بولتے ہیں اور زبان کو دوسرے غلط کاموں میں بھی مبتلا رکھتے ہیں اور ساتھ یہ دعویٰ بھی

کرتے ہیں کہ ہمارے دل صاف ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے سچوں کے ساتھ رہنے اور انکی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ. (التوبہ: ۱۱۹) "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو"۔

اس آیت میں نہایت صراحت کے ساتھ حکم صادر فرمایا گیا ہے کہ سچوں کی صحبت میں رہو اور ان جیسے کام کرو کیونکہ سچوں کی صحبت میں رہنے سے ہی سچائی نصیب ہوگی اور تم خود بھی سچے عقیدے، سچے عمل اور سچے اخلاق پر قائم رہو گے۔ اس آیت کریمہ کے پس منظر میں ایک بہت اہم واقعہ ہے جس میں صرف سچ کی بدولت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اسکی رحمت میں تبدیل ہوگئی۔ غزوہ تبوک کے موقع پر تین مخلص صحابہ کرام بھی جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ تین حضرات حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن الربیع رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ یہ حضرات بغیر کسی شرعی عذر کے اس غزوے میں جانے سے محروم رہ گئے۔ جب حضور اکرم ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ واپس تشریف لائے تو ان تین حضرات نے منافقین کی طرح جھوٹے عذر پیش کرنے کی بجائے اپنے قصور اور غلطی کا اعتراف کرلیا اور خود کو بطور مجرم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔ ان تین حضرات میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب غزوہ تبوک سے واپسی پر حضور اکرم ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے غضب آمیز تبسم فرمایا اور میری غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر اس وقت میں دنیا والوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کر کے اپنے کو صاف بچالیتا مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی ذات مقدس سے ہے جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کرلوں تو تھوڑی دیر کے بعد اللہ تعالیٰ اسکو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کردے گا۔ برخلاف اس کے سچ بولنے میں گو

تھوڑی دیر کیلیے آپکی خفگی برداشت کرنے پڑے گی لیکن امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکا انجام بہتر ہوگا اور آخر کار سچ بولنا ہی مجھے اللہ اور رسول کے غصہ سے نجات دلائے گا۔ (مصلہ تفسیر عثمانی: ص: ۲۷۳)

اس کے بعد حضرت کعب نے اپنی غیر حاضری کی وجہ صاف صاف بتادی اور اپنے آپکو سزا کے لئے پیش کردیا۔ یہی حال باقی دو مخلص حضرات کا بھی ہوا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان حضرات کے ساتھ مسلمانوں کے عمومی مقاطعہ (بائیکاٹ) کا حکم صادر فرمایا۔ یہ قطع تعلق پچاس دن تک جاری رہا۔ ان ایام میں ان حضرات پر ایسی سخت حالت گزری کہ اسے موت سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ اس دوران ان حضرات پر طرح طرح کی آزمائشیں آئیں۔ بعض کافر بادشاہوں نے بھی پھندے ڈالنے کی کوشش کی۔ گھر والوں سمیت تمام مسلمانوں نے ان سے سلام وکلام تک بند رکھا۔ مگر ان کیلیے سب سے زیادہ تکلیف دہ امر حضور اکرم ﷺ کا قطع تعلق تھا کہ جس ذات کی خاطر انہوں نے سب کچھ چھوڑا تھا آج وہ ذات بھی ان سے چہرہ پھیر رہی تھی۔ قرآن مجید نے ان تین سچوں کے درد کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ "زمین ان پر باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہوگئی تھی"۔ مگر سچ بہت بڑی چیز ہے۔ بالآخر یہی سچ کام آیا اور اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمائی اور حضور اکرم ﷺ اور تمام صحابہ کرام نے خوشی سے دمکتے چہروں کے ساتھ ان تینوں کا استقبال کیا اور انہیں گلے سے لگایا۔ قرآن مجید ان تین حضرات کا واقعہ بیان کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ دیکھو! ان تینوں کو سچ نے کتنا فائدہ پہنچایا اور کس طرح سے ان کی توبہ قبول ہوگئی، جبکہ جھوٹ بولنے والے منافق کس طرح سے ناکام ہوئے اور دوزخ کے مستحق بنے۔ بس مسلمانوں کو چاہئے کہ سچ پر قائم رہیں اور سچوں کی صحبت اختیار کریں۔ کاش! دنیا کے ادنیٰ سے ادنیٰ فائدے کی خاطر جھوٹ بولنے، جھوٹ لکھنے اور جھوٹ کو پیشہ بنانے والے لوگ مذکورہ بالا واقعے اور اس آیت میں مذکور اللہ تعالیٰ کے حکم پر غور فرمائیں۔ اسی طرح دینی مصلحتوں کو آڑ بنا کر جھوٹ کا

دروزاہ کھولنے والے بھی اس واقعے سے عبرت پکڑ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

یہ تین شخص سچ کہنے سے بخشے گئے۔ نہیں تو منافقوں میں ملتے۔ (موضح القرآن)

یعنی سچ بولنا انسان کو نفاق کے گڑھے میں گرنے سے بچاتا ہے۔ علامہ سیوطیؒ وکونوا مع الصادقین کی تفسیر میں لکھتے ہیں: بان تلزموا الصدق (جلالین: ص:۱۶۸) سچوں کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم سچ کو لازم پکڑو۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص سچ کو لازم نہیں پکڑتا بلکہ جھوٹ بولتا ہے تو وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسکی صحبت اختیار کی جائے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی جھوٹا آدمی متقی نہیں ہو سکتا۔ اس آیت کی مزید تشریح اصلاح نفس کے بیان میں پیچھے گزر چکی ہے۔

(۳) سچا کون ہے؟ سچا بننے کا نصاب کیا ہے؟ اس بارے میں قرآن مجید کی تین آیات ملاحظہ فرمائیں:

(الف) اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ

"نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق ومغرب (کو قبلہ سمجھ کران) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں۔ اور گردنوں (قیدیوں اور غلاموں کو چھڑانے) میں (خرچ کریں)۔ اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں۔ اور جب عہد کرلیں تو اسکو پورا کریں۔ اور سختی اور تکلیف میں اور معرکہ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ.

کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں"۔ (بقرۃ: ۱۷۷)

یہودی جھوٹے تھے ایمان کے دعوے میں بھی اور دنیاوی معاملات میں بھی۔ مگر جھوٹوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ چند مسائل کو اپنی طرف سے حق وباطل کا معیار قرار دے دیتے ہیں اور پھر ان مسائل کو آڑ بنا کر خود کو دیندار اور سچا اور اصل اہل حق کو بددین اور جھوٹا ثابت کرتے ہیں۔ یہودیوں نے اسی طرز کو اپناتے ہوئے قبلہ کے معاملے کو اٹھایا اور مسلمانوں کو جھوٹا اور باطل پرست ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں نہایت کرارا جواب عطا فرمایا کہ تم لوگ پہلے اپنے دعویٰ ایمان کا سچا ہونا ثابت کرو اور سچ اور تقوے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو معیار مقرر فرمایا ہے اس پر خود کو تولو، تب تمہیں علم ہو جائے گا کہ نیکی صرف ان مسائل میں بند نہیں ہے جنکا تم نے شور مچار کھا ہے۔ اس آیت میں عقائد، اعمال اور اخلاق سے تعلق رکھنے والی سترہ نیکیوں کو بیان فرمایا گیا ہے۔ پس سچا آدمی وہی ہوگا جو ان سترہ امور کو سرانجام دے گا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر اپنے اندر سچائی پیدا کرنی ہے تو مذکورہ بالا سترہ امور کو سرانجام دو تب تمہیں مکمل سچائی نصیب ہوگی اور یہ سترہ امور تمہاری اس طرح سے اصلاح کردیں گے کہ تمہاری زبان سچ کی عادی اور تمہارا دل تقوے کا خوگر ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب.

(ب) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ.

"مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے لڑے۔ یہی لوگ سچے ہیں"۔

(الحجرات: ۱۵)

جو بندہ اللہ کے ساتھ سچا ہو گا وہی لوگوں کے ساتھ بھی سچ بولے گا مگر جو اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ سچا نہیں ہے اور ایمان کے بارے میں شک رکھتا ہے اور اللہ کے ساتھ محبت کے دعوے کے باوجود جان ومال سے جہاد نہیں کرتا وہ شخص سچا نہیں ہے اور اس پر اعتبار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ جسکا معاملہ اللہ کے ساتھ ایسا ہے تو وہ مخلوق کو کہاں بخشے گا؟ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے ایمان اور بزدل لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور سچا بننے کا طریقہ یہ ہے کہ ایمان میں پختگی حاصل کرے اور جہاد میں قربانی دینے کا جذبہ پیدا کیا جائے تب سچائی دل میں اترے گی اور جھوٹ سے طبعی نفور اور دوری ہو جائے گی۔

(ج) لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ. (الحشر: ۸)

(اور مال فیئ) ان مفلس وطن چھوڑنے والوں کے لئے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مال سے جدا کر دیئے گئے (اور وہ) اللہ کے فضل اور اسکی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

سچے کون ہیں؟ وہ ایثار پیشہ حضرات جو ضرورت پڑنے پر اپنا ایمان بچانے کے لئے ہجرت جیسا کٹھن اور مشکل کام بھی کر گزرتے ہیں اور وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی جستجو اور محنت میں لگے رہتے ہیں اور اللہ اور رسول کی مدد کرنے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، یقیناً یہ لوگ سچے ہیں۔ اور سچائی حاصل کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفادار اسکی رضا کا طلبگار اور اس کے دین کا بے لوث مددگار ہو۔

نکتہ :

مذکورہ بالا تین آیات سے مسلمانوں کو کئی اسباق ملتے ہیں جن میں سے دو اہم سبق یہ ہیں:

(الف) آج دنیا میں جھوٹ بہت پھیل چکا ہے۔ ہر طرف جھوٹی سیاست، جھوٹی معاشرت اور جھوٹی معیشت کے خوفناک سائے پھیلے ہوئے ہیں۔ ذرائع ابلاغ جھوٹ پھیلانے کا کام کرتے ہیں اور جھوٹ جدید دنیا کا جدید فیشن بن چکا ہے۔ جھوٹے ڈائجسٹ، جھوٹے افسانے، جھوٹی کتابیں اور جھوٹے رسالے ہر طرف پھیلے پڑے ہیں۔ آج پیسے دیکر جھوٹ سنا جاتا ہے، جھوٹ دیکھا جاتا ہے اور جھوٹ خریدا جاتا ہے۔ چنانچہ جھوٹ کے بیوپاریوں کی تجارت ظاہری طور پر خوب نفع مند ہو رہی ہے حالانکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والا ہے لیکن چونکہ جھوٹ کی نفرت اور اسکا خوف لوگوں کے دلوں سے نکل چکا ہے اس لئے اب دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگوں کے جھوٹ کو سچ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ آج ظاہری ترقی کی منازل طے کرنے والے اور بڑی بڑی نام نہاد مہذب یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر افراد ہی سب سے بڑے جھوٹے اور مکار ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا تین آیات میں سچوں کے لئے جو معیار اور جو اعمال بنائے گئے ہیں، جو ان پر قائم نہیں ہو گا وہ سچ سے دور ہو گا۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ ہر بددین کی بات کو سچا ماننے کی بجائے بات کرنے والے کو مذکورہ بالا معیار پر رکھیں اور پھر اسکا فیصلہ کریں کہ اسکی بات کو سنا جائے یا نہیں؟ اور اسکی بات کو مانا جائے یا نہیں؟ یاد رکھئے! جھوٹ سننا اور جھوٹ ماننا دونوں خطرناک بیماریاں ہیں۔ یہی حکم بلاضرورت جھوٹ پڑھنے کا بھی ہے۔ —

(ب) دوسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ سچ بہت بڑی دولت ہے اور یہ دولت اللہ تعالیٰ کے قرب اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال کی بدولت نصیب ہو سکتی ہے۔ پس ہم ان اعمال کو اختیار کریں اور ان اعمال پر پختہ رہنے والوں کی صحبت کو اختیار کریں۔ کیا عجب ہے کہ ہمیں بھی صادقین کی پیاری جماعت میں شامل کر لیا جائے۔

(۴) سچ وہ عمل ہے جو قیامت کے دن نفع دے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (مائدہ: ۱۱۹)

"اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج وہ دن ہے کہ سچوں کو انکی سچائی فائدہ دے گی۔ انکے لئے باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ انہیں میں بستے رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔

دیکھئے سچ کی کتنی بڑی فضیلت ہے؟ آیت مبارکہ میں جس سچ کے قیامت کے دن نافع ہونے کا تذکرہ ہے یہ دنیا میں بولا گیا اور اختیار کیا گیا سچ ہے اور یہی قولی اور عملی سچ قیامت کے دن نفع دے گا لیکن جو لوگ دنیا میں جھوٹ بولتے رہے اور جھوٹ پر قائم رہے انہیں قیامت کے دن ہزار بار سچ بولنا بھی نفع نہیں دے گا۔

(۵) سچے لوگ ہی آزمائشوں میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

أَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ. (عنکبوت: ۳،۲)

"کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور انکی آزمائش نہیں کی جائیگی؟ اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے انکو بھی آزمایا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ انکو ضرور معلوم کرے گا جو سچے ہیں اور انکو بھی جو جھوٹے ہیں"۔

عام حالات میں بظاہر جھوٹ سے بھی گزارہ چل جاتا ہے لیکن جب آزمائش اور امتحان کا وقت آتا ہے تو پھر جھوٹ کسی کام نہیں آتا بلکہ اس وقت جھوٹ صرف اور صرف رسوائی کا ذریعہ بنتا ہے۔ دنیا کے عام معاملات اور مقدمات میں غور کریں تو اسی بات کا یقین

ہوتا ہے کہ جھوٹ کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے اور بالآخر اسکی حقیقت کھل جاتی ہے۔ ایمان کا دعویٰ بھی بہت سارے لوگ کر لیتے ہیں لیکن جب آزمائشیں اور امتحانات شروع ہوتے ہیں تب صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو ایمان کے دعوے میں سچے ہوتے ہیں۔ اسی طرح موت کے امتحان کے وقت بھی سچ کام آئیگا، قبر کی آزمائش میں بھی سچ ہی فائدہ دیگا اور قیامت کے دن حشر کے میدان کی سخت آزمائش میں بھی سچ اور سچائی ہی کام آئے گی اور جھوٹ ان تمام مقامات پر رسوائی اور ذلت کے سوا کچھ نہیں دے گا تو پھر کیوں نہ سچ اور سچائی کو لازم پکڑا جائے اور جھوٹ سے اسی طرح نفرت کی جائے جس طرح غلاظت کھانے سے نفرت کی جاتی ہے۔

(۶) سچ ایمان کی نشانی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی بدلہ ملتا ہے جبکہ جھوٹ منافقوں کا شیوہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا. لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. (الاحزاب: ۲۴،۲۳)

"ایمان والوں میں کتنے ہی ایسے فرد ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا اسکو سچ کر دکھایا تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔ تاکہ اللہ سچوں کو انکی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا (چاہے) تو ان پر مہربانی کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے"۔

حضرت محقق عثمانی لکھتے ہیں:

"یعنی منافقین نے جو عہد کیا تھا پچھلے رکوع میں گزر چکا۔ ولقد کانوا عاهدو الله

من قبل لا یولّون الادبار (یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ میدان جہاد سے پیٹھ نہیں پھیریں گے) اسے توڑ کر بے حیائی کے ساتھ میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ ان کے برعکس کتنے پکے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا عہد و پیمان سچا کر دکھلایا۔ بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبر کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اور اللہ و رسول کو جو زبان دے چکے تھے پہاڑ کی طرح اس پر جمے رہے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دے دی۔ جیسے شہداء بدر واحد جن میں سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا قصہ بہت مشہور ہے۔ اور بہت مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ بہر حال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ کی راہ میں جان دے چکے اور جو مشتاق شہادت ہیں) اپنے عہد و پیمان کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے۔ (فائدہ) حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہؓ کو فرمایا: ھذا ممن قضی نحبہ (یہ ان میں سے ہے جو اپنا ذمہ پورا کر چکے) گویا ان کو اسی زندگی میں شہید قرار دے دیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کیلئے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتیٰ کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ "لیجزی اللہ الصدقین" یعنی جو عہد کے پکے اور قول و قرار کے سچے رہے ان کو سچ پر جمے رہنے کا بدلہ ملے اور بد عہد دغا باز منافقوں کو چاہے سزا دے اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف کر دے۔ اسکی مہربانی سے کچھ بعید نہیں"۔ (تفسیر عثمانی۔ ص:۵۶۰)

سچ بولنے کے عادی سچ ہی بولتے ہیں۔ اللہ کے سامنے بھی اور بندوں کے سامنے بھی۔ جبکہ منافق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد پر بھی جھوٹے اترتے ہیں۔ سچوں کے لئے بہترین بدلہ یقینی ہے جبکہ منافقوں کے لئے عذاب ہے۔ اسی بات کو مد نظر رکھ کر اپنے اندر سچائی پیدا کرنی چاہئے اور جھوٹ سے بچنا چاہئے۔

(۷) سچ سے ہی تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَآءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِينَ. وَالَّذِي جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ. لَهُمْ مَا يَشَآءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِينَ. (الزمر: ۳۲، ۳۳، ۳۴)

"تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے اور سچی بات جب اسکے پاس پہنچ جائے تو اسے جھٹلائے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے؟ اور جو شخص سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔ وہ جو چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس (موجود) ہے۔ یہ بدلہ ہے نیکی والوں کا"۔

یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ سچی بات لائیں، ہمیشہ سچ کہیں اور سچ کی تصدیق کریں۔ (تفسیر عثمانی: ص:۶۱۵)

جو سچ لایا وہ نبی اور جس نے سچ مانا وہ مؤمن (موضح القرآن) جلالین میں بھی یہی تفسیر مذکور ہے۔ (جلالین ص:۳۸۸) امام زجاجؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ سچ لانے والے حضور اکرم ﷺ اور اسکی تصدیق کرنے والے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (حاشیہ جلالین: ص:۳۸۸) علامہ محلیؒ نے الصدق (سچائی) کی تفسیر قرآن مجید سے کی ہے۔ (جلالین: ص:۳۸۷)

توجہ فرمائیے کہ قرآن سچا، نبی سچے، ایمان والے سچے، پھر ایک مسلمان کے لئے کہاں جائز ہے کہ جھوٹ کو زبان پر لائے یا جھوٹ کی پیروی کرے؟ "اولئک هم المتقون" فرما کر یہ بات بھی سمجھا دی کہ متقی ہمیشہ سچے ہوتے ہیں۔ اللہ کا خوف اور جھوٹ کہاں جمع ہو سکتے ہیں؟

(۸) اللہ تعالیٰ سچ کی تعریف فرماتے ہیں اور سچائی انبیاء علیہم السلام کا شیوہ ہے۔ اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا. (مریم: ۵۴)

"اور کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجئے وہ وعدے کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے"۔

آیت مبارکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی صفت "صادق الوعد" کی تعریف وثنا بیان کی گئی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی اور وعدے کی پابندی بہت مشہور تھی۔ آپ اللہ تعالیٰ سے یا بندوں سے جو وعدہ فرماتے تھے اسے پورا کرتے تھے۔

حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ وعدہ کیا کہ تم بازار سے زادِ راہ خرید کر لاؤ اور میں یہاں بیٹھ کر تمہارا انتظار کروں گا۔ وہ شخص بازار جاکر بھول گیا۔ ایک سال کے بعد اس شخص کا گزر وہاں سے ہوا تو اس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہیں پایا۔ آپ وعدے کے مطابق ایک سال سے اسکا اسی جگہ انتظار فرما رہے تھے۔ (حاشیہ جلالین: ص:۲۵۷)

حقیقت یہ ہے کہ زبان کی مضبوطی اور سچائی بہت عالی صفت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ سچائی کی تعریف فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سچ اور سچائی کی عظمت ہر مسلمان کے دل میں پیدا فرمائے۔ آمین

(۹) قیامت کے دن سچائی کے بارے میں پوچھ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا. (الاحزاب: ۸)

"تاکہ (اللہ تعالیٰ) سچ کہنے والوں سے انکی سچائی کے بارے میں دریافت کرے اور اس نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھے گا تاکہ سچوں کا سچائی پر قائم رہنا واضح اور ظاہر ہو

جائے اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔ آگے جنگ احزاب کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے سچے پیغمبر اور مومنین اور انکے بالمقابل جھوٹے منافقوں اور منکروں کے کچھ احوال اور انکے ظاہر ثمرات ونتائج ذکر کیے ہیں"۔ (محصلہ تفسیر عثمانی: ص:۵۵۷)

(۱۰) سچ میں ہی خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ. (محمد: ۲۱)

"(خوب کام تو) فرمانبرداری اور بھلی بات کہنا (ہے)۔ پھر جب (جہاد کی) بات پختہ ہو گئی تو اگر یہ لوگ سچے رہیں اللہ سے تو ان کے لئے بھلا ہے"۔

یعنی منافقین زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب جہاد کا تاکیدی حکم آتا ہے تو اس وقت خود کو اللہ کے سامنے سچا نہیں کرتے حالانکہ ایسے حالات میں اگر وہ سچے ثابت ہوں تو ان کے لئے بڑی خیر اور بھلائی کی بات ہے۔ "لکان خیرا لھم" کی تفسیر میں بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ سچ ان کے لئے بہتر تھا جھوٹ سے، نفاق سے اور جہاد چھوڑ بیٹھنے سے۔ (حاشیہ جلالین: ص:۴۲۱)

(۱۱) سچ کے بدلے اللہ تعالیٰ کی سچی بیٹھک۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ. (القمر: ۵۵)

"سچی بیٹھک میں ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں (رہیں گے)"۔

یعنی سچوں کو انکی سچائی کی بدولت اللہ اور اسکے سچے رسول کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں سچی بیٹھک نصیب ہوگی۔ سبحان اللہ!

(۱۲) سچ ان اعمال اور اسباب میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور ایمان

وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا.

(الاحزاب: ۳۵)

والے مرد اور ایمان والی عورتیں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے"۔

(۱۳) کسی کے ساتھ رشتے داری یا کسی کے ساتھ دشمنی تمہیں سچ بولنے سے نہ روکے۔ ہر حال میں سچی گواہی دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

"اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ انکا خیر خواہ ہے۔ تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم پیچدار شہادت دو

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا.

(النساء: ۱۳۵)

گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو (جان رکھو) اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے"۔

یعنی ہر حال میں سچی گواہی دو اگرچہ یہ گواہی خود تمہارے یا تمہارے رشتے داروں کے خلاف جا رہی ہو۔ اسی طرح کسی مالدار کی اعانت کر کے یا کسی فقیر پر ترس کھا کر سچ کو نہ چھوڑو بلکہ سچ ہی بولو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہاری نسبت انکا زیادہ خیر خواہ ہے۔ اسی طرح زبان مروڑ کر سچ میں جھوٹ کا شائبہ شامل کرنے کی کوشش بھی نہ کرو بلکہ گواہی سچی، صاف اور مکمل دیا کرو۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ.

(مائدہ: ۸)

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف (یعنی سچائی) کو چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی خبر رکھتا ہے"۔

آج کل عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ محبت اور دشمنی میں جھوٹ جائز ہے۔ مذکورہ بالا دونوں آیات کریمہ پر غور فرمائیں کہ کس قدر وضاحت کے ساتھ سمجھا دیا گیا کہ نہ تو کسی کے ساتھ تعلق تمہیں سچ اور انصاف سے باز رکھے اور نہ کسی کی دشمنی تمہیں سچ اور انصاف سے روکے۔ آج کل خاندانی اور علاقائی جھگڑوں کی وجہ سے یا مسلکی نفرت اور دشمنی کی وجہ سے معلوم نہیں کتنا جھوٹ بولا جاتا ہے؟ اور اس جھوٹ کو لکھا بھی جاتا ہے اور اسے خوب پھیلایا بھی جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے اور جھوٹ کی عادت بد سے سب کی حفاظت

فرمائے کہ یہ ظالم ہماری اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت کو اپنے سے دور کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

(۱۴) ہمیشہ سچ بولنے، سچ کو قبول کرنے اور سچ کو اختیار کرنے سے مسلمان اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ اور قرآن مجید میں صدیق کے کئی فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً وہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات یقینی ہیں اور صدیق کے لئے قیامت کے دن خصوصی نور ہوگا۔ ملاحظہ فرمایئے: سورہ نساء، آیت ۶۹ اور سورہ حدید: آیت ۱۹۔ حقیقت یہ ہے کہ سچائی انسان کو ایمان کی بلندیوں تک لے جاتی ہے جبکہ جھوٹ انسان کو فسق وفجور اور نفاق کی طرف لے جاتا ہے۔

یہاں تک ہم نے چودہ عنوانات کے ذیل میں سچ کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں بعض قرآنی آیات کا تذکرہ کیا ہے۔ اب قرآن مجید کی روشنی میں جھوٹ کی مذمت اور خرابی کو بیان کرتے ہیں۔

جھوٹ :

قرآن مجید میں جھوٹ کی مذمت پر درجنوں آیات موجود ہیں۔ ہم جھوٹ کے بارے میں قرآنی آیات کا خلاصہ دس عنوانات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

(۱) شرک سے اور جھوٹ سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ. (الحج: ۳۰)

"پس بتوں کی گندگی سے بچو اور بچتے رہو جھوٹ بولنے سے"۔

قول زور سے مراد جھوٹ ہے۔ حق کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل اور جھوٹ میں داخل ہے، خواہ عقائد فاسدہ شرک وکفر ہوں یا معاملات میں یا شہادت میں جھوٹ بولنا ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب کبیرہ گناہوں میں سے بڑے کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا اور عام باتوں میں

جھوٹ بولنا۔ رسول اللہ ﷺ نے آخری لفظ "وقول الزور" کو بار بار فرمایا۔ (رواہ البخاری، معارف القرآن: ص:۲۶۳، ج۶)

حضرت محقق عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"جھوٹی بات زبان سے نکالنا، جھوٹی شہادت (یعنی گواہی) دینا، اللہ کے پیدا کئے ہوئے جانور غیر اللہ کے لئے نامزد کر کے ذبح کرنا، کسی چیز کو بلا دلیل شرعی وحرام کہنا سب "قول الزور" ہیں۔ قول الزور کی برائی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو یہاں شرک کے ساتھ ذکر فرمایا ہے"۔ (تفسیر عثمانی: ص:۴۴۷)

(۲) اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں "عباد الرحمٰن" کی صفات میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ جھوٹ سے بہت دور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا. (الفرقان: ۷۲)

"اور (عباد الرحمٰن وہ ہیں) جو شامل نہیں ہوتے جھوٹ کام میں اور جب انکو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں"۔

یعنی نہ جھوٹ بولیں، نہ جھوٹی شہادت دیں، نہ باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی۔ ص:۴۸۸)

وہ لوگ جو دن رات جھوٹی فلمیں، جھوٹے ڈرامے اور جھوٹے ناٹک دیکھتے ہیں اور جھوٹے قصے، کہانیاں اور افسانے پڑھتے ہیں، یا دین کے معاملے میں یا دنیا کے معاملے میں جھوٹ بولتے ہیں، وہ اس آیت مبارکہ پر غور فرمائیں اور اپنی روش سے باز آئیں۔

تفسیر جلالین میں لا یشھدون الزور کی تفسیر ان الفاظ میں کی گئی ہے:

لا یشھدون الزور ای الکذب والباطل. (جلالین: ص۳۰۸)

"وہ جھوٹ اور باطل کاموں میں شریک اور حاضر نہیں ہوتے"۔

(۳) جھوٹ اور زبان کے دوسرے گناہوں سے بچنے کے لئے قرآن کا یہ اہم حکیمانہ اعلان کہ انسان جو کچھ بولتا ہے وہ سب کچھ لکھ لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلاَّ لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ. (ق: ۱۸) "کوئی بات اسکی زبان پر نہیں آتی مگر اسے لکھنے کے لئے ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو فرشتے مقرر فرما دیئے ہیں جو انسان کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات لکھتے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے سب کچھ لکھتے ہیں اور پھر جمعرات کے دن اس پر نظر ثانی کرتے ہیں اور جن باتوں میں خیر یا شر یا نیکی یا گناہ ہو تو انہیں محفوظ رکھتے ہیں اور باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بہت شرم کا مقام ہے کہ انسان اپنی زبان سے جھوٹ بولے اور اللہ تعالیٰ کے پاک فرشتے اسے لکھیں اور پھر وہ لکھا ہوا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے جس نے زبان کی نعمت اس لئے نہیں دی کہ اس سے جھوٹ بولا جائے، گالی دی جائے یا غیبت کی جائے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

"اے ابن آدم! تیرے لئے اعمال نامہ بچھا دیا گیا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے گئے ہیں! ایک تیری داہنی جانب دوسرا بائیں جانب۔ داہنی جانب والا تیری حسنات کو لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات اور گناہوں کو۔ اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کر اور کم کر یا زیادہ۔ یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا اور جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا اور رہے گا۔ یہاں تک کہ تو قیامت کے روز قبر سے نکلے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا:

وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیْ عُنُقِہٖ وَنُخْرِجُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کِتٰبًا یَّلْقٰہُ مَنْشُوْرًا. اِقْرَاْ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا. یعنی ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اسکی گردن

میں لگا دیا ہے اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا۔ اب اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لو تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لئے کافی ہے"۔ (بحوالہ معارف القرآن۔ ص:۱۴۲۔ ج۔۸)

(۴) جھوٹ اور زبان کے دوسرے گناہوں سے بچانے کے لئے قرآن کا یہ حکم کہ بلا تحقیق کوئی بات زبان سے نہ نکالو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلاَ تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلاً. "اور (اے بندے!) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس چیز کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی"۔

(بنی اسرائیل: ۳۶)

حضرت محقق عثمانی لکھتے ہیں:

"یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال، نہ اسکی اندھا دھند پیروی کر۔ آدمی کو چاہئے کہ کان، آنکھ اور دل ودماغ سے کام لیکر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے۔ سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عمل در آمد نہ شروع کر دے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا (یعنی کسی کے بارے میں کوئی بات سنکر اس کو تنگ کرنا) یا بغض وعداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم ورواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، ان دیکھی یا ان سنی ہوئی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا، غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعوٰی کرنا کہ میں جانتا ہوں، یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ قیامت کے دن تمام قوٰی کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا، بے موقع تو خرچ نہیں کیا"۔ (تفسیر عثمانی: ص:۳۷۹)

یہ سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد کسی مسلمان میں یہ جرأت باقی نہیں رہتی کہ وہ زبان سے جھوٹ نکالے یا کوئی گناہ کا کام کرے۔

(۵) جھوٹ پر محرومی یا بھاری کفارہ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِنْ نِّسَاءِ هِمْ مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰئِىْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ.

(مجادلہ: ۲)

”جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ انکی مائیں نہیں (ہو جاتیں) انکی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ بے شک وہ ایک نا معقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے“۔

بیوی کو ماں کہنا ایک جھوٹی اور نا معقول بات ہے اور اس پر بڑا بھاری کفارہ رکھا گیا ہے جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔ اس مسئلے کی تفصیلات کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں یہاں تو اتنا عرض کرنا ہے کہ ایک جھوٹا جملہ زبان سے نکالنے کی وجہ سے آدمی اپنی شریک حیات سے دنیا میں محروم ہو جاتا ہے یا اسے بھاری کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ جب دنیا میں یہ حال ہے تو آخرت میں جھوٹ کی سزا کتنی خطرناک ہوگی؟ آگے احادیث کے بیان میں انشاء اللہ اسکا کچھ تذکرہ آجائے گا۔

(۶) جھوٹا، ناشکرا ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ. (الزمر: ۳)

”بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے ہدایت نہیں دیتا“۔

چونکہ ایمان کی بنیاد سچ پر ہے اور کفر اور نفاق کی بنیاد جھوٹ پر ہے اس لئے جسے جھوٹ کی عادت پڑ جائے اور وہ جھوٹ ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لے ایسے شخص کا دل کالا ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ جھوٹا آدمی جھوٹ اور ناحق کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور سچ اور حق کو چھوڑ دیتا ہے۔

(۷) جھوٹے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ.

(آل عمران: ۶۱)

”پھر اگر یہ لوگ اس بارے میں (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں) تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال تو معلوم ہی ہو چلی ہے تو ان سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعا والتجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں“۔

لعنة الله على الكذبين. جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کے الفاظ پڑھ کر انسان کی روح کانپ جاتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے کلام پر یقین ہو تو محض یہی الفاظ انسان کو جھوٹ سے باز رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ اگرچہ آیت مبارکہ میں جس جھوٹ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا تذکرہ ہے اس جھوٹ کا تعلق عقائد سے ہے لیکن جھوٹ بہر حال جھوٹ ہوتا ہے خواہ وہ عقائد میں سے ہو یا معاملات میں۔ اور چھوٹا جھوٹ انسان کو بڑے جھوٹ کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ معاملات میں جھوٹ پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ. وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ. (النور: ۶،۷)

”اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود انکے سوا انکے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں (بار) یہ (کہے) اگر وہ جھوٹا ہو

تو اس پر اللہ کی لعنت"۔

ان آیات میں لعان کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جسکی تفصیل کتب تفسیر و فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں تو صرف اس بات کی دعوت دینا مقصود ہے کہ اسلام میں کسی مسلمان پر لعنت بھیجنے کی سختی سے ممانعت آئی ہے اور مسلمان پر لعنت بھیجنے کو اس کے قتل کی طرح قرار دیا گیا ہے، مگر جب یہی مسلمان جھوٹ بولنے لگ جائے اور جھوٹی تہمتیں لگانے لگے تو پھر اس پر لعنت بھیجنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کے ترجمے سے واضح ہو رہا ہے۔

(۸) نفاق اور جھوٹ لازم و ملزوم۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ.

(منافقون: ۱)

"اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں"۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ.

(التوبہ: ۴۲)

"اگر مال غنیمت کا ملنا آسان اور سفر بھی ہلکا ہو تو (یہ منافق لوگ) آپ کے ساتھ (شوق سے) چل دیتے لیکن لمبی نظر آئی ان کو (تبوک کی) مسافت۔ اور اب اللہ کی قسمیں کھائیں گے اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم آپکے کے ساتھ ضرور نکل پڑتے۔ یہ (جھوٹے عذر کر کے) خود کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں"۔

غزوہ تبوک کے موقع پر جہاد سے بچنے کے لئے منافقوں نے جھوٹ کے ریکارڈ قائم کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیں انکے جھوٹے ہونے کا علم ہے اور اس جھوٹ اور نفاق کا

وبال خود انہیں پر پڑنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ.

(التوبہ: ۱۰۷)

"اور جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور ایمان والوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ پہلے جنگ کر چکے ہیں انکے لئے گھات کی جگہ (یعنی سازشوں کا اڈہ) بنائیں اور یہ (منافق لوگ) قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی مگر اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں"۔

ان تین آیات میں جھوٹ کا منافقین کی خاص صفت ہونا ثابت ہو گیا اور ان کے مختلف طرح کے جھوٹ بھی سامنے آگئے۔ پس مسلمانوں کو جھوٹ سے بچنا چاہئے کیونکہ جھوٹ مسلمانوں کی صفت ہرگز نہیں ہے۔

(۹) جھوٹ نیکیوں سے محرومی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.

(التوبہ: ۹۰)

"اور صحرا نشینوں میں سے کچھ لوگ عذر کرتے ہوئے (آپکے پاس) آئے کہ انکو بھی اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اسکے رسول سے جھوٹ بولا وہ (گھر میں) بیٹھ رہے۔ سو جو لوگ ان میں سے کافر ہوئے ہیں ان کو دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا"۔

غزوہ تبوک کے موقع پر کچھ لوگ تو سچے یا جھوٹے عذر بتا کر جہاد سے رکنے کی

اجازت مانگ رہے تھے لیکن جو اللہ اور اسکے رسول سے جھوٹ بولنے کے عادی تھے اور نفاق اسکے دلوں میں اتر چکا تھا وہ بیباک ہو کر گھر میں بیٹھ گئے۔ بے شک جھوٹ کی عادت انسان کو اس حد تک گرا دیتی ہے کہ پھر فرائض چھوڑنے پر بھی دل میں کوئی کڑھن یا شرم محسوس نہیں ہوتی۔ (العیاذ باللہ)

(۱۰) اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کی مذمت۔ ہم نے پیچھے پڑھ لیا ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ بولتے تھے چونکہ یہ بہت بدترین جرم ہے اس لئے قرآن مجید کی بیسیوں آیات میں اسکی مذمت اور قباحت کا بیان ملتا ہے اور اگر ان تمام آیات کو لکھا جائے تو مضمون بہت لمبا ہو جائے گا، اس لئے ہم ان آیات کے عنوانات اور آیات نمبر کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جو تفصیل سے دیکھنا چاہے قرآن مجید میں ان کو دیکھ لے۔

☆ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والوں سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ انعام: ۲۱، الصف: ۷، یونس: ۱۷، ھود: ۱۸، الکھف: ۱۵، عنکبوت: ۶۸، انعام: ۹۳، انعام: ۱۴۴ وغیرھا۔

☆ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا کافروں کا شیوہ ہے۔ مائدہ: ۱۰۳۔

☆ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے کبھی فلاح اور کامیابی نہیں پاتے۔ یونس: ۶۹، نحل: ۱۱۶۔

☆ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والوں کے منہ قیامت کے دن سیاہ ہونگے۔ الزمر: ۶۰۔

☆ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والوں کے خلاف فرشتے گواہی دیں گے۔ ھود: ۱۸۔

☆ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ دردناک عذاب کا ذریعہ ہے۔ بقرہ: ۱۰۔

احادیث مبارکہ :

یہاں تک ہم نے سچ اور جھوٹ کے بارے میں قرآنی دعوت کا خلاصہ پڑھ لیا۔ اب آتے ہیں صادق المصدوق حضرت محمد ﷺ کے مبارک فرامین کی طرف۔ یہ اس امت کی

خوش نصیبی ہے کہ امت کے غم خوار، ہمدرد اور اسکی نجات اور کامیابی کی خاطر تڑپنے والے پاک نبی حضرت محمد ﷺ فداہ ابی وامی کے مبارک کلمات محفوظ ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ آج بھی امت سے خطاب فرماتے ہیں اور امت کو کامیابی کا راستہ بتاتے ہیں اور اپنے اثر انگیز بیانات کے ذریعے سے امت کو ہلاکت کے راستوں سے بچاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی مبارک صحبت کا شرف تو صحابہ کرام نے حاصل کر لیا اور اب آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد یہ شرف کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا لیکن آپ ﷺ کے بیانات، خطبات، کلمات اور آپکی سیرت آج بھی محفوظ ہے اور اس کے ذریعے سے امت قیامت تک رہنمائی حاصل کر سکتی ہے۔ آپ ﷺ کے بیانات کا اثر آج بھی زندہ ہے۔ کوئی انسان جس قدر گناہوں میں ڈوب چکا ہو اور گناہ اسکی مجبوری بن چکے ہوں لیکن جب وہ اس گناہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کے کلمات سنتا ہے تو اسے خود بخود اس گناہ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جو شخص سستی اور غفلت کے دلدل میں جس قدر پھنسا ہوا ہے، حضور اکرم ﷺ کے اثر انگیز بیانات اسکا ہاتھ تھام لیتے ہیں اور اسے دلدل سے نکال کر صراط مستقیم کے صاف اور کشادہ راستے پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے فرامین آب حیات ہیں، ان سے مُردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے، مایوس لوگوں میں ایمان کا ولولہ پیدا ہوتا ہے اور غفلت کے پردے چاک ہو جاتے ہیں اور گناہوں کی غلاظت ڈھل جاتی ہے۔ آیئے! سچ کو اختیار کرنے اور جھوٹ جیسی گندی بیماری سے بچنے کے لئے حضور اکرم ﷺ کی طرف سے امت کو عطا فرمودہ آب حیات کے چند قطرے نوش جاں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ انکی برکت سے ہمیں ساری زندگی سچ کی توفیق دیکر صدیقین میں شامل فرمائے گا اور جھوٹ سے بچا کر کذاب بننے سے محفوظ رکھے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے زبان کی حفاظت کی بہت تاکید فرمائی ہے اور بولنے سے زیادہ خاموش رہنے کو ترجیح عطا فرمائی ہے مگر یہ کہ خیر کی بات بولی جائے اور آپ ﷺ نے سچ اور سچائی کو لازم پکڑنے اور جھوٹ سے بچنے

کی بے حد ترغیب دی ہے اور ہر طرح کے جھوٹ سے امت کو بچانے کے لئے اثر انگیز بیانات فرمائے ہیں۔ ہم ذیل میں چالیس احادیث مبارکہ ذکر کر رہے ہیں۔ ان میں سے پہلے ان احادیث کا تذکرہ ہوگا جن میں عمومی طور پر زبان کی حفاظت کا بیان ہے اور ان کے بعد سچ اور جھوٹ کے متعلق احادیث کا بیان ہوگا۔

یہ احادیث مبارکہ امت کے نام حضور اکرم ﷺ کا خطاب ہے جس کے دل میں عشق رسول ﷺ ہوگا وہ انکو محبت اور عقیدے کے ساتھ پڑھے گا اور یہ خیال کرے گا کہ چونکہ حضور اکرم ﷺ قیامت تک کے انسانوں کے لئے بھیجے گئے ہیں اور میں بھی آپکی امت کا ایک فرد ہوں پس حضور اکرم ﷺ کے یہ الفاظ میرے لئے ہیں۔ اور آپ ﷺ کا خطاب مجھ سے ہے اور مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے محبوب آقا ﷺ کے ہر حکم پر دل وجان سے عمل کروں۔

(۱) اچھی بات بولو یا خاموش رہو۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت.

(بخاری، مسلم)

"جو شخص اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ خیر کی بات کہے یا خاموش رہے"۔

شارح مسلم علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

وھذا الحدیث صریح فی انہ ینبغی ان لا یتکلم الا اذا کان الکلام خیرا وھو الذی ظھرت مصلحتہ ومتی شک فی ظھور المصلحۃ فلا یتکلم. (ریاض الصالحین: ۴۳۷)

"اس حدیث سے صراحۃ معلوم ہو گیا کہ انسان کو کلام خیر کے سوا کچھ نہیں بولنا چاہئے اور کلام خیر وہ ہے جسکی بھلائی ظاہر ہو اور جب بھلائی میں شک ہو تب بھی نہ بولے"۔

دوسری جگہ علامہ نوویؒ زبان کے استعمال کے بارے میں اسلام کے عمومی قانون کو

ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اعلم أنہ ینبغی لکل مکلف أن یحفظ لسانہ عن جمیع الکلام الا کلامًا ظھرت فیہ المصلحۃ ومتی استوی الکلام وترکہ فی المصلحۃ فالسُّنۃ الامساک عنہ لانہ قد ینجرّ الکلام المباح الی حرام أو مکروہ وذلك کثیرٌ فی العادۃ والسلامۃ لا یعد لھا شئٌ.

(ریاض الصالحین: ص:۴۳۶)

"ہر مکلف شخص کو چاہئے کہ وہ ہر طرح کی باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھے سوائے ان باتوں کے جنکی بھلائی بالکل واضح ہو۔ اور جب کسی بات کے کرنے اور نہ کرنے کی بھلائی برابر ہو تو ایسی بات نہ کرنا سنت ہے کیونکہ کبھی کبھی ایک مباح بات انسان کو حرام اور مکروہ تک پہنچادیتی ہے اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے اور (گناہوں سے) سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں ہے"۔ (پس سلامتی کے راستے کو اختیار کرنا چاہئے)

جب آدمی ہر بات بولنے سے پہلے اس پر غور کریگا کہ اس بات کی بھلائی اور خیر یقینی ہے کہ نہیں اور پھر وہی بات بولے گا جس کی بھلائی یقینی ہوگی تو ایسا انسان جھوٹ اور زبان کے دوسرے گناہ سے بہت زیادہ محفوظ رہے گا۔

(۲) زبان کی حفاظت جنت کی ضمانت۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من یضمن لی ما بین لحییہ وما بین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ.

(بخاری، مسلم)

"جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی (حفاظت کی) ضمانت دے دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں"۔

یعنی جو شخص زبان اور شرمگاہ کو شریعت کے مطابق استعمال کرنے اور خلاف شریعت کاموں سے روکنے کا عزم کرلے اس شخص کے لئے حضور اکرم ﷺ جنت کی ضمانت دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالی کے بعد آپکی ضمانت سے بڑھ کر کس کی ضمانت ہوسکتی ہے۔

(۳) افضل مسلمان کون؟

عن ابی موسیٰ رضی الله عنه قال قلت: یا رسول الله! ای المسلمین افضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانه ویده.

"حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مسلمانوں میں افضل کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں"۔ (بخاری، مسلم)

جو شخص جھوٹ بولتا ہے اسکی زبان کا شر دوسرے مسلمانوں تک پہنچتا ہے۔ پس زبان کو جھوٹ اور ہر طرح کے گناہوں سے روکنا اسلام کا تقاضا ہے اور اسی عمل کے ذریعے مؤمن مجسمہ خیر بن جاتا ہے لیکن جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ نہ ہوں ایسا آدمی مجسمہ شر ہوتا ہے اور وہ اسلام سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

(۴) اچھا اسلام کس کا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه.

"آدمی کے اسلام کی اچھائیوں میں سے بیکار باتوں کا چھوڑنا بھی ہے"۔

بے شک ایک اچھا مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی تیاری کے کاموں سے اتنی فرصت کہاں پاتا ہے کہ فضول و بے کار باتوں میں اپنا سرمایہ حیات ضائع کرے، جھوٹ بولنا تو بہت دور کی بات ہے۔

(۵) زبان سے نکلا ہوا صرف ایک کلمہ قابل رشک عروج یا خطرناک زوال کا باعث۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الرجل لیتکلم بالکلمة من رضوان الله ما کان یظن ان تبلغ ما بلغت، یکتب الله له بها رضوانه

"انسان بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا کوئی کلمہ بولتا ہے اور اس کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ اسکا ثواب کہاں تک پہنچا (مگر)

الی یوم یلقاه. وان الرجل لیتکلم بالکلمة من سخط الله ما کان یظن ان تبلغ ما بلغت، یکتب الله له بها سخطه الی یوم القیمه. (ترمذی)

اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی رضائے دائمی قیامت تک کی لکھ دیتا ہے اور ایک انسان کوئی کلمہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا زبان سے نکال دیتا ہے اس کو گمان تک نہیں ہوتا کہ اسکا وبال کہاں تک پہنچے گا (مگر) اللہ تعالیٰ اسکی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضی قیامت تک کیلئے لکھ دیتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مرتے دم تک اپنی رضا کے کاموں میں لگائے رکھتا ہے اور اسکی نیکیوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماتا ہے اور اپنی رحمت اور اجر کے خزانے اس پر برساتا رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا مطلب اس کے برعکس ہے غور فرمایئے کہ زبان سے نکلے ہوئے ایک کلمے کا اثر انسان کو کہاں تک پہنچاتا ہے۔ معارف القرآن، ص: ۱۴۳، ج ۸ پر ابن کثیر کے حوالے سے حضرت علقمہؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

"اس حدیث نے مجھے بہت سی باتیں زبان سے نکالنے سے روک دیا ہے"۔

اسی طرح ایک اور روایت میں حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

إنَّ العَبْدَ لیتکلم بالکلمة ما یتبین فیها یزلّ بها الی النار ابعد مما بین المشرق والمغرب. (بخاری، مسلم)

"ایک شخص اپنی زبان سے کوئی بات نکالتا ہے جس میں وہ غور نہیں کرتا (مگر) وہ اس بات کی وجہ سے دوزخ میں اتنی دور جا گرتا ہے جتنی دوری مشرق و مغرب کے درمیان ہے"۔

(۶) زبان کا زیادہ فضول استعمال اللہ تعالیٰ سے دوری کا ذریعہ۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تکثروا الکلام بغیر ذکر الله،

"اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کیا

فانّ كثرة الكلام بغير ذكر الله تعالى قسوة للقلب، وانّ ابعد الناس من الله القلب القاسي.

کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں دل کو سخت کر دیتی ہیں اور لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہے جسکا دل سخت ہو"۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد تلاوت کلام پاک، تمام طرح کے اذکار ودرود اور تمام طرح کے دینی علوم اور دینی باتوں کا مذاکرہ ہے۔ ان کے علاوہ جو شخص زیادہ باتیں کرے گا اسکا کلام گناہوں سے محفوظ نہیں رہے گا اور زبان کے یہ گناہ اس کے دل کو سخت کر دیں گے اور دل کی سختی اسے اللہ تعالیٰ سے دور کر دے گی جو کہ ایک بندے کے لئے بہت بڑا عذاب اور وبال ہے۔ العیاذ باللہ!

(۷) زبان کی حفاظت ذریعہ نجات ہے۔

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه قال: قلت يا رسول الله! ما النجاة؟ قال: أمسك عليك لسانك وليسعك بيتك وابك على خطيئتك. (ترمذی)

"حضرت عقبہ بن عامر ارشاد فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ راہ نجات کیا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنی زبان کو روکے رکھو اور تمہارا گھر تمہارے لئے کافی رہے اور اپنی خطاؤں پر گریہ وزاری کرتے رہو"۔

غور کیا جائے تو یقین کامل نصیب ہوتا ہے کہ واقعی اگر انسان مذکورہ بالا تین امور کا اہتمام والتزام کرے تو وہ نجات پاتا ہے، دنیا کے فتنوں سے بھی اور آخرت کے عذاب سے بھی۔

(۸) جو زبان اور شرمگاہ کے شر سے بچا وہ جنتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من وقاه الله شرّ ما بين لحييه وشرّ ما بين رجليه دخل الجنة. (ترمذی)

"جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زبان اور شرمگاہ کے شر سے بچالیا وہ شخص جنت میں داخل ہوگا"۔

در اصل یہی دو اعضاء گناہوں کا مرکز ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اسکی رحمت شامل حال ہو تو یہی دو اعضاء نیکیوں کا مرکز اور انسان کی نجات کا ذریعہ بن جاتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۹) سب سے زیادہ خوف زبان سے۔

عن سفيان بن عبد الله رضي الله عنه قال: قلت يا رسول الله! حدّثني بأمر أعتصم به. قال: قل ربي الله ثم استقم. قلت يا رسول الله! ما أخوَف ما تخاف عليّ؟ فاخذ بلسان نفسه ثم قال: هذا. (ترمذی)

"حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے ایسی چیز بتادیجئے جسے میں لازم پکڑوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو میرا رب اللہ ہے پھر اس پر ڈٹ جاؤ۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ میرے بارے میں سب سے زیادہ کس چیز سے ڈرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا اس سے"۔

یعنی ایمان کے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ زبان سے رہتا ہے کیونکہ زبان کے گناہ بے شمار اور خطرناک ہیں اور جو ان گناہوں میں پڑ جاتا ہے وہ ایمان سے دور ہوتا چلا جاتا ہے، اس لئے ایمان کی حفاظت کے لئے زبان کی حفاظت بے حد ضروری ہے۔

(۱۰) زبان کا پھسلنا قدموں کے پھسلنے سے زیادہ بدتر ہے۔ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

ان العبد ليقول الكلمة لا يقولها الا ليضحك به الناس يهوى بها

"آدمی کوئی بات کہتا ہے اور اسکا مقصد صرف لوگوں کو ہنسانا ہوتا ہے (مگر) وہ اس بات کی

ابعد مما بين السماء والارض، وانه ليزلّ عن لسانه اشد مما يزلّ عن قدمه. (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

وجہ سے اتنا نیچے گر جاتا ہے جتنا فاصلہ زمین وآسمان کے درمیان ہے۔اور آدمی اپنی زبان کے ذریعے اپنے قدموں کی بنسبت زیادہ سخت پھسلتا ہے"۔

پاؤں کے پھسلنے سے تو صرف جسمانی چوٹ آتی ہے یا زیادہ سے زیادہ موت آجاتی ہے لیکن زبان کو پھسلنے سے تو بعض اوقات ایمان تک چلا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ زبان کے پھسلنے سے سب کی حفاظت فرمائے۔آمین

(۱۱) خاموشی میں بھلائی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من صمت نجا. (ترمذی)

"جو خاموش رہا وہ نجات پاگیا"۔

چونکہ خاموشی کی وجہ سے آدمی جھوٹ اور زبان کے دوسرے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اس لئے خاموشی کو نجات قرار دیا گیا ہے۔

(۱۲) خاموشی سالہا سال کی نفلی عبادت سے افضل ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مقام الرجل بالصمت افضل من عباده ستين سنه.

"آدمی کا خاموشی پر قائم رہنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔

(مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

(۱۳) خاموشی شیطان کو بھگانے والی اور دینی کاموں میں معاونت کرنے والی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عليك بطول الصمت فانه مطردة للشيطان وعونٌ لك على امر دينك. (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

"طویل خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ یہ شیطان کو بھگانے والی اور دینی کاموں میں تمہاری مددگار ہوگی"۔

(۱۴) فضول باتیں آخرت کیلئے خطرہ۔

عن انس رضي الله عنه قال توفي رجل من الصحابه فقال رجل أبشر بالجنة. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اولا تدري فلعله تكلم فيما لا يعنيه او بخل بما لا ينقصُه. (ترمذی)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے ایک شخص وفات پاگئے تو ایک (دوسرے) صاحب نے فرمایا مجھے جنت کی مبارک ہو اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں کیا معلوم کہ شاید اس نے کوئی فضول بات کی ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اسکے پاس کم نہیں ہوتی تھی"۔

(۱۵) دوسرے اعضاء کی زبان سے منت سماجت۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا أصبح ابن آدم فانّ الاعضاء كلها تكفر اللسان تقول: اتق الله فينا فانما نحن بك، فان استقمت استقمنا وان اعوججت اعوججنا. (ترمذی)

"جب آدمی صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کی منت کرتے ہیں (اور) کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرنا کیونکہ ہم تیرے ساتھ منسلک ہیں اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے"۔

انسانی جسم کے تمام اعضاء زبان کے ساتھ منسلک ہیں کیونکہ زبان کا کیا ان سب کو بھگتنا پڑتا ہے اور زبان کی اچھائی کا بدلہ بھی ان سب کو ملتا ہے، اسی وجہ سے تمام اعضاء زبان کی منت سماجت کرتے ہیں۔

(۱۶) زبان کی وجہ سے اوندھے منہ دوزخ میں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر انہیں کچھ قیمتی اور تفصیلی نصیحتیں فرمائیں۔ان نصائح کے

آخر میں آپ نے ارشاد فرمایا:

الا أخبرك بملاك ذلك كله؟ قلت بلى يا رسول الله! فاخذ بلسانه قال: كفّ عليك هذا. قلت يا رسول الله! وانا لمواخذون بما نتكلم به؟ فقال: ثكلتك امك وهل يكب الناس في النار على وجوههم الاحصائد السنتهم. (ترمذی)

"(اے معاذ) کیا میں آپکو اس (دین کے) معاملے کا سرمایہ بقا (خلاصہ) نہ بتاؤں؟ (حضرت معاذ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا ضرور بتایئے یارسول اللہ! آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑا اور فرمایا اسے قابو میں رکھو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! جو کچھ ہم بولتے ہیں کیا اس پر بھی ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے شفقت آمیز عتاب کے بعد فرمایا: لوگوں کو انکی زبان کے کرتوتوں کی وجہ سے اوندھے منہ دوزخ میں ڈالا جائیگا"۔

(۱۷) دوزخ میں جانے کے دو سبب: منہ اور شرمگاہ۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أتدرون ما اكثر ما يُدخِلُ الناس الجنة؟ تقوى الله وحسن الخلق. اتدرون ما اكثر ما يدخل الناس النار: الا جوفان الفم والفرج. (ترمذی)

"کیا تم جانتے ہو کہ لوگوں کو جنت میں سب سے زیادہ داخل کرنے والی چیزیں کون سی ہیں؟ وہ چیزیں اللہ کا تقویٰ اور اچھے اخلاق ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ لوگوں کو جہنم میں سب سے زیادہ داخل کرنے والی چیزیں کونسی ہیں؟ وہ دو خالی چیزیں منہ اور شرمگاہ ہیں"۔

منہ میں زبان بھی شامل ہے جو بہت سارے لوگوں کے دوزخ میں جانے کا ذریعہ بنے گی جیسا کہ حدیث نمبر ۱۶ سے معلوم ہو چکا ہے۔ اس لئے زبان کو اچھا اور سچا بنانا ہر

مسلمان پر لازمی ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکے۔

یہاں تک ہم نے وہ احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ سے زبان کی حفاظت، اسکی اصلاح اور اسے روکے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے اور زبان کے شر اور بری زبان کے انجام سے آگاہ فرمایا ہے، آگے ہم ان احادیث کو بیان کر رہے ہیں جن میں سچ کی فضیلت اور جھوٹ کی مذمت کا بیان ہے اور جھوٹ کی کئی اقسام کا بھی ذکر ہے:

(۱۸) اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق کون کذاب کون؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انّ الصّدق يهدى الى البرّ وانّ البر يهدى الى الجنة. وان الرجل ليصدق حتى يكتب عند الله صديقا. وان الكذب يهدى الى الفجور وان الفجور يهدى الى النار. وانّ الرجل ليكذب حتى يكتب عند الله كذابا. (بخاری، مسلم)

"سچ نیکی تک پہنچاتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے اور ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ لیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ برائیوں کی طرف لیجاتا ہے اور برائیاں دوزخ تک لے پہنچاتی ہیں اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھ لیا جاتا ہے"۔

ہر مسلمان کو اس بات کی بھرپور محنت کرنی چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھا جائے، یہ بہت بڑی سعادت ہے اور سچ کو لازم پکڑنے سے یہ سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور سچ میں فائدے ہی فائدے ہیں۔ اور ہر مسلمان کو اس بات کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب نہ لکھا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح کے جھوٹ کو چھوڑدے حتیٰ کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے اور نہ ہی بچوں کو بہلانے کیلئے جھوٹ بولے۔ ویسے بھی جھوٹ میں نقصان ہی نقصان ہیں۔

(۱۹) سچ آسمانی تحفہ ہے جسکی دعوت انبیاء علیہم السلام دیتے ہیں۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے ایک تجارتی سفر کے دوران رومی بادشاہ ہرقل نے انہیں طلب کیا اور حضور اکرم ﷺ کے متعلق پوچھا۔ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا:

قال هرقل: فماذا يامركم يعنى النبى ﷺ. قال ابو سفيان: قلت يقول: اعبدو الله وحده لا تشركوا به شيئا، واتركوا ما يقول آباء كم. ويامرنا بالصلوٰة والصدق والعفاف والصّله.

(بخاری، مسلم)

"ہرقل نے پوچھا کہ وہ یعنی نبی کریم ﷺ تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ (ابوسفیان کہتے ہیں) میں نے کہا وہ کہتے ہیں: ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تمہارے باپ داد (شرک کرنے کے بارے میں) جو کچھ کہتے ہیں اسے چھوڑ دو۔ اور وہ (نبی ﷺ) ہمیں حکم دیتے ہیں نماز کا اور سچ بولنے کا اور پاکدامنی کا اور صلہ رحمی کا"۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ہرقل جو سابقہ مذہبی کتابوں کا ماہر عالم تھا، اس نے حضرت ابوسفیان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے انبیاء علیہم السلام اسی چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ اس روایت سے سچ کی اہمیت کا اندازہ لگایئے کہ یہ وہ صفت اور عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے اور اپنے مقرب انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے اسکی دعوت دیتا ہے۔ مگر افسوس آج اس سچ کو ہر جگہ ذبح کیا جارہا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ جھوٹ کے قدموں پر اسے بھینٹ چڑھادیا جاتا ہے۔

(۲۰) سچ میں اطمینان اور سکون ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دع ما يريبك الى مالا يريبك فانّ الصدق طمانينة والكذب ريبة.

(ترمذی)

"چھوڑ دو ان چیزوں کو جو تمہیں شک میں ڈالتی ہیں، ان چیزوں کو کرو جو شک میں نہیں ڈالتیں۔ بے شک سچ میں سکون ہے اور جھوٹ میں شک (اور بے قراری) ہے"۔

بے شک سچ میں ہر طرح کا سکون اور اطمینان ملتا ہے کیونکہ اسکا حال بھی اچھا ہے اور انجام بھی۔ جبکہ جھوٹ انسان کو پریشان کرتا ہے اور بے قراری میں مبتلا کرتا ہے اور جھوٹ کی پریشانی میں آدمی مزید سو جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کا انجام بھی بہت شرمناک اور برا ہوتا ہے۔

(۲۱) سچ کی بدولت روزی میں برکت۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

البيعان بالخيار مالم يتفرّقا فان صدقا وبيّنا بورك لهما فى بيعهما وان كتما وكذبا مصقت بركة بيعهما.

(بخاری، مسلم)

"خریدنے اور بیچنے والا جب تک جدا نہ ہو جائیں انہیں (خرید و فروخت منسوخ کرنیکا) اختیار رہتا ہے۔ پھر اگر دونوں سچ بولتے ہیں اور (سامان وغیرہ کا) عیب بتاتے ہیں تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) انکی خرید و فروخت میں برکت ڈال دی جاتی ہے (لیکن) اگر وہ (عیب) چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو انکی خرید وفروخت سے برکت کو اٹھالیا جاتا ہے"۔

آج کا تاجر اور خریدار اپنی چرب لسانی اور جھوٹ پر بھروسہ کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اسی ذریعے سے وہ نفع حاصل کرسکتا ہے جبکہ صادق المصدوق ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تجارت میں برکت سچ کے ذریعے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ بے شک آقا کا فرمان سچا ہے اور روزی میں برکت کا راز سچ اور معاملے کی صفائی میں پوشیدہ ہے۔ وہ لوگ جو جھوٹ اور دھوکے کے ذریعے مال کماتے ہیں ان کا مال انکے جسم میں بیماری بن کر اترتا ہے اور جلد ہی

دوسرے لوگوں کی جیبوں میں جا پہنچتا ہے اور اس طرح سے کمایا ہوا مال کبھی بھی سکون اور صحت کا باعث نہیں بنتا۔

(۲۲) سچ کو لازم پکڑنے والا تاجر قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء. (ترمذی)

"پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا"۔

تاجر عام طور سے جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں اور امانت داری سے ڈرتے ہیں، اسی لئے ایک اور روایت میں آیا ہے کہ تاجروں کا حشر قیامت کے دن فاسقوں کے ساتھ ہوگا سوائے ان کے جو سچ اور نیکی پر قائم رہیں۔ پس جو تاجر بازار کے آپادھاپی والے ماحول میں جاکر بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتے اور نفع و نقصان کی پرواکئے بغیر سچائی اور امانتداری کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھتے ہیں، ایسے تاجر اللہ تعالیٰ کے وہ مقرب بندے ہیں جنکا حشر قیامت کے دن ان حضرات کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا برسنا یقینی ہے۔ چنانچہ یہ تاجر بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش کے مستحق ہو جائیں گے اور میدان حشر کی مشکلات اور ہولناکیوں سے محفوظ رہیں گے۔

(۲۳) منافق کی چار نشانیاں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اربع من کن فیه کان منافقا خالصا ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من نفاق حتی یدعها: اذا اؤتمن خان، واذا حدث کذب، واذا عاهد غدر، واذا خاصم فجر. (بخاری، مسلم)

"جس میں چار خصلتیں ہونگی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان خصلتوں میں سے کوئی ایک ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑدے۔ (وہ چار خصلتیں یہ ہیں) (۱) جب اسکے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے (۲) اور جب کوئی بات بیان کرے تو جھوٹ بولے (۳) اور جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے"۔

اس حدیث شریف میں عملی نفاق کی چار علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں اور ان امور کو نفاق قرار دینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اچھا ایمان اور اچھا عقیدہ انسان کو اچھے اعمال پر لاتا ہے، پس جسکا ایمان اسے جھوٹ، دھوکے، خیانت اور گالیوں سے نہیں روک سکتا وہ ایمان عذاب قبر اور آخرت کے عذاب کو کس طرح سے روک سکے گا؟ پس جب ایمان اور عقیدے میں کمزوری ہوتی ہے تبھی انسان سے یہ چاروں بدتر گناہ سرزد ہوتے ہیں اور ان چاروں گناہوں کی وجہ سے آدمی مخلوق کے درمیان اسی طرح غیر معتبر ہو جاتا ہے جس طرح وہ اپنے ایمان اور عقیدے میں کھوٹ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر معتبر ہوتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

(۲۴) جھوٹ کی بدبو۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا کذب العبد تباعد عنه الملك میلاً من نتن ماجاء به. (ترمذی)

"جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے اس سے ایک میل دور ہٹ جاتا ہے"۔

جھوٹ میں سے جو بدبو اٹھتی ہے وہ فرشتوں کو بہت ناگوار گزرتی ہے اور وہ جھوٹ بولنے والے سے دور ہٹ جاتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس بدبودار جھوٹ کی وجہ سے انسان کی روح پر کیسے اثرات پڑتے ہونگے اور اسکی کیا حالت ہوتی ہوگی۔

(۲۵) جھوٹا خواب گھڑنے کی سزا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من تحلم بحلم لم یره کلف ان

"جس شخص نے ایسا خواب گھڑلیا جو اس نے

يعقد بين شعير تين ولن يفعل. (بخاری)

نہیں دیکھا تو قیامت کے دن اسے دو جو کے دانوں کو آپس میں گرہ لگانے کا کام سونپا جائے گا جسے وہ نہیں کر سکے گا"۔

قیامت کے دن ایک ایک لمحہ بہت سخت ہوگا اور ہر شخص کی تمنا ہوگی کہ جلد از جلد اپنے حساب سے فارغ ہو۔ ایسے وقت میں جھوٹے خواب گھڑنے والوں کو کہا جائے گا کہ جو کے دو دانوں کے درمیان گرہ لگاؤ۔ چونکہ یہ کام ناممکن ہے پس وہ بہت طویل عرصے تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ (العیاذ باللہ)

(۲۶) ان دیکھی کو دیکھی بتانا بہت بڑا جھوٹ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أفرى الفرى ان يُرِىَ الرجل عينيه بما لم تريا.

"سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کو وہ دکھائے جو انہوں نے نہیں دیکھا"۔ (بخاری، ج۲ ص۱۰۴۳)

یعنی کسی ایسی چیز کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ میں نے خود دیکھی ہے جو حقیقت میں اس نے نہ دیکھی ہو بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اور ایسے جھوٹ کا وبال بہت سخت ہوگا۔ آج کل واقعات سنانے میں عام طور سے احتیاط نہیں کی جاتی اور اس طرح کے جھوٹ دھڑلے کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

(۲۷) جھوٹ کی سزا۔ حضور اکرم ﷺ کو ایک بار خواب میں کچھ گناہوں کی سزا کے خوفناک مناظر دکھائے گئے۔ اس واقعے کے دوران آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو چت لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص ہاتھ میں لوہے کی ایک ایسی سلاخ لئے کھڑا تھا جسکا سرا مڑا ہوا تھا۔ وہ سلاخ والا آدمی اس لیٹے ہوئے آدمی کے منہ کی ایک طرف آتا اور اس کے جبڑے (کلے) میں سلاخ ڈال کر گدی تک چیر دیتا پھر دوسری جانب جا کر ایسی ہی کرتا۔ پھر اس آدمی

کا منہ ٹھیک ہو جاتا اور چیرنے والا شخص دوبارہ چیرنے کا عمل شروع کر دیتا۔ بس یہی سلسلہ جاری رہتا۔ بعد میں اس شخص کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کو بتایا گیا:

واما الرجل الذى أتيت عليه يُشَرْشَرُ شدقه الى قفاه ومنخره الى قفاه وعينه الى قفاه فانه الرجل يغدو من بيته فيكذب الكذبة تبلغ الآفاق. (بخاری)

"وہ شخص جسے آپ نے اس حالت میں پایا کہ اس کے جبڑے، اسکا گلا اور اسکی آنکھیں اسکی گدی تک چیری جاتی ہیں تو یہ وہ شخص ہے جو اپنے گھر سے نکل کر کوئی جھوٹی بات کہتا تھا اور وہ جھوٹ دور دور تک پہنچ جاتا تھا"۔

آج ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے جھوٹ پھیلانے والے اور پرنٹر مشینوں میں جھوٹ چھپوا کر بیچنے والے اس حدیث شریف پر غور فرمائیں اور اپنی اس روش سے باز آئیں جسکا بڑا نقصان خود انہوں نے ہی اٹھانا ہے۔

(۲۸) جھوٹ کی نشانی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كفى بالمرءِ كذبا ان يحدث بكل ما سَمِعَ. (مسلم)

"ایک آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو نقل کر دے"۔

جس آدمی میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور سچائی کا التزام ہوتا ہے وہ ہر سنی ہوئی بات کو شریعت اور عقل پر جانچتا ہے اور پھر صرف وہی بات آگے نقل کرتا ہے جس کے سچا اور اچھا ہونے کا اسے یقین ہوتا ہے۔ لیکن جھوٹے آدمی کو تو بولنے کے لئے کوئی نہ کوئی موضوع چاہئے چنانچہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بلا تحقیق آگے نقل کر دیتا ہے اور اس طرح سے کئی اور جھوٹی باتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۲۹) مسلمان کا حق۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المسلم اخو المسلم لا يخونه ولا يكذبه ولا يخذله. (ترمذی)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ تو اس کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور نہ اس کے ساتھ

جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے“۔

حضور اکرم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ نہ تو دھوکے بازی کر سکتا ہے اور نہ اس کے ساتھ جھوٹ بول سکتا ہے اور نہ اسے رسوا کر سکتا ہے۔ یہ مسلمانوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور جو ان حقوق کو پامال کرتا ہے وہ اللہ کے ہاں حقوق العباد کو تلف کرنے کا مجرم بنتا ہے۔

(۳۰) لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ویل لمن یحدث فیکذب لیضحک به القوم. ویل له ویل له. (ترمذی)

”ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی بات کرتا ہے۔ ہلاکت ہے اس کے لئے، ہلاکت ہے اس کے لئے“۔

اس روایت میں حضور اکرم ﷺ نے تین بار ہلاکت اور بربادی کی وعید اس شخص کے لئے سنائی ہے جو لوگوں کو ہنسانے کیلئے جھوٹ بولتا ہے۔ آج وہ کام جسے ایک فن اور آرٹ سمجھا جاتا ہے انسان کے لئے کس قدر ہلاکت خیز ہے؟ اس بات کا اندازہ مذکورہ بالا روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۳۱) معتبر اور نیک لوگوں کا جھوٹ بولنا بہت بڑی خیانت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کبرت خیانة أن تحدث اخاك حدیثا هولك به مصدق وانت به کاذب. (ابوداؤد)

”یہ بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے (مسلمان) بھائی سے کوئی بات کہو وہ تمہیں سچا جانتا ہو اور تم جھوٹ بول رہے ہو“۔

وہ افراد جو لوگوں کی نظر میں نیک اور معتبر ہوتے ہیں ان کے بارے میں اس بات کا یقین کیا جاتا ہے کہ یہ جھوٹ نہیں بولیں گے لیکن اگر وہ بھی جھوٹ بولیں تو یہ بہت بڑی خیانت اور دھوکہ ہوگا، کیونکہ لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ یہ سچ بول رہے ہیں۔ پس ایک گناہ

میں کئی گناہ جمع ہو گئے، جھوٹ کا وبال الگ اور خیانت کا الگ اور لوگوں کے اعتماد سے ناجائز فائدے اٹھانے کا وبال الگ گردن پر پڑا۔

(۳۲) جھوٹ غیر فطری عمل ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یطبع المومن علی الخلال کلها الا الخیانة والکذب.

”مومن ہر طرح کی خصلتوں پر پیدا کیا جاتا ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے“۔

(مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد و بیہقی)

یعنی جھوٹ اور خیانت غیر فطری اور غیر طبعی اعمال ہیں جن میں بعض انسان مبتلا ہو جاتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی فطرت اور جبلت میں جھوٹ اور خیانت نہیں رکھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کی اس بارے میں خصوصی تربیت کرنی چاہئے تاکہ وہ اپنی فطرت کے مطابق سچ اور امانت پر قائم رہیں اور بیرونی اثرات کی وجہ سے جھوٹ اور خیانت جیسے غیر فطری افعال نہ سیکھ سکیں۔

(۳۳) مؤمن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن صفوان بن سلیم انه قیل لرسول الله ﷺ: أیکون المومن جبانا؟ قال نعم. فقیل له أیکون المؤمن بخیلا؟ قال نعم. فقیل له أیکون المومن کذابا؟ قال لا.

”صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا مؤمن بزدل ہو سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا گیا کہ کیا مؤمن بخیل ہو سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا گیا کیا مؤمن کذاب ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہیں“۔

(مشکوٰۃ بحوالہ موطا امام مالک و بیہقی)

طبعی طور پر کوئی مسلمان بزدل یا بخیل ہو تو یہ ممکن ہے اور ایسا مسلمان جب مجاہدہ کر کے اور زور لگا کر بزدلی اور بخل کو چھوڑتا ہے تو اسے دوسروں کی بنسبت زیادہ اجر وثواب ملتا ہے لیکن ایمان اور جھوٹ جمع نہیں ہو سکتے اور کوئی مؤمن کذاب نہیں ہو سکتا۔

(٣٤) کسی کی نقل اتارنا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما أحب إني حکیت احدا وأن لی کذا وکذا. (ترمذی)

"مجھے یہ پسند نہیں کہ کسی کی نقل اتاروں اگرچہ مجھے اتنا کچھ ملے"۔

چونکہ نقل اتارنے میں بعض اوقات دوسرے شخص کی تذلیل و تحقیر بھی ہوتی ہے اور اس میں جھوٹ کا بھی بہت زیادہ خطرہ ہوتا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مجھے دنیا کا بہت سامال دے تب بھی کسی کی نقل نہیں اتاروں گا۔ اس طرح کا جملہ عام طور پر کسی کام کے گناہ اور فضول ہونے پر بولا جاتا ہے۔

(٣٥) سچ پر قائم رہنے کی تاکید۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اضمنولی ستا من انفسکم اضمن لکم الجنه: اصدقوا اذا حدّثتم، واوفوا اذا وعدتم، وادّوا اذا ائتمنتم، واحفظوا فروجکم، وغضوا ابصارکم، وکفو ایدیکم. (مشکوۃ بحوالہ مسند احمد و بیہقی)

"تم مجھے اپنی چھ چیزوں کی ضمانت دے دو تو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: (١) جب بات کرو تو سچ بولو (٢) جب وعدہ کرو تو پورا کرو (٣) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اسے ادا کرو (٤) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو (٥) اپنی نگاہیں نیچی رکھو (٦) اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو"۔

(٣٦) کسی کی تعریف اور مدح سرائی میں مبالغہ۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا رایتم المداحین فاحثوا فی وجوھھم التراب. (مسلم)

"جب تم زیادہ تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو انکے منہ میں مٹی ڈال دو"۔

کسی کی تعریف جب زیادہ کی جائے تو اس میں جھوٹ اور مبالغے کا خطرہ ہوتا ہے، اسی طرح جسکی تعریف کی جارہی ہے اس کے بگڑنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے، اس لئے اس پر اتنی

سخت وعید فرمائی گئی ہے۔ مبالغے کے اس دور میں اس حدیث پر بہت زیادہ غور کرنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ آج جس طرح سے شخصیات کو چڑھایا بڑھایا جاتا ہے وہ کسی بھی طرح درست قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ عام طور پر تعریف اور مدح سرائی میں جھوٹ اور مبالغے کو شامل کیا جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

(٣٧) فاسق کی تعریف اور مدح سرائی پر عرش لرز اٹھتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واھتذله العرش. (مشکوۃ بحوالہ بیہقی)

"جب کسی فاسق کی تعریف (ومدح سرائی) کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو غضب آتا ہے اور عرش لرز اٹھتا ہے"۔

فاسق یعنی اللہ تعالیٰ کا کھلم کھلا نافرمان اس قابل کہاں ہوتا ہے کہ اس کی تعریف اور مدح سرائی کی جائے لیکن جب کچھ لوگ اپنے مقاصد کی خاطر کسی فاسق کی جھوٹی تعریف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو بہت غصہ آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عرش کانپنے لگتا ہے۔ آج کتنے ہی فاسقوں کی تعریف اور مدح سرائی کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں اور سیاسی اور دنیاوی مقاصد کے لئے ان کے حضور بناوٹی سپاس نامے پیش کئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان فاسقوں کو خوب بڑھایا چڑھایا جاتا ہے۔ ان حالات میں اسلام کی دعوت کیا ہے؟ ہمیں مذکورہ بالا حدیث نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ سمجھا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(٣٨) جھوٹ کے لئے آگ کی زبان۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من کان ذا وجھین فی الدنیا کان له یوم القیمة لسانان من نار. (مشکوۃ بحوالہ دارمی)

"جو شخص دنیا میں دو منہ والا ہو گا قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی دو زبانیں ہونگی"۔

دو منہ والا یعنی جھوٹا اور منافق جو کبھی کچھ بولتا ہے کبھی کچھ، کسی کے سامنے کچھ بولتا ہے اور اسکی پیٹھ کے پیچھے کچھ، ایسے شخص نے دنیا میں ہمیشہ اپنے منہ میں دو زبانیں رکھیں اور ان کا غلط استعمال کیا جس کے بدلے اسکی آخرت میں دو آگ کی زبانیں ہونگی۔ جبکہ مؤمن سچا اور زبان کا پکا ہوتا ہے اور اسکی ایک ہی زبان ہوتی ہے جو اس کے لئے نیکیوں کا مرکز بنی رہتی ہے۔

(۳۹) شیطان جھوٹا ہے اور جھوٹ پھیلاتا ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنه قال: ان الشیطن لیتمثل فی صورة الرّجل فیاتی القوم فیحدثهم بالحدیث من الکذب فیتفرّقون، فیقول الرجل منهم سمعت رجلا أعرف وجهه ولا ادری ما اسمه یحدث. (مسلم)

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شیطان آدمی کی صورت اختیار کر کے لوگوں کے پاس آتا ہے اور انہیں کوئی جھوٹی بات سناتا ہے۔ لوگ متفرق ہو جاتے ہیں تو ان میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی سے خود سنا جس کو میں چہرے سے پہچانتا ہوں مگر اسکا نام نہیں جانتا وہ یہ بات سناتا ہے"۔

(۴۰) بہت سخت کبیرہ گناہ۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا انبئکم باکبر الکبائر؟ قلنا بلی یا رسول اللہ قال الاشراك باللہ وعقوق الوالدین. وکان متکئا فجلس فقال: الا وقول الزور، فما زال یکررها حتی قلنا لیته سکت. (بخاری۔ مسلم)

"کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے زیادہ بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا ضرور بتایئے یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی بات کہنا۔ یہ فرمانے کے بعد آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے

اور فرمایا: اور جھوٹی بات۔ پھر آپ ﷺ اس آخری کلمے (جھوٹی بات کہنا) کو بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا کاش آپ بس فرمادیں"۔

حضور اکرم ﷺ جب جھوٹ کا تذکرہ فرما رہے تھے تو آپ پر تکلیف اور ناگواری کے اثرات محسوس ہو رہے تھے اور آپ ﷺ اس موذی مرض سے امت کو بچانے کے لئے بار بار تاکید فرمائے جا رہے تھے، جس پر صحابہ کرام نے حضور اکرم ﷺ کا لحاظ کرتے ہوئے یہ تمنا کی کہ کاش آپ بس فرمائیں اور زیادہ تکلیف نہ اٹھائیں۔

کاش! حضور اکرم ﷺ کا یہ بار بار تاکید فرمانا امت مسلمہ کے ہر فرد پر اثر کرے اور ہر مسلمان جھوٹ کو چھوڑنے کا مکمل عزم کرلے۔

عبرت و موعظة

یہودی جھوٹے تھے اور آج تک انہوں نے جھوٹ کا اور جھوٹ نے انکا ساتھ نہیں چھوڑا۔ یہودی چاہتے ہیں کہ پوری دنیا کو جھوٹ اور دھوکے سے بھر دیں۔ انکے اس مشن میں مشرک اور عیسائی انکا ساتھ دے رہے ہیں۔ چنانچہ آج دنیا میں ہر طرف جھوٹ ہی جھوٹ پھیلا پڑا ہے۔ اور جھوٹ ایک نفع بخش تجارت اور ایک قابل اعتبار فن بن چکا ہے۔ جبکہ ہمارے اکابر حضرات صحابہ کرام سچ کے خوگر اور سچائی کے عاشق تھے۔ وہ خود اور انکی عورتیں اور انکے بچے جھوٹ سے بہت زیادہ نفرت رکھتے تھے اور اس سے بچنے کی ہر حال میں کوشش کرتے تھے۔ حضرات صحابہ کرام کے سچ پر قائم رہنے کے بعض واقعات اشارۃً پیچھے گزر چکے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کو جھوٹ سے زیادہ کوئی عادت بری معلوم نہ ہوتی تھی۔ (احیاء العلوم: ص:۱۹۰، ج۲)

صحابہ کرام میں سچائی کی یہ عادت حضور اکرم ﷺ کی تربیت اور آپ ﷺ کی نگرانی کی بدولت تھی۔ اور آپ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ جب تک جھوٹ بولنے والا شخص نئے سرے سے توبہ نہ کرلیتا، آپ ﷺ کے دل مبارک سے کدورت ختم نہ ہوتی تھی۔ (احیاء العلوم: ص:۱۹۰) آپ ﷺ کی نگرانی کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرام نے اپنی زبان پر پہرے بٹھادیئے۔ حضرت ثابت بنانیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے ساتھیوں میں سے آدمی سے کہا: دسترخوان لاؤ کہ ہم اسمیں مشغول ہوں (یعنی کھانے پینے میں لگیں) یہ سن کر ایک آدمی نے آپ کے ساتھیوں میں سے کہا: میں نے آپ سے اس جیسا کلمہ جب سے آپ کے ساتھ رہا ہوں نہیں سنا۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے منہ سے کبھی کوئی کلمہ جب سے میں حضور اکرم ﷺ سے جدا ہوا ہوں بغیر لگام اور نکیل چڑھائے ہوئے نہیں نکلا (یعنی جو کلمہ نپا تلا نکلا) اور اللہ کی قسم بس یہی ایک کلمہ ایسا نکلا ہے۔ (حیات صحابہ: ص:۳۸۷، ج۲، بحوالہ الحلیۃ لابی نعیم)

اتنی احتیاط کے باوجود حضرات صحابہ کرام زبان کے بارے میں اپنا محاسبہ فرماتے رہتے تھے جیسا کہ اس روایت میں ہے:

عن اسلم قال انّ عمر دخل یوما علی ابی بکرن الصدیق وھو یجذب لسانہٗ فقال عمر مہٗ غفر اللہ لک، فقال ابوبکر: ان ھذا اوردنی الموارد۔

(مشکوٰۃ، بحوالہ موطا)

"اسلمؒ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ اپنی زبان کو کھینچ رہے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ آپکو بخشے بس کیجئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی نے تو مجھے ہلاکت کی جگہوں میں ڈالا ہے"۔

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

صفا پہاڑی پر چڑھے اور اپنی زبان کو پکڑا اور زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: بھلی بات بولا کر غنیمت جمع کرلے گی، شرارت سے سکوت کر محفوظ رہے گی، اس سے قبل کہ تجھے پشیمان ہونا پڑے۔ اسکے بعد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اولاد آدم کی زیادہ تر خطائیں زبان سے ہوتی ہیں۔ (حیات صحابہ: ص:۳۸۷، ج۲، بحوالہ الحلیۃ لابی نعیم)

حضرات صحابہ کرام نے اپنی زبانوں پر سچائی کو لازم کیا اس وجہ سے انہیں معتبر قرار دیا گیا اور انکو معیار حق بتایا گیا۔ دین کے بارے میں حضرات صحابہ کرام کی احتیاط کا اندازہ اس روایت سے لگایئے: حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور اکرم ﷺ سے کوئی روایت کرتا ہوں تو مجھے آسمان سے گرنا اچھا معلوم ہوتا ہے مگر اس میں جھوٹ بولنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ (احیاء العلوم: ص:۱۹۳، ج۳)

حضرات صحابہ کرام کا سچ کے معاملے میں یہودیوں کے ساتھ تقابل ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ یہودیوں کے ہاں سچ شجرہ ممنوعہ رہا ہے اور حضرات صحابہ کرام جھوٹ سے سخت نفرت فرماتے تھے۔ یہودی مسلسل جھوٹ میں ترقی کرتے رہیں گے اور انکے جھوٹ اور فریب کا عروج دجال یہودی کی صورت میں ہوگا۔ جبکہ صحابہ کرام تو صدیقین میں سے تھے، اور قرآن مجید خود انکی صداقت کی گواہی پیش فرماتا ہے۔ اور انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے زیادہ افضل اور سچے فرد یعنی صدیق اکبر بھی صحابہ کرام میں سے تھے۔

ایک نظر گریبان پر :

ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ ہم حضرات صحابہ کرام کے راستے پر چل رہے ہیں یا خدانخواستہ یہودیوں کی عادت بد کو اختیار کرچکے ہیں؟ اس میں شک نہیں ہے کہ آج کے دور میں بھی حضرات صحابہ کرام کے راستے پر چلنے والے ان مسلمانوں کی کمی نہیں ہے جو صرف سچ بولتے ہیں، سچ سنتے ہیں، سچ کو قبول کرتے ہیں اور سچ ہی کو لکھتے اور پڑھتے ہیں لیکن یہ بات

بھی افسوس ناک ہے کہ آج بہت سارے مسلمانوں کو بھی جھوٹ سے پرہیز نہیں رہا۔ ان مسلمانوں نے یہ جملہ بھلادیا ہے کہ "مسلمان جھوٹا نہیں ہو سکتا"۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہودیوں اور مشرکوں نے مسلمانوں میں جھوٹ پھیلایا ہے اور جھوٹ کو ایک فن اور پیشہ بنا کر اسے لوگوں کی مجبوری بنانے کی کوشش کی ہے، لیکن دکھ تو اس بات کا ہے کہ مسلمانوں نے کافروں کی ان کوششوں کو کامیاب ہونے دیا ہے اور انہوں نے جھوٹ کے راستے کو روکنے کی بھرپور کوشش نہیں کی۔

○ ہمارے مسلمان بچے آجکل بچپن سے ٹی وی دیکھتے ہیں وہی ٹی وی جس میں جھوٹے ڈرامے، جھوٹی فلمیں اور نا معلوم کیا کیا جھوٹ دکھایا جاتا ہے اور یوں ہم اپنے بچوں کو جھوٹ جیسے غیر فطری جرم میں مبتلا کر دیتے ہیں حالانکہ ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسکی فطرت میں سوائے سچ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان دشمنوں کو غارت کرے جو ہمارے معصوم بچوں کی فطرتی خوبیوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ اس طرح بچپن ہی سے ان بچوں کو جھوٹے ناول، جھوٹی کہانیاں، جھوٹے لطیفے اور طرح طرح کے جھوٹ گھول کر پلائے جاتے ہیں۔ اور حالت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ ان بچوں کے ہاں جھوٹ کوئی برائی نہیں رہتی حالانکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو جھوٹ سے اسی طرح نفرت دلائیں جس طرح ہر مسلمان اپنے بچوں کو خون اور پیشاب کے پینے سے نفرت دلاتا ہے۔ وہ باپ ہرگز اپنے بچوں کا ہمدرد نہیں ہے جو خود ان کے لئے ٹیلیویژن اور جھوٹے ناول اور کہانیاں خرید کر لاتا ہے۔ وہ ماں اپنے بچوں کی ہرگز ہمدرد نہیں ہے جو انہیں جھوٹ سکھاتی ہے تاکہ لوگ اس بچے کی جھوٹی بکواس سن کر داد دیں۔ وہ والدین جو اپنے بچوں کو سچ کی تعلیم نہیں دیتے اور جھوٹ پر انکی مناسب سرزنش نہیں کرتے اور زبان کے غلط استعمال سے نہیں روکتے ایسے والدین بچوں کے ہمدرد نہیں ہوتے۔ یاد رکھئے ہر بچہ سچا پیدا ہوتا ہے اور اس کو سچ پر قائم رکھنا اس کے والدین کی اولین ذمہ

داری بنتی ہے۔

○ آج گلی گلی میں سینما گھر کھل گئے ہیں جو جھوٹی فلمیں دکھاتے ہیں۔ آج کے سسپنس اور جاسوسی اور طرح طرح کے جنسی ڈائجسٹوں کا ہر لفظ جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے۔ جھوٹے لطیفے اور جھوٹے ڈرامے سنائے اور دکھائے جاتے ہیں۔ تفریح کے نام پر جھوٹ کا زہر ہر جگہ گھولا جاتا ہے۔ سیاستدان جھوٹ بولتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ جھوٹ چھاپتے ہیں۔ ان حالات میں جھوٹ سے اپنا دامن بچانا بہت مشکل ضرور ہے مگر ہمت والوں کے لئے ناممکن نہیں ہے۔ آپ نے پڑھ لیا ہے کہ جھوٹ یہودیوں کی خصلت ہے۔ جھوٹ منافقین کا شیوہ اور انکی بنیادی علامت ہے۔ آپ نے جھوٹ کے بارے میں دل دہلانے والی وعیدیں پڑھ لی ہیں۔ پس ہمیں چاہئے کہ ہم عزم کرلیں کہ ہماری زبان صرف اور صرف سچ بولے گی، اور ہم عزم کرلیں کہ ہم فلمیں نہیں دیکھیں گے اور ٹی وی کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھیں گے، اور جھوٹے ڈائجسٹ اور جھوٹے افسانے اور جھوٹی شاعری نہیں پڑھیں گے۔ اگر ہم نے ان باتوں کا عزم کرلیا تو انشاء اللہ پھر جھوٹ کے ہر مرکز سے ہمیں نفرت ہو جائے گی اور سچائی کا میٹھا شہد ہمیں ہر لمحے نصیب ہوگا۔

○ شریعت نے بعض مقامات پر جھوٹ کی اجازت دی ہے، مثلاً دشمنان اسلام کو جنگ میں دھوکہ دینے کے لئے (اسمیں عہد توڑنا شامل نہیں ہے بلکہ عسکری اور جنگی چالیں مراد ہیں)۔ مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے اور میاں بیوی میں جوڑ پیدا کرنے کے لئے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ شریعت کی اس رخصت کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ ان مقامات پر بھی صرف ضرورت کے وقت اور ضرورت کے مطابق اس اجازت کا استعمال کریں۔ اور جھوٹ کو اپنی عادت اور مجبوری نہ بننے دیں اور جب جھوٹ کے بغیر یہ مقاصد حل ہوتے ہوں تو خواہ مخواہ جھوٹ نہ بولیں۔ البتہ کسی موذی دشمن کے شر

سے بچنے کے لئے اور لوگوں کے شخصی عیوب چھپانے کے لئے بقدر ضرورت جھوٹ کی اجازت ہے۔ اور یہ اس طرح ہے جس طرح بھوک سے مرنے والے آدمی کو تھوڑا سا حرام کھانے کی اجازت ہوتی ہے اور اس وقت ایک خاص مقدار میں وہ حرام چیز اس کے لئے شریعت نے حلال کر دی ہے۔

○ آج کل بعض لوگ جھوٹ کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں یہ چیز بہت زیادہ خطرناک ہے۔ جھوٹی فنکاری ہو یا جھوٹی قلمکاری، یہ سب چیزیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو اختیار کیا جائے بلکہ یہ قابل نفرت چیزیں ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں سے دور رہیں جو جھوٹ کے ذریعے مال کماتے ہیں اور اپنے پیٹ کی خاطر جھوٹ پھیلاتے ہیں۔

○ آج کل بعض نوکریاں اور ملازمتیں ایسی ہیں جن میں جھوٹ نے لازمی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ مثلاً حکومت کے خفیہ محکموں کی ملازمت، پولیس کی نوکری وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان نوکریوں میں خواہ مخواہ جھوٹ عام ہو چکا ہے اور ان محکموں میں کام کرنے والے افراد جھوٹ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں اور جھوٹ انکی ایسی عادت بن جاتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھی سچ نہیں بول سکتے۔ اور ان میں سے بعض افراد بعد میں دیندار بن جاتے ہیں مگر تب بھی جھوٹ اور انکے ہونٹوں کا رشتہ قائم و دائم رہتا ہے۔ یہ بہت خطرناک صورت حال ہے۔ ان محکموں میں کام کرنے والے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جھوٹ سے بچیں اور جھوٹ کو اپنی عادت نہ بننے دیں۔ اور اگر خدانخواستہ جھوٹ انکی عادت بن چکا ہو تو اسکی فوری اصلاح کی کوشش کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جھوٹ انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھوا دے اور ان کی روح بالکل بدبودار اور متعفن ہو جائے۔

○ آج تجارت اور جھوٹ لازم و ملزوم ہوتے جا رہے ہیں اور ایک عام خوانچہ فروش سے لیکر بڑے بڑے کاروباری لوگ بلا جھجک جھوٹ بولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ معاف فرمائے

جھوٹی قسمیں تک کھانے سے گریز نہیں کرتے۔ دلالی (بروکری) کا پیشہ کرنے والے لوگوں میں یہ عادت بہت زیادہ سرایت کر چکی ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید اس طرح وہ اپنی قسمت سے زیادہ مال کما لیں گے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ جس کی قسمت میں جتنی روزی لکھی ہے اسے اتنی ہی ملنی ہے۔ اب لوگوں کی مرضی کہ حلال طریقے سے لیں یا جھوٹ بول کر اس روزی کو گندا کریں۔ البتہ جھوٹ کی وجہ سے روزی میں سے برکت چلی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

الکذب ینقص الرزق. ”جھوٹ روزی کو کم کرتا ہے“۔ (یعنی اس میں سے برکت اٹھ جاتی ہے)

(احیاء العلوم: ص:۱۸۸، ج ۳)

وہ تاجر جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال بیچتے ہیں وہ مندرجہ ذیل روایت پر غور کریں:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں فرمائے گا اور نہ ان پر نظر شفقت ہو گی۔ ایک وہ جو کسی کو کچھ دے کر احسان جتائے، دوسرا وہ جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچے، تیسرا وہ جو شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھے“۔ (احیاء العلوم: ص:۱۸۸، ج ۳)

ایک اور روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”اگر کوئی اللہ کی قسم کھا کر کہے اور مچھر کے پر کے برابر اسمیں اپنی طرف سے کوئی چیز ملا دے تو اسکے دل پر ایک سیاہ دھبہ قیامت تک رہے گا“۔ (احیاء العلوم: ص:۱۸۸، ج ۳)

مسلمان تاجروں کو چاہئے کہ سچ اور امانت کو لازم پکڑیں، اسی میں ان کا بھلا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور ہر مسلمان تاجر جھوٹ اور خیانت سے پکی اور سچی توبہ کرے۔

○ آجکل حکمران طبقے نے جھوٹ کو اپنے لئے ضروری سمجھ لیا ہے۔ اس طبقے کے اکثر لوگ چند دن کے عارضی ٹھاٹھ کی خاطر اپنی دنیا بھی تباہ کرتے ہیں اور آخرت بھی، حالانکہ

اس طبقے میں سب سے زیادہ سچ اور امانتداری ہونی چاہئے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"تین اشخاص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان پر شفقت کی نظر فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پاک فرمائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے: اول بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا حکمران، تیسرا فقیر متکبر"۔ (احیاء العلوم: ص:۱۸۹، ج ۳، بحوالہ مسلم) حکمران طبقے کا فرض بنتا ہے کہ وہ دوسروں سے زیادہ سچ اور سچائی کا التزام کرے ورنہ یوم حساب زیادہ دور نہیں ہے۔

○ آجکل لطیفوں پر مشتمل ایسی کیٹیں ملتی ہیں جن میں جھوٹے لطیفے سنائے جاتے ہیں اور ان لطیفوں میں سے بعض میں اللہ تعالیٰ، آخرت اور دین کی بہت سی باتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ لوگ اس طرح کے جھوٹ کو سنتے ہیں اور نادانستہ طور پر بعض ایسی باتوں پر ہنستے اور خوش ہوتے ہیں جو کفریہ ہوتی ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی توہین یا گستاخی ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو اس خوفناک وبا سے بچنا چاہئے۔

○ آجکل صحافت اور ادب کے نام سے جھوٹ کو خوب رواج دیا جارہا ہے۔ ہر وہ شخص جس کے قلم کی تحریر کو لوگ پڑھتے ہیں، اسے چاہئے کہ وہ جھوٹ کے گندے مرض سے بچے ورنہ اسکا پھیلایا ہوا جھوٹ خود اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں وبال بن جائے گا خصوصی طور پر دینی اور تحریکی مضامین لکھنے والوں کو اور دینی اور تحریکی رسالے نکالنے والوں کو بہت زیادہ سچ کا اہتمام کرنا چاہئے اور اپنے مضامین اور رسائل کو جھوٹ اور مبالغے کی لعنت سے پاک رکھنا چاہئے۔

یاد رکھئے! دین کا کام اللہ کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی کہ وہ جھوٹ بول کر یا جھوٹ لکھ کر اللہ کے کام کو بڑھائے بلکہ اللہ کے کام میں جھوٹ بولنے اور لکھنے والے زیادہ بڑے مجرم ہوتے ہیں کیونکہ انکی ذمہ داری تو سچ پھیلانے کی ہوتی ہے نہ کہ

جھوٹ پھیلانے کی۔ آپ کسی شخصیت کی تعریف میں لکھیں یا کسی کی مذمت میں، آپ کسی جنگ کی رپورٹنگ کریں یا میدان جہاد کا کوئی واقعہ بیان کریں، سچائی ہر حال میں آپ کے ساتھ ہونی چاہئے۔ دشمن کے جتنے افراد مجاہدین کے ہاتھوں مرے ہوں اتنے ہی لکھیں کیونکہ زیادہ لکھنے سے نہ جہاد کا کوئی فائدہ ہے نہ مجاہدین کا۔ اسی طرح کاروائیوں کی تفصیل اور افراد کے کارناموں کے بیان کو بھی مبالغے سے پاک رکھیں۔ یاد رکھئے! سچ ہی میں برکت ہے اور سچائی پر اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوتی ہے۔ ہمیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہئے کہ ہم پر سب سے پہلے اللہ کے احکام کی بجا آوری فرض ہے اور اللہ تعالیٰ سچ کا حکم دیتا ہے اور جھوٹ سے نفرت فرماتا ہے۔

○ بعض افراد اسلامی ناول لکھنے اور پڑھنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ ان ناولوں میں بھی حسب استطاعت جھوٹ لکھا جاتا ہے۔ اور خصوصاً حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کی جاتی ہے جو انہوں نے نہیں فرمائیں۔ یہ بہت بدترین جھوٹ ہے جسکی سزا بہت سخت ہے۔ اس طرح ان اسلامی ناولوں میں عشق بازی کے جو جھوٹے مناظر دکھائے جاتے ہیں وہ پڑھنے والوں پر بہت برا اثر ڈالتے ہیں اور ان میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ہر مجاہد کے لئے کسی نہ کسی سے عشق کرنا لازمی ہے اور پھر اس عشق کو پاک عشق قرار دیا جاتا ہے گویا کہ غلاظت کو خوشبو قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہم میں سے کوئی بھی غیرت مند مسلمان اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ اسکی بہن یا بیٹی کسی طرح کے نام نہاد پاک عشق میں مبتلا ہو۔ لیکن یہ نام نہاد اسلامی ناول اپنے قارئین میں خبیث عشق کے جراثیم پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ان میں سے بعض ناول اپنے قارئین میں کچھ غلط نظریات پیدا کرتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ناول کسی گہری سازش کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً بعض ناولوں میں صحابہ کرام کی بہت تعریف کی گئی ہے لیکن درمیان میں یہ بات بھی اڑا دی گئی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ میں کافی اختلافات تھے۔ چونکہ ناول کا موضوع حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کارنامے ہوتے ہیں اس لئے پڑھنے والے کی محبت اور ہمدردی ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اختلافات تھے تو اس کا ذہن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف چلا جاتا ہے اور یوں ناول نگار اپنا ایک مذموم مقصد حاصل کرلیتا ہے اور ناول پڑھنے والا شخص سو دو سو روپے اور کئی گھنٹے کا قیمتی وقت خرچ کر کے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بغض کی لعنت اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے۔ اسی طرح بعض ناولوں میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ بغداد کے سقوط کے وقت علماء کرام مناظروں میں مشغول تھے اور ہندوستان کی تقسیم کے وقت علماء کرام ہندوؤں کے ہمنوا اور مسلمانوں کے مخالف تھے۔ ان ناولوں کے پڑھنے والے شخص کو مناظرے سے بھی نفرت ہو جاتی ہے اور علماء کرام سے بھی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حق کے دفاع کے لئے مناظرہ کرنا ایک بہت بڑی عبادت ہے۔ خود قرآن مجید کا ایک موضوع مناظرہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام نے خود مناظرے فرمائے ہیں۔ اس طرح حضرات علماء حق ہر دور میں حق کی حفاظت کے لئے سینہ سپر رہے ہیں۔ اگر علماء کرام نے کسی دور میں بھی حق کی حفاظت سے غفلت برتی ہوتی تو یہ پورا اور مکمل دین ہم تک کیسے پہنچتا؟ اگر ان ناول نگاروں کی یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ علماء کرام ہی دین کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہے ہیں تو دین کی حفاظت کس نے کی ہے؟ جھوٹے ناول نگاروں نے؟ یا انگریز کے گماشتوں نے؟ یا دین سے ناواقف لوگوں نے؟ مگر ہمارے سادہ دل مسلمان ان ناولوں کو پڑھ کر یہ بات بخوشی اور بآسانی قبول کرلیتے ہیں کہ تقسیم برصغیر کے وقت وھسکی کے عادی بے نمازی اور انگریز کی تہذیب وتمدن میں رنگے ہوئے کچھ لیڈر تو مسلمانوں کی

حفاظت کررہے تھے جبکہ سر بکف، تہجد گزار، قرآنی علوم میں رنگے ہوئے علماء کرام مسلمانوں کے خلاف کام کررہے تھے۔ یہ ہے جھوٹ کا نتیجہ اور یہ ہے جھوٹ کا وبال۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان جھوٹے ناولوں کو پرے پھینک دیں اور جھوٹ کی بجائے حقائق کا مطالعہ کریں کیونکہ جھوٹ بولنے کی طرح جھوٹ پڑھنا بھی مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے۔

○ اس زمانے میں ایسے ظالم لوگ بھی پیدا ہوگئے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ لوگوں کو بدعات کی یا دین کے نام پر مادہ پرستی کی دعوت دیتے ہیں اور اسلام کی غلط تشریح کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے اور انکے شر سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

○ وہ مسلمان جو جھوٹ سے نفرت رکھتے ہیں مگر جھوٹ انکی زبان سے نکل جاتا ہے۔ واقعہ سناتے وقت ایک کو دو اور سو کو ہزار بنا جاتے ہیں یا ہر بات کا جواب دینے کے شوق میں جھوٹ بول جاتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تین کام کریں: (۱) روزانہ جھوٹ کی مذمت میں وارد ہونے والی آیات اور احادیث کو پڑھا کریں اور دوسروں کو پڑھ کر سنایا کریں اور زیادہ خاموش رہنے کی کوشش کیا کریں۔ (۲) اپنی جیب میں ایک کاغذ رکھیں اور جب بھی زبان سے جھوٹ نکلے فوراً نوٹ کرلیں اور شام کو گنیں کہ آج کتنی بار جھوٹ بولا ہے پھر اس پر استغفار کریں۔ انشاء اللہ چند دن میں ہی فرق محسوس ہوگا۔ (۳) اگر زبان سے جھوٹ نکل جائے تو مخاطبین کو بتادیں کہ فلاں بات جو میں نے کی ہے وہ جھوٹی ہے۔ اور سچ اس طرح ہے۔ اگر کوئی باہمت شخص اس طریقے کو اختیار کرے تو وہ بہت جلد جھوٹ کے موذی مرض سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ راقم الحروف اور تمام قارئین اور تمام مسلمانوں کو جھوٹ

سے اور زبان کے تمام گناہوں سے مرتے دم تک محفوظ رکھے۔ اور ہم سب کو حسن خاتمہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۰ھ

بمطابق ۹/ اکتوبر ۱۹۹۹ء یوم السبت

بجن کوٹ بلوال بجا موہند

............☆☆☆............

یہودیوں کی دسویں بیماری

بخل اور ترغیب بخل

بخل ایک مہلک اور خطرناک مرض ہے۔ اسی مرض کی وجہ سے قومیں ہلاکت میں پڑیں اور اس مرض کی وجہ سے خون بہتا ہے اور حرمتیں بے حرمت کی جاتی ہیں۔ بخل پیدا ہونے کی پہلی وجہ مال کی محبت ہے جو یہودیوں میں بہت زیادہ پائی جاتی تھی۔ بخل کی دوسری وجہ لمبی زندگی کا شوق اور طرح طرح کی امیدیں باندھنا ہے اور یہ کام بھی یہودیوں میں بہت زیادہ تھا۔ اور بخل کی تیسری وجہ بیوقوفی ہے اور یہودی تو ہوتے ہی بے وقوف ہیں۔ پس جب یہودیوں میں مال کی محبت، لمبی زندگی اور طرح طرح کی تمناؤں کا شوق اور بے وقوفی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی تو اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ بخل اور کنجوسی کے مرض میں مبتلا ہوں۔ بخیل آدمی کو مال اچھا لگتا ہے لیکن اس پر اس مال کا خرچ کرنا گراں گزرتا ہے۔ بخیل آدمی اس سانپ کی طرح ہوتا ہے جو مال کے خزانے پر بیٹھ کر دن رات پہرہ دیتا ہو اور نہ خود اس مال سے فائدہ اٹھاتا ہو۔ اور نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دیتا ہو۔ جس طرح مال کا خزانہ سانپ کے کسی کام نہیں آتا اور بالآخر وہ سانپ یہ سارا مال چھوڑ کر مر کھپ جاتا ہے اور مال دوسروں کے ہاتھ لگ جاتا ہے، اسی طرح کا حشر بخیل آدمی کا ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں سانپ بن کر مال کی حفاظت کرتا ہے اور آخرت میں یہی مال سانپ بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ بخل ایسا گندا اور مہلک مرض ہے جو انسان سے زندگی کا چین اور سکون چھین لیتا ہے اور انسان ہر وقت مال بنانے، مال سنبھالنے، اسکی حفاظت کرنے اور اسے نقصان سے بچانے کیلئے گھلتا اور مرتا رہتا ہے اور ایک ایک پائی اسے سانس سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ چنانچہ مال کے ہر نقصان

کی چوٹ اس کے دل پر پڑتی ہے اور جس طرح کتے کی روح بہت مشکل سے اور اسے تڑپا تڑپا کر نکلتی ہے اسی طرح بخیل کی جیب سے ضروریات کیلئے بھی پیسہ بڑی مشکل سے اور اسے تڑپا تڑپا کر نکلتا ہے۔ اسی لئے جس قوم میں بخل آجاتا ہے وہ قوم مغلوب و مقہور ہو جاتی ہے۔ اور اسے غلامی کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے اور جس قوم کے مالدار افراد بخیل ہو جاتے ہیں اس قوم کیلئے عزت کے ساتھ زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بخل کہتے کسے ہیں؟ کیونکہ کوئی آدمی بھی خود کو بخیل ماننے پر تیار نہیں ہوتا جبکہ ہر آدمی کی نظر میں دوسرا آدمی بخیل ہوتا ہے۔ اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ اس سے انسانوں کی ضروریات پوری ہوں اور اگر مال کو ضروریات پورا کرنے کیلئے خرچ نہ کیا جائے تو سونے کی ڈلی اور ایک عام پتھر میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ کیونکہ جس طرح پتھر بیکار ہے اسی طرح وہ سونے کی ڈلی بھی بیکار ہے جس سے کسی کی ضرورت پوری نہیں ہو رہی۔ اس لئے سخی آدمی کا مال ایک طاقت ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ دنیا آخرت کے فائدے حاصل کرلیتا ہے جبکہ بخیل کا مال پتھروں کا ڈھیر ہوتا ہے جس پر ایک سانپ پہرہ دیتا رہتا ہے۔ بس بخل کی تعریف یہ ہوگی کہ ایسی جگہ مال خرچ کرنے سے رکنا جہاں پر مال خرچ کرنا شریعت کی رو سے یا مروت کی رو سے ضروری ہو۔ اور ایسی جگہ مال خرچ کرنا جہاں شریعت نے مال خرچ کرنے سے روکا ہو اسراف کہلاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اسراف بھی برا ہے اور بخل بھی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ بخل وہ بیماری ہے جو انسان کو ان جگہوں پر مال خرچ کرنے سے روکتی ہے جہاں اسے شرعاً یا مروتاً خرچ کرنا چاہیے۔

چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حقوق مثلاً زکوٰۃ اور عشر وغیرہ نہ دے وہ بخیل ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنے اہل وعیال کا نفقہ خرچہ خوشی سے نہ دے وہ بھی بخیل ہے۔ اسی طرح جس شخص کا دل اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے گھبراتا اور ڈرتا ہو وہ بھی بخیل ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ کے راستے میں گھٹیا اور برا مال تو خرچ کرلیتا ہو

لیکن اچھا مال خرچ نہ کرسکتا ہو وہ بھی بخیل ہے۔ اسی طرح جس شخص کا دل ادنی استعمال کی چیزیں دوسروں کو دینے پر راضی نہ ہوتا ہو وہ بھی بخیل ہے۔ اسی طرح وہ چیزیں جنکی حفاظت مال کی حفاظت سے زیادہ ضروری ہے انکی حفاظت کیلئے مال خرچ نہ کرنے والا بھی بخیل ہے۔ مثلاً دین کی حفاظت، عصمت وحرمت کی حفاظت شعائر اللہ کی حفاظت، اہل ایمان کے جان ومال اور ان کے علاقوں کی حفاظت وغیرہ، یہ وہ امور ہیں جنکی خاطر مال خرچ کرنا لازم ہوتا ہے لیکن جو شخص ان امور میں مال خرچ کرنے سے گھبرائے وہ بھی بخیل ہے۔ بخل کی بیماری جب بڑھ جاتی ہے تو وہ ایمان سے بھی روکتی ہے کیونکہ بخیل آدمی اس بات سے ڈرتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مال خرچ کرنا پڑے گا جو اس کے لئے اپنے بخل کی وجہ سے ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ وہ بدقسمت شخص ایمان پر کفر کو ترجیح دیتا ہے جیسا کہ یہودیوں نے کیا۔ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ یہودیوں کو اور باتوں کے ساتھ ساتھ بخل چھوڑنے اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی ترغیب بھی دی گئی تھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ (مائدہ: ۱۲)

"اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور ان میں ہم نے بارہ سردار مقرر کیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور انکی مدد کروگے اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کردوں گا اور تم کو جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے

کفر کیا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا"۔

اس آیت مبارکہ میں مال خرچ کرنے کے دو حکم صادر فرمائے گئے ہیں: پہلا واٰتیتم الزکوٰۃ اس سے مراد مال کے وہ لازمی شرعی حقوق ہیں جو شریعت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں اور ان کا نصاب اور ان کی شرائط طے شدہ ہوتی ہیں۔ دوسرا حکم واقرضتم اللہ قرضا حسنا عام ہے یعنی اللہ کے دین کی حمایت اور پیغمبروں کی تائید ونصرت میں اور نیکی کے تمام کاموں میں مال خرچ کرنا مراد ہے۔ صاحب جمل لکھتے ہیں:

والمراد بالزکوۃ الواجبۃ وبالقرض ہنا الصدقۃ المندوبۃ.

"اس آیت میں زکوۃ سے مراد حقوق واجبہ اور قرض سے مراد نفلی صدقات ہیں"۔

(جمل، حاشیہ جلالین، ص:۹۴)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم دیکھئے کہ اس نے نیکی کے کاموں میں خرچ کئے جانے والے مال کو اپنے اوپر قرض سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس میں خرچ کرنے والے کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ جو کچھ بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے وہ ضائع نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے ذمے لازم فرمالیا ہے کہ وہ اسکا بدلہ ضرور دے گا۔ اور خوب بڑھا چڑھا کر اور اپنی شایان شان دے گا۔ مگر یہودیوں پر اس قدر پیار بھری دعوت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ انہوں نے اس آیت میں لئے گئے تمام عہد واقرار توڑ ڈالے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق بن گئے جیساکہ اس کے بعد والی آیت میں نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ بخل تو ہر حال میں خطرناک اور مذموم ہے لیکن جس طرح ہر اچھائی میں درجات ہوتے ہیں اور بعض درجے بعض سے بڑھ کر ہوتے ہیں، اسی طرح ہر برائی اور بیماری میں بھی درجات ہوتے ہیں اور بعض درجے بعض سے بڑھ کر خطرناک ہوتے ہیں۔ اور بخل کا سب سے خطرناک درجہ یہ ہے کہ کوئی آدمی خود تو مال خرچ کرنا درکنار دوسروں کو بھی اچھائی کے کاموں میں خرچ کرتا ہوا نہ دیکھ سکے۔ بلکہ دوسروں کو مال خرچ کرتا دیکھ کر بھی اسکا دل گھٹنے

لگے اور اس کی جان نکلنے لگے۔ یہودی بخل کے اس مقام تک پہنچ چکے تھے چنانچہ وہ خود بھی بخل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی بخل کی دعوت دیتے تھے۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا. الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ. وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا.

(النساء: ۳۶، ۳۷)

"اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے، بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل سکھاتے ہیں۔ اور جو (مال اور علم) انکو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ اور ہم نے ناشکروں کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے جو شان نزول ان آیات کا بیان فرمایا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ یہودی لوگ آنحضرت ﷺ کے اوصاف کو جنکا ذکر تورات میں ہے چھپاتے تھے اور صدقہ اور خیرات میں خود بھی بخیلی کرتے تھے اور انصار کے جن لوگوں سے انکی جان پہچان تھی ان کو بھی خیرات سے ہاتھ روکنے کی نصیحت کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (حاشیہ قرآن: ص:۱۱۶ بحوالہ ابن جریر وابن کثیر وخازن)

حضرت محقق عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی روکنا چاہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے اوصاف جو تورات میں مذکور تھے اور حقانیت اسلام کی جو آیات موجود تھیں، انکو چھپاتے تھے۔ سو مسلمانوں کو اس سے احتراز لازم ہے"۔ (تفسیر عثمانی: ص:۱۰۹)

حضرت مفتی اعظم صاحبؒ لکھتے ہیں:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یہود

مدینہ کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ یہ لوگ بہت زیادہ مغرور تھے، انتہا درجے کے کنجوس تھے، مال خرچ کرنے میں بھی بخل کرتے تھے اور اس علم کو بھی چھپاتے تھے جو انہیں اپنی الہامی کتابوں سے حاصل ہوا تھا...... آگے فرمایا کہ ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال ودولت میں بھی بخل کرتے ہیں اور علم وایمان کے معاملہ میں بھی بخیل ہیں ایسے لوگ نعمت خداوندی کے ناسپاس ہیں اور ان کے لئے اہانت آمیز عذاب تیار کر لیا گیا ہے۔ (معارف القرآن: ص:۴۱۵،ج۲)

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر یہودیوں کے حد سے بڑھے ہوئے بخل کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا. (نساء: ۵۳)

"کیا ان (یہودیوں) کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے (تو) لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں گے"۔

صاحب جلالین لکھتے ہیں:

ام لهم من الملك اى ليس لهم شئ منه ولو كان فاذا لا يؤتون الناس نقيرا اى شيئا نافها قدر النقرة فى ظهر النواة لفرط بخلهم. (جلالین: ص:۷۸)

"ان یہودیوں کے پاس بادشاہت کا کچھ حصہ بھی نہیں ہے لیکن اگر ہو تو یہ لوگوں کو ایک نقیر بھی نہ دیں یعنی کھجور کی گٹھلی کے سوراخ جتنی حقیر چیز بھی اپنے حد سے بڑھے ہوئے بخل کی وجہ سے لوگوں کو نہ دیں"۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

"مطلب آیت کا یہ ہے کہ کیا یہود کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں؟ یعنی ہرگز نہیں۔ اگر یہ حاکم ہو جائیں تو لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں یعنی ایسے بخیل ہیں کہ بادشاہت میں فقیر کو تل برابر بھی نہ دیں"۔ (تفسیر عثمانی: ص:۱۱۳)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان اور اسکی تفسیر کو سامنے رکھئے اور یہودیوں کے ماضی اور حال کا تجزیہ کیجئے تو مذکورہ بالا آیت کا پورا نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا۔ یہودیوں کے بخل اور انکی مال سے محبت اور کنجوسی نے آج دنیا کے پورے نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے۔ مثلاً یہودی منصوبہ سازوں کے اشارے پر آجکل امریکہ نے عجیب وغریب قوانین اپنی غنڈہ گردی کی بدولت دنیا پر نافذ کر رکھے ہیں۔ ان قوانین میں سے یہ بھی ہے کہ امریکہ دوسرے ملکوں سے ماحول میں آلودگی پھیلانے کے جرم میں مال حاصل کرتا ہے لیکن جب امریکہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ آلودگی پھیلانے کا مرتکب ہے تو امریکہ فوراً یہ پیشکش کر دیتا ہے کہ اگر مجھے اتنی رقم دی جائے تو میں اتنے فیصد کم آلودگی پھیلاؤں گا۔ یعنی دوسرے لوگ اگر گیس بھی خارج کریں تو امریکہ کو پیسے دیں اور امریکہ کے گیس سے بچنے کے لئے بھی اسے پیسے دیں۔ یہ ہے یہودیوں کی منصوبہ سازی کا حال۔ ان کی اسی حالت کو آیت مبارکہ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر ان یہودیوں کے ہاتھ میں کچھ اختیار آجائے تو یہ لوگوں کو پانی کے ایک ایک قطرے کے لئے اور صاف ہوا کے ایک ایک جھونکے کے لئے ترسا دیں کیونکہ بخل نے انہیں جانوروں سے زیادہ خود غرض بنادیا ہے۔ جانور تو بعض مرتبہ دوسروں کا خیال کر لیتے ہیں اور بعض اوقات ایثار سے بھی کام لے لیتے ہیں جبکہ یہودی قطعاً کسی کا خیال نہیں رکھتے بلکہ ان کے ہاتھ میں جو کچھ آجائے پھر وہ اس کا فائدہ کسی کو نہیں پہنچنے دیتے بلکہ اس پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ گویا کہ یہودیوں کے ہاتھ میں سلطنت اور اختیار کا آجانا دنیا کے لئے تباہی کا باعث ہے۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کے کئی ملک اس سانپ کو دودھ پلا کر پال رہے ہیں اور طاقتور بنا رہے ہیں جس سانپ سے دنیا کے ہر انسان اور زمین کے چپے چپے کو سنگین خطرہ لاحق ہے۔ یہودی مسلمان کے دشمن تو ہیں ہی لیکن وہ عیسائی جو آج یہودیوں کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں اور یہودیوں کے لئے مضبوط سہارا بنے ہوئے ہیں وہ بھی یہودیوں سے سخت نقصان اٹھائیں گے بلکہ اٹھا رہے ہیں، مگر ان کو عقل نہیں ہے کہ اسے سمجھ سکیں۔

اسلامی دعوت

اسلام بخل جیسے موذی مرض کا سخت مخالف ہے اور بخل کے مقابلے میں جود و سخا کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں بخل کی مذمت اور اسکی قباحت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کرنے کی خوب خوب ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح وہ اسباب جنکی وجہ سے بخل پیدا ہوتا ہے ان سے بھی اسلام نے سختی سے روکا ہے۔ اور اسلام کے نظام تعلیم وتربیت میں اسکا بہترین انتظام موجود ہے کہ ایک انسان میں وہ اسباب ہی پیدا نہ ہوں جنکی وجہ سے بخل جیسا ہلاکت خیز مرض پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً اسلام نے دنیا کی محبت کو ایک جرم اور بیماری قرار دیا ہے اور اپنے متبعین کے قلوب کو اس سے صاف کرنے کا بندوبست فرمایا ہے۔ اسی طرح اسلام نے طول امل یعنی لمبی امیدوں اور آرزوؤں کے باندھنے کو ایک غلط اور فضول کام قرار دیکر لوگوں کو فکر آخرت کی دعوت دی ہے۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات انسان کی عقل کو اس قدر روشن کر دیتی ہیں کہ وہ بخل جیسی بے وقوفی کا تصور بھی نہیں کرتا۔ اور وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال کو بے کار پتھر بنا کر رکھنے اور اس پر سانپ بن کر بیٹھنے سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا پر حکومت وخلافت دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور بخیل حکمران دنیا کو فلاح کی بجائے تباہی میں مبتلا کرتے ہیں، اس لئے اسلام نے مسلمانوں کو نیکی کے راستے میں مال خرچ کرنے کی جرأت اور ہمت اپنے اندر پیدا کرنے اور بخل سے سخت نفرت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام کے یہ فرامین اور احکامات تین طرح کے ہیں: (۱) وہ فرامین اور احکامات جن میں مسلمانوں کو دنیا کی محبت سے روکا گیا ہے اور انہیں سمجھایا گیا ہے کہ وہ دنیا اور اس کے مال ومتاع کو اپنی زندگی کا مقصود نہ بنائیں اور نہ ہی دنیا کے بارے میں لمبی امیدیں باندھیں، اور نہ ہی مال کی فضول ذخیرہ اندوزی کی بیوقوفی میں مبتلا ہوں۔ (۲) وہ فرامین اور احکامات جن میں مسلمانوں کو مال خرچ

کرنے کی ترغیبات دی گئی ہیں اور اس کے عجیب وغریب فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ اور انہیں یہ سمجھایا گیا ہے کہ وہ اس دن کے آنے سے پہلے جس دن دنیا کا سارا مال بھی نفع نہیں دے گا، اللہ کے راستے میں خوب مال خرچ کریں اور اپنی آخرت بنائیں۔ اور انہیں یہ بات باور کرائی گئی ہے کہ لوگوں کی حاجات پوری کرنا تمام انسانوں بلکہ جانوروں کی ضروریات پوری کرنا اور نیکی کے راستوں میں مال خرچ کرنا، ایک ایسی نیکی ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لازم کر لیا ہے۔ اور انہیں یہ نکتہ بھی ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ اگر انہوں نے دنیا میں مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ نہ کیا تو انہیں قیامت کے دن اس مال کا سخت حساب دینا پڑے گا لیکن اگر انہوں نے اس مال کو اللہ کی رضا کے کاموں میں خرچ کیا تو یہ عمل ان کے لئے آخرت میں آسانی اور طرح طرح کی نعمتوں اور حساب سے محفوظ رہنے کا ذریعہ بنے گا۔ اور انہیں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا۔ اور انہیں اس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ دین کی حمایت میں مال خرچ کریں اس سے دنیا میں اسلام کو اور خود انکے دلوں میں ایمان کو قوت ملے گی۔ وغیر ذلک۔ (۳) وہ فرامین اور احکامات جن میں بخل کی مذمت اور اس کے برے انجام کو بیان کیا گیا ہے۔

اب اگر ہم تینوں طرح کے اسلامی احکامات اور بیانات کا تذکرہ کریں تو صرف یہی مضمون ایک مستقل کتاب بن جائے گا اور بات بہت زیادہ لمبی ہو جائے گی، اس لئے ہم یہاں پر اسلامی دعوت کے تحت صرف تیسرے نمبر یعنی بخل کی مذمت اور قباحت کے بارے میں قرآن مجید کی چند آیات اور حضور اکرم ﷺ کی چند احادیث پر اکتفا کریں گے تاکہ ان آیات واحادیث کو پڑھ کر مسلمان بخل سے بچیں اور اس بات کو سمجھیں کہ بخل یہودیوں کی خصلت ہے اور یہ مسلمانوں کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔

قرآن مجید اور بخل کی مذمت :

بخل کی مذمت کے بارے میں قرآنی آیات کے خلاصے کو ہم دس عنوانات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ واللہ المستعان.

(۱) شیطان بخل کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ. (البقرۃ: ۲۶۸)

"اور شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ شیطان آدمی کو تنگدستی اور فقر و فاقے سے ڈراتا ہے تاکہ آدمی مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لے۔

صاحب جلالین نے تو اس آیت میں "فحشاء" سے بھی بخل مراد لیا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے: جلالین، ص:۴۲)

چنانچہ مُحشّی جلالین لکھتے ہیں:

قال بعضهم الفحشاء فی القرآن جمیعه معناها الزنا الا هذه فمعناها البخل. (حاشیہ جلالین: ص:۴۲)

"بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی فحشاء کا لفظ آیا ہے اسکا معنی زنا (اور بے حیائی) ہے سوائے اس آیت میں کہ یہاں پر اسکا معنی بخل ہے"۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

"جب کسی کے دل میں خیال آئے کہ اگر میں خیرات کروں گا تو مفلس رہ جاؤں گا

اور حق تعالیٰ کی تاکید سن کر بھی یہی ہمت ہو اور دل چاہے کہ اپنا مال خرچ نہ کرے اور وعدہ الٰہی سے اعراض (روگردانی) کر کے وعدہ شیطانی پر طبیعت کو میلان اور اعتقاد ہو تو اس کو یقین کرلینا چاہئے کہ یہ مضمون شیطان کی طرف سے ہے۔ یہ نہ کہے کہ شیطان کی تو ہم نے کبھی صورت نہیں دیکھی، حکم کرنا تو در کنار رہا۔ اور اگر یہ خیال آوے کہ صدقہ خیرات سے گناہ بخشے جائیں گے اور مال میں بھی ترقی اور برکت ہوگی تو جان لیوے کہ یہ مضمون اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ اور خدا کا شکر کرے۔ اور اللہ کے خزانے میں کمی نہیں۔ سب کے ظاہر و باطن نیت و عمل کو خوب جانتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی: ص:۹۷)

اس آیت سے بالکل واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ انسان کا بدترین دشمن شیطان مردود ہی انسان کو بخل پر لگاتا ہے اور یہودی اس کے کہنے میں آگئے مگر ایک مسلمان کو اس بات سے عار آنی چاہئے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آکر نوٹ گننے والی مشین بن جائے۔ اور ہر مسلمان کو اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ شیطان جس بات کی دعوت دیتا ہے اس میں انسان کے لئے سوائے ہلاکت، تباہی اور خسارے کے کچھ نہیں ہوتا۔

(۲) بخل کرنے والے خوش نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ. (آل عمران: ۱۸۰)

"جو لوگ مال میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں (وہ اچھا نہیں) بلکہ انکے لئے برا ہے"۔

چونکہ شیطان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انسانوں کو جس گناہ میں بھی لگاتا ہے وہ گناہ ان کی نظروں میں نیکی اور عقلمندی بنا کر پیش کرتا ہے اور ہر برائی کو انسانوں کے لئے مزین کر کے پیش کرتا ہے چنانچہ بخل کرنے والے لوگ بھی اپنے آپ کو بہت عقلمند اور دوسروں کو بیوقوف سمجھتے ہیں اور انکا خیال یہ ہوتا ہے کہ ہم بخل کر کے بہت اچھا کام کر رہے ہیں اور

اپنے لئے اور اپنے مستقبل کے لئے بہت بہتر کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ بخل کرنے والے خود کو عقلمند نہ سمجھیں اور یہ خیال نہ کریں کہ وہ کسی طرح کی خیر اور بھلائی حاصل کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ بخل تو ان کے لئے دنیا وآخرت میں سوائے شر اور بربادی کے اور کچھ نہیں ہے۔

(۳) بخل کرنے والے کا مال اس کے لئے خوفناک عذاب بنے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ.

(آل عمران: ۱۸۰)

”جو لوگ مال میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں (وہ اچھا نہیں) بلکہ ان کیلئے برا ہے۔ وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اسکا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا اور آسمانوں اور زمینوں کا وارث اللہ ہی ہے اور وہ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے“۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

”اس (آیت) میں مسلمانوں کو بھی کھٹکھٹا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے کبھی جی نہ چرائیں، ورنہ جو شخص بخل وحرص وغیرہ رذیل خصلتوں میں یہود ومنافقین کی روش اختیار کرے گا اسے بھی اپنے درجہ کے موافق اسی طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مانعین زکوٰۃ کا مال سخت زہریلے اژدھے کی صورت میں متمثل کر کے ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ نعوذ باللہ!“ (تفسیر عثمانی۔ ص:۹۵)

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”جو کوئی زکوٰۃ نہ دے گا اس کا مال اژدھا بن کر گلے میں پڑے گا اور اس کے کلے چیرے گا اور اللہ وارث ہے آخر تم مرجاؤ گے اور مال اسی کا ہو رہے گا تم اپنے ہاتھ سے دو تو ثواب پاؤ“۔ (موضح القرآن)۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ.

(توبہ: ۳۴،۳۵)

”اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسکو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے جس دن وہ (مال) دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائیگا پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا پس جو تم جمع کرتے تھے (اب) اسکا مزہ چکھو“۔

اللہ اکبر! کس قدر سخت وعید ہے ان لوگوں کے لئے جو بڑی محنت اور مشقت کر کے پیسہ جمع کرتے ہیں اور اس پر دنیا کے آرام اور اسکی راحت کو بھی قربان کرتے ہیں اور پھر بخل کی وجہ سے انکا یہی مال قیامت کے دن ان کے لئے دردناک عذاب بن جائے گا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

”جو لوگ دولت اکٹھی کریں خواہ حلال طریقہ سے ہو مگر خدا کے راستہ میں خرچ نہ کریں (مثلاً زکوٰۃ نہ دیں اور حقوق واجبہ نہ نکالیں) انکی یہ سزا ہے۔ بہر حال دولت وہی اچھی ہے جو آخرت میں وبال نہ بنے ...... بخیل دولتمند سے جب اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔ زیادہ کہو تو اعراض (روگردانی) کر کے ادھر سے

پہلو بدل لیتا ہے۔ اگر اس پر بھی جان بچی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔ اس لئے سونا چاندی تپا کر ان ہی تین موقعوں (پیشانی، پہلو، پیٹھ) پر داغ دیئے جائیں گے تاکہ اسکے جمع کرنے اور گاڑنے کا مزہ چکھ لے"۔ (تفسیر عثمانی: ص:۲۵۴)

(۴) بخل کے نتیجے میں نفاق گلے میں پڑا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ.

(توبہ: ۷۵، ۷۶، ۷۷)

"اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہربانی سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکی کرنے والوں میں ہو جائینگے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) روگردانی کر کے پھر گئے۔ تو اللہ نے اسکا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لئے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہونگے انکے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ اس لئے کہ انہوں نے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے"۔

یہ ایک شخص کا واقعہ تھا جسکا نام ثعلبہ بن حاطب تھا اس نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ میرے حق میں مالدار ہو جانے کی دعا فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: ثعلبہ! تھوڑی چیز جس پر تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اس سے زیادہ چیز سے اچھی ہے جسکے تو حقوق ادا نہ کر سکے۔ اس نے پھر وہی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں

کہ تو میرے نقش قدم پر چلے؟ آپ کے انکار پر اسکا اصرار بڑھتا رہا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو مال دے گا تو میں پوری طرح اس کے حقوق ادا کروں گا۔ آخر حضور اکرم ﷺ نے اس کے حق میں دعا فرما دی۔ اس دعا کی برکت سے اسکا مال تیزی سے بڑھنے لگا اور وہ رفتہ رفتہ اس مال میں اس قدر مشغول ہوا کہ اس نے جمعہ تک چھوڑنا شروع کر دیا۔ پھر جب حضور اکرم ﷺ نے اسکے پاس زکوٰۃ لینے کے لئے عامل بھیجا تو اس نے کہا کہ یہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے اور پھر اس نے ٹال مٹول کر کے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ثعلبہ ہلاک ہو گیا۔ قرآن مجید کی یہ آیات بھی اسی موقعہ پر نازل ہوئیں۔ جب اس تک یہ خبر پہنچی تو دنیا میں عار کے خوف سے زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا مگر آنحضرت ﷺ نے قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ اس نے ظاہری طور پر بہت واویلا کیا مگر نفاق اسکے دل میں جڑ پکڑ چکا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد وہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر آیا مگر کسی نے قبول نہ فرمائی۔ بالآخر حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں نفاق کی حالت پر مر گیا۔ چنانچہ وعدہ خلافی، جھوٹ، اور مال کی محبت اور بخل کا نتیجہ کیا نکلا؟ زکوٰۃ اور حقوق واجبہ کے معاملے میں کوتاہی کرنے والے عبرت کی نگاہ سے غور کریں۔

(۵) اللہ تعالیٰ بخل کرنے والے اور بخل کی دعوت دینے والے متکبرین کو پسند نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ.

(الحدید: ۲۴)

"اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور شیخی بگھارنے والے کو دوست نہیں رکھتا جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں۔ اور جو شخص روگردانی کرے تو اللہ بھی بے پروا سب خوبیوں والا ہے"۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

"اکثر متکبر مالداروں کی حالت یہی ہوتی ہے کہ بڑائی اور شیخی تو بہت ماریں گے مگر خرچ کرنے کے ٹائم پیسہ جیب سے نہ نکلے گا۔ کسی اچھے کام میں خود دینے کی توفیق نہ ہوگی اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی یہی سبق پڑھائیں گے۔ موقع پر بڑھ کر خرچ کرنا متوکلوں اور ہمت والوں کا کام ہے جو پیسہ سے محبت نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ سختی اور نرمی سب اسی مالک علی الاطلاق (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہے۔ (فان اللہ ھو الغنی الحمید) یعنی تمہارے خرچ کرنے یا نہ کرنے سے اسکو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچتا وہ تو بے نیاز اور بے پرواہ ذات ہے۔ تمام خوبیاں علی وجہ الکمال اسکی ذات میں جمع ہیں تمہارے کسی فعل سے اسکی کسی خوبی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ جو کچھ نفع نقصان ہے تمہارا ہے۔ خرچ کرو گے خود فائدہ اٹھاؤ گے، نہ کرو گے گھاٹے میں رہو گے۔ (تفسیر عثمانی: ص:۷۱۷)

مختال اور فخور کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر متکبر لوگ اپنی خواہشات میں اور اپنی شوخیاں دکھانے کے لئے خوب مال خرچ کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ بخیل ہوتے ہیں کیونکہ وہ نیکی کے کاموں میں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی خرچ نہیں کرنے دیتے۔

(۶) بخل کا نقصان خود بخیل کو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هٰاَنْتُمْ هٰؤُلَاۤءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۤءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ. (محمد: ۳۸)

"دیکھو! تم وہ لوگ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہو تو تم میں ایسے شخص بھی ہیں جو بخل کرنے لگتے ہیں۔ اور جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج۔ اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو

لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہونگے"۔

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیتا ہے وہ خود کو دیتا ہے اور اپنی قبر اور آخرت کے لئے ذخیرہ کرتا ہے اور اسکا وہ مال اس کے فائدے کیلئے محفوظ ہو جاتا ہے لیکن جو شخص بخل کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اور وہ اپنے مال کو اپنے لئے محفوظ کرنے کی بجائے دوسروں کے لئے اسکی حفاظت کی مشقت اٹھاتا ہے اور پھر ان کے لئے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ تب اسکے مال سے فائدہ تو دوسرے لوگ اٹھاتے ہیں جبکہ اس مال کا وبال قیامت کے دن اسے بھگتنا پڑے گا اور اس کا حساب بھی اسے دینا پڑے گا۔ غور کیجئے! کس قدر محرومی اور نقصان کی بات ہے کہ انسان مال کا حساب بھی دے، اسکا وبال بھی اٹھائے اور اسے اس مال سے کچھ فائدہ بھی حاصل نہ ہو۔ اسی لئے عقلمند آدمی وہی ہے جو اپنے مال کے بدلے آخرت خرید لیتا ہے اور بجائے اس کے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کو دوسرے کھائیں، وہ اپنی زندگی ہی میں اس مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کر کے بچا لیتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: "یعنی مال خرچ کرنے کی جو تاکید سنتے ہو یہ نہ سمجھو کہ اللہ یا اسکا رسول مانگتا ہے۔ نہیں۔ یہ تمہارے بھلے کو فرماتا ہے۔ پھر ایک کے ہزار ہزار پاؤ گے ورنہ اللہ کو اور اسکے رسول کو کیا پرواہ ہے"۔ (موضح القرآن)

(۷) جو بخل سے بچا اس نے فلاح پائی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الحشر: ۹)

"اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے بچا لیا گیا ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں"۔

تفسیر روح البیان میں "شُحّ" کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے:

والشُحُّ: بالضم والكسر بخل مع حرص. (حاشیہ جلالین: بحوالہ روح البیان)

"شُحّ، شین کے پیش یا زبر کے ساتھ، بخل مع حرص کو کہتے ہیں"۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

"یعنی بڑے کامیاب اور بامراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ کی توفیق اور دستگیری نے دل کے لالچ اور حرص و بخل سے محفوظ رکھا۔ لالچی اور بخیل آدمی اپنے بھائیوں کے لئے کہاں ایثار کر سکتا ہے اور دوسروں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر کب خوش ہوتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی: ص: ۷۲۵)

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

"شُحّ" اور بخل میں علماء نے فرق کیا ہے۔ بخل صرف منع کرنا، نہ دینا اور "شُحّ" وہ نفسانی حالت ہے جس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ "شُحّ" صفات ذمیمہ میں سے تھا جس کا ترجمہ لالچ ہے، اس لئے اس سے بچنے کو کامیابی فرمایا۔ دین و دنیا کی صدھا محرومیاں اسی شح سے پیدا ہوتی ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں یہ انسان کو حقیر کر دیتا ہے۔ ہمدردی اور سخاوت کے کاموں میں حصہ نہیں لینے دیتا۔ لالچی اور بخیل کو ہم نے اپنے گھر میں بھی اس کے متعلقین کے نزدیک عزت پاتے نہیں دیکھا۔ ایسے آدمی کو لئیم کہتے ہیں جسکا مال اس کے بعد فضول خرچی میں صرف ہوتا ہے۔ دنیا میں جس قدر اولعزم لوگ آئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ ناپاک خصلت نہ تھی (کہ) تمام عمر خون جگر کھایا، دولت سے متمتع نہ ہوا، نہ نفس کو آرام دیا، نہ کار خیر میں حصہ لیا، مر گیا چھوڑ گیا، حسرت لے گیا۔ یہی انسان کو چوری، خیانت، قتل، ظلم، جھوٹ بولنے، کم تولنے پر مجبور کرتا ہے۔ بہادرانہ کاموں سے روکتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس سے نفرت دلاتا ہے۔ (حاشیہ قرآن ص: ۷۶۴ بحوالہ تفسیر حقانی)

سورہ تغابن آیت: ۱۶ میں بھی یہی مفہوم بیان فرمایا گیا ہے:

(۸) بخل کرنے والوں کے لئے سختی ہی سختی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى. وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى. فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى. وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى. (اللیل: ۸، ۹، ۱۰، ۱۱)

"اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ رہا اور نیک بات کو جھٹلایا اسے ہم سختی میں پہنچائیں گے۔ اور جب وہ (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو

اسکا مال اسکے کچھ بھی کام نہ آئے گا"۔

یعنی جو شخص بخل اختیار کرتا ہے اور آخرت سے بے پرواہ ہو کر اسلام کی سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے، اس کے لئے سختی ہی سختی ہے۔ پہلے اسکا دل سخت ہوتا ہے جسکی وجہ سے اس سے زندگی کا سکون چھن جاتا ہے۔ پھر اس سے ہر طرح کی نیکی کی توفیق چھین لی جاتی ہے جسکی وجہ سے وہ مرتے ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب کی سختی میں گرفتار ہو جاتا ہے اور یہ سختی منزل بمنزل اور روز بروز بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

(۹) جہاد میں خرچ کرنے سے بخل کرنا اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. (بقرہ: ۱۹۵)

"اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپکو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور نیکی کرو بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

جہاد چھوڑ دینا اور جہاد میں مال خرچ نہ کرنا اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، کیونکہ جب جہاد نہیں ہوگا تو دشمنان اسلام کو قوت اور طاقت مل جائے گی اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس طرح جب جہاد پر خرچ کرنے سے بخل کیا جائے گا تو مجاہدین کمزور ہو جائیں گے اور مسلمانوں کا دفاع مضبوط نہیں رہے گا تب سب کچھ کافروں کے ہاتھ میں چلا جائیگا اور وہ جس طرح سے چاہیں گے مسلمانوں کو نوچیں گے۔ اور اسلام کو مٹانے کے لئے طرح طرح کے اقدامات کریں گے، اور مسلمانوں کے خزانے کافروں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے، اور مسلمانوں کی اجتماعیت پارہ پارہ ہو جائے گی، اور وہ اسلامی نظام کی برکات سے محروم ہو جائیں گے۔ پس اس سے بڑھ کر اور کیا ہلاکت ہوگی۔

(۱۰) ہلاکت ہے ریاکاروں اور بخیلوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ

"پس ایسے نمازیوں کیلئے خرابی (ہلاکت) ہے

صَلوٰتِهِمْ سَاهُوْنَ. اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُ وْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ. (ماعون: ۴،۵،۶،۷)

جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں جو ریاکاری کرتے ہیں اور (عام) برتنے کی چیزیں عاریتاً نہیں دیتے"۔

"یعنی زکوٰۃ وصدقات وغیرہ تو کیا ادا کرتے؟ معمولی برتنے کی چیزیں بھی مثلاً (ڈول، رسی، ھنڈیا، دیگچی، کلہاڑی، سوئی دھاگا وغیرہ) کسی کو مانگی نہیں دیتے۔ جنکے دے دینے کا دنیا میں عام رواج ہے۔ بخل اور فسق کا جب یہ حال ہو تو ریاکاری کی نماز سے ہی کیا فائدہ ہوگا؟ اگر ایک آدمی اپنے آپکو مسلمان نمازی کہتا اور کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کیساتھ ہمدردی نہیں رکھتا، اسکا اسلام لفظ بے معنی اور اسکی نماز حقیقت سے بہت دور ہے"۔ (تفسیر عثمانی: ص:۸۰۴)

اس آیت میں جو سخت وعید آئی ہے وہ زکوٰۃ اور دوسرے مالی واجبات ادا نہ کرنے پر ہے۔ البتہ لفظ ماعون سے ان کے بخل کی شدت کا حال بیان کیا گیا ہے۔ وہ لوگ زکوٰۃ تو درکنار وہ چیزیں بھی کسی کو عارضی استعمال کیلئے نہیں دیتے جنکے دینے کا عام رواج ہوتا ہے اور جنکا باہمی لین دین عام انسانیت کا تقاضہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اس طرح کی چیزوں میں بخل کرنے والے کو بے حد کنجوس وکمینہ سمجھا جاتا ہے۔ بخل کی مذمت میں اور بھی کئی قرآنی آیات پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم انہیں آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

احادیث مبارکہ

قرآن مجید کی طرح حدیث شریف میں بھی بخل کے مردود و منحوس مرض کی مذمت کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اور ان اسباب سے بھی روکا گیا ہے جن سے یہ مردود مرض پیدا ہوتا ہے۔ اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کے بے شمار فضائل بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ اگر ان تمام احادیث کو جمع کیا جائے تو انکی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچے گی۔ ہم

یہاں صرف چند وہ احادیث مبارکہ ذکر کرتے ہیں جن میں صراحۃً بخل کی مذمت کا بیان ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ نہایت عقیدت اور محبت کے ساتھ عمل کی نیت سے ان احادیث کو پڑھے اور خود کو حضور اکرم ﷺ کے ان مبارک فرامین کا مخاطب سمجھے اور سب سے پہلے عمل کرنے والا بنے۔

(۱) بخل ہلاکت اور بڑے بڑے گناہوں کا سبب ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات يوم القيمة، واتقوا الشح فانّ الشحّ اهلك من كان قبلكم، حملهم ان سفكوا دماء هم واستحلوا محارهم. (مسلم)

"ظلم سے بچو کیونکہ ہر ظلم قیامت کے دن تاریکی ہوگا۔ اور بخل سے بچو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کیا ہے اس نے انہیں خونریزی کرنے اور حرام کو حلال کرنے (یعنی اسمیں مبتلا ہونے) پر ابھارا ہے"۔

آج دنیا میں ہر طرف خون ہی خون نظر آرہا ہے۔ حقیقت میں مال کی لالچ، بخل اور بلند خواہشات نے انسان کو ایک سفاک جانور بنادیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کو بھلا کر اور لوگوں کا خون کر کے صرف اور صرف مال حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(۲) بخل رزق میں بے برکتی کا سبب ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن اسماء بنت ابی بكر الصديق رضی الله عنها قالت: قال لی رسول الله صلی الله عليه وسلم: لاتوكی فيوكی الله عليك وفی رواية: انفقی او انفحی او انضحی ولا تحصی فيحصی الله عليك،

"حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مال کو روک کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے مال کو روک دے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ مال کو خوب خرچ کرو اور (اللہ کے راستے میں) خرچ کرنے سے گریز نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ

ولا توعی فیوعی الله علیك.

تم سے (روزی کی برکت اور اس کے فوائد وثمرات) روک لے گا"۔ (بخاری، مسلم)

کاش! حضور اکرم ﷺ کا یہ سچا فرمان ان مسلمان مالداروں کو سمجھ آجائے جو اپنے مال کی حفاظت کے لئے رشوتیں اور سود دیتے پھرتے ہیں۔ اور ذخیرہ اندوزی کو بڑی عقلمندی سمجھتے ہیں حالانکہ ان کا مال بینک کے لاکروں اور الماریوں میں بند پڑا رہتا ہے اور اس کی فکر انہیں ستاتی رہتی ہے لیکن اس مال کا کوئی حقیقی نفع انہیں نصیب نہیں ہوتا۔

(۳) بخل بہت برا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا ابن آدم! انك ان تبذل الفضل خیر لك وان تمسكه شرٌ لك، ولا تلام علی كفاف، وابدأ بمن تعول، والید العلیا خیر من الید السفلی. (مسلم)

"اے ابن آدم! اگر تم ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرو گے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر (بخل کر کے) اسے روکے رکھو گے تو یہ تمہارے لئے برا ہے۔ اور ضرورت کے مطابق رکھنے میں کوئی ملامت نہیں ہے۔ اور (دیتے وقت) اپنے عیال سے شروع کرو۔ اور اوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا) نیچے کے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے"۔

جس چیز کو حضور اکرم ﷺ نے شر فرمادیا مؤمن اسے کہاں اختیار کر سکتا ہے۔ اور اگر دنیا کے لوگ اس نصیحت اور حکم پر عمل کریں تو دنیا سے غربی مٹ جائے گی اور تمام انسان اپنی ضروریات میں خود کفیل ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور خوش حالی یہودیوں یا کمیونسٹوں، مشرکوں اور عیسائیوں کے بنائے ہوئے ظالمانہ اقتصادی نظام میں نہیں ہے بلکہ محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کے بیان فرمودہ اقتصادی نظام میں ہے۔ جسے پس پشت ڈال کر آج دنیا کا غریب محرومی سے ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور دنیا کا مالدار طبقہ اپنی جان

ومال لٹنے کے خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہے۔

(۴) بخیل کے لئے فرشتوں کی بددعا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ما من یوم یصبح العباد فیه الاملكان ینز لان فیقول احدهما: اللهم اعط منفقا خلفا. ویقول الاخر: اللهم أعط ممسكا تلفًا. (بخاری، مسلم)

"ہر صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے اے میرے پروردگار! (اپنی راہ میں) خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما۔ اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! بخیل کے مال کو تلف (تباہ) فرما"۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں فرشتوں کی دعا نصیب ہوتی ہے اور بد نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں صبح صبح فرشتے کی بددعا کا سامنا ہوتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

(۵) حضور اکرم ﷺ نے کبھی بخل نہیں فرمایا۔

عن جابر رضی الله عنه قال ما سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئا قط فقال لا. (بخاری، مسلم)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایسا نہیں ہوا کہ حضور اکرم ﷺ سے کبھی کچھ مانگا گیا ہو اور آپ نے انکار فرمایا ہو"۔

سبحان اللہ! حضور اکرم ﷺ کی سخاوت اور جود و کرم کی کیا شان تھی؟ آپکی سخاوت کے سامنے تو ہوائیں اور بادل بھی شرماتے تھے۔ اور آپ ﷺ امت کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ امت کو آپ ہی کے راستے پر چلنا چاہئے نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر جنکے مال کی کثرت کے چرچے اخبارات میں چھپتے ہیں مگر ان پر دن رات اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

(۶) بخیل سخت خسارے میں ہیں۔

عن ابی ذر قال: انتهیت الی النبی صلی الله علیه وسلم وهو جالس فی ظل الكعبة، فلما رآنی قال:

"حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کعبہ کی دیوار

هم الاخسرون وربّ الكعبة! فقلت فداك ابى وامى من هم؟ قال هم الاكثرون اموالا الامن قال هكذا وهكذا، وهكذا من بين يديه ومن خلفه وعن يمينه وعن شماله وقليل ما هم.

(بخاری، مسلم)

کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ جب آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کون لوگ خسارے میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جن کے پاس مال زیادہ ہو مگر (انمیں سے وہ لوگ خسارے میں نہیں ہیں) جو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح، اپنے آگے اور پیچھے اور دائیں بائیں (خوب) خرچ کریں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں"۔

آدمی کے پاس زیادہ مال ہو لیکن اسے اللہ کے راستے میں اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے کی ہمت اور جذبہ نہ ہو تو پھر یہ مال واقعی بہت بڑا خسارہ ہے لیکن اگر زیادہ مال ہو اور خوب خوب خرچ کرنے کا جذبہ اور ہمت بھی ہو تو پھر یہ قابل رشک حالت ہے۔

(۷) بخیل آدمی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے اور جنت سے بھی اور انسانوں سے بھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

السخی قریب من الله، قریب من الجنة، قریب من الناس، بعید من النار. والبخیل بعید من الله، بعید من الجنة، بعید من الناس. ولجاهل سخی احب الی الله من عابد بخیل. (ترمذی)

"سخی آدمی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے جنت کے قریب ہے لوگوں کے قریب ہے جہنم سے دور ہے اور بخیل آدمی اللہ تعالیٰ سے دور ہے جنت سے دور ہے اور لوگوں سے دور ہے بے شک جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادت گزار بخیل سے زیادہ محبوب ہے"۔

بخیل آدمی اللہ تعالیٰ سے حسن ظن نہیں رکھتا بلکہ اسے یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ اگر میں نے مال خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے بچوں کو بھوکا مار دے گا یا محتاجی میں مبتلا کر دے گا۔ چنانچہ اسکی روح مال میں اٹکی رہتی ہے اور اسکی عبادت بھی خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہوتی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان سب سے زیادہ محبت مؤمن بخیل سے کرتا ہے کیونکہ وہ مطمئن ہوتا ہے کہ اسکا بخل اسے ہر حال میں دوزخ میں میرے ساتھ لے جائے گا۔ پھر بخیل آدمی اپنی خود غرضی اور مال کی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دور رہتا ہے کیونکہ کسی دل میں مال کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت جمع نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح وہ لوگوں سے بھی دور رہتا ہے کیونکہ لوگ بخیل آدمی سے بے حد نفرت کرتے ہیں۔ اور جنت سے بھی دور رہتا ہے کیونکہ بخل کا جو رسہ اس کے گلے میں پڑا ہوتا ہے وہ تو اسے دوزخ ہی کے قریب رکھتا ہے نہ کہ جنت کے۔ (العیاذ باللہ!)

(۸) آدمی کے لئے بدترین خصلت بخل اور بزدلی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

شر ما فی الرجل شح هالع وجبن خالع.

(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

"بدترین خصلتیں جو آدمی میں ہوں (دو ہیں): ایک وہ بخل جو بے صبر کرنے والا ہو، دوسری وہ بزدلی جو جان نکال دینے والی ہو"۔

یعنی یہ دو عادتیں ان عادتوں میں بدترین ہیں جو کسی شخص میں پائی جا سکتی ہیں۔ پس جس آدمی میں یہ دو خصلتیں ہونگی وہ بدترین شخص ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر خواہ مخواہ کا بوجھ ہوگا، کیونکہ ایسا آدمی کسی کو بھی نفع نہیں پہنچا سکتا بلکہ اسکی یہ دونوں بری عادتیں عام لوگوں سے لیکر خود اس کے گھر والوں تک کے لئے مصیبت اور ایذا کا سبب بنی رہتی ہیں۔

(۹) بخل مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خصلتان لا تجتمعان فی مؤمن:

"دو خصلتیں ایسی ہیں جو مؤمن میں جمع نہیں

البخل وسوء الخلق. (ترمذی)۔ ہو سکتیں: بخل اور بد خلقی"۔

پس جس شخص کے دل میں جتنا بخل ہو گا اس کے دل سے ایمان اس قدر کم ہو تا چلا جائے گا اور جس کے دل میں جتنا ایمان ہو گا اسی قدر بخل اس کے دل سے دور ہو جائے گا۔ بخل ایک کافرانہ صفت ہے جو ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اور ان دونوں میں سے جو بھی غالب آتا ہے وہ دوسرے کو کھا جاتا ہے۔

(۱۰) بخیل جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایدخل الجنة خبٌّ ولا بخیل ولا منّان. (ترمذی)

"جنت میں چالباز اور بخیل اور احسان جتلانے والا داخل نہیں ہو گا"۔

یعنی تین طرح کے لوگوں کو انکی بیماریاں دوزخ میں لے جائیں گی۔ ان میں سے ایک بخیل بھی ہے کیونکہ مال کی محبت اور مال کا بوجھ اسے جنت سے دور رکھے گا۔

(۱۱) جب قوم کے مالدار بخیل ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا کان امراء کم خیارکم، واغنیاء کم سمحاء کم، وامورکم شوریٰ بینکم فظهر الارض خیر لکم من بطنها. واذا کان امراء کم شرارکم، واغنیاء کم بخلاء کم، وامورکم الی نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظهرها. (ترمذی)

"جب تمہارے حکام تمہارے بہترین لوگ ہوں، تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے چلتے ہوں تو زمین کی پیٹھ تمہارے لئے اسکے پیٹ سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے حکام تم میں سے شریر لوگ ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اسکی پیٹھ سے بہتر ہے"۔

یعنی جب حکمران طبقہ بدترین افراد پر مشتمل ہو اور قوم کے مالدار بخیل بن کر مال

جمع کرنے لگیں اور عورتیں تم پر حاوی ہو جائیں اور اختیارات انکے ہاتھ میں چلے جائیں تو پھر بدترین فتنے آئیں گے اور ان حالات میں موت زندگی سے بہتر ہو گی۔

(۱۲) بخل اور ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یجتمع شُحٌّ وایمان فی قلب رجل مسلم ابدًا. (نسائی)

"بخل اور ایمان کسی مسلمان آدمی کے دل میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے"۔

جب دل میں ایمان ہو گا تو وہ بخل اور حرص کو باہر نکال پھینکے گا لیکن اگر خدانخواستہ دل میں بخل و حرص کا غلبہ ہوا تو پھر ایمان اس دل میں نہیں رہے گا۔ (العیاذ باللہ)

(۱۳) بخل جہنم کا درخت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

السخاء شجرة فی الجنة فمن کان سخیا اخذ بغصن فیها فلم یترکه الغصن حتی یدخله الجنة بغصن والشح شجرة فی النار فمن کان شحیحًا اخذ بغصن فیها فلم یترکه الغصن حتی یدخله النار. (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

"سخاوت جنت میں ایک درخت ہے پس جو شخص سخی ہو گا وہ اسکی ایک ٹہنی پکڑے گا پھر وہ ٹہنی اسے جنت میں داخل کر کے ہی چھوڑے گی۔ اور بخل (وحرص) جہنم کا ایک درخت ہے پس جو بخیل ہو گا وہ اسکی ایک ٹہنی پکڑ لے گا وہ ٹہنی اسے دوزخ میں داخل کر کے ہی رہے گی"۔

یقیناً سخاوت جنت کا راستہ ہے اور بخل و حرص دوزخ کا راستہ ہے پس جو جس راستے کو اختیار کرے گا اسی کی منزل تک پہنچے گا۔

(۱۴) بخیل اور سخی کی مثال۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مثل البخیل والمتصدق کمثل رجلین علیهما جُنتان من حدید قد

"بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ان دو آدمیوں کی سی ہے جنکے جسم پر لوہے کی

اضطرت ایدیهما الی ثدیهما وتراقیهما، فجعل المتصدق کلما تصدق بصدقة انبسطت، وجعل البخیل کلما همّ بصدقه قلصت واخذت کل حلقة بمکانها.

(بخاری، مسلم)

زرھیں ہیں (اور) انکے ہاتھ چھاتیوں اور گردنوں کے ساتھ (اس زرہ میں) بندھے ہوئے ہیں۔ پس صدقہ کرنے والا جب بھی صدقہ کرتا ہے تو اس کے ہاتھ کھل جاتے ہیں اور بخیل جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اسکی زرہ سکڑ جاتی ہے اور ہر حلقہ اپنی جگہ تنگ ہو جاتا ہے"۔

یعنی سخی آدمی آزاد ہوتا ہے، بہادر ہوتا ہے اور باوقار ہوتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے مال خرچ کر کے اللہ کو راضی کرتا ہے اور جنت کا خریدار بنتا ہے اور لوگوں کی دعائیں لیتا ہے۔ جبکہ بخیل آدمی اپنے بخل، حرص اور لالچ کے پھندوں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور وہ ان پھندوں اور رسوں کو توڑنے کی سکت اور طاقت بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اس کے پاس مال ہوتا ہے لیکن وہ اس مال کو اپنے لئے مفید بنانے کی ہمت اور قوت نہیں رکھتا۔

(۱۵) پڑوسی کے ساتھ بخل کا انجام۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس المؤمن بالذی یشبع وجاره جائع الی جنبه.

(مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

"وہ شخص مومن (کامل) نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور پاس ہی اسکا پڑوسی بھوکا رہے"۔

یعنی مؤمن کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنے مال سے اپنا پیٹ تو بھرتا ہے مگر اس میں سے کچھ بھی اپنے پڑوسی کو نہ دے اور اسکا پڑوسی بھوک سے بلکتا رہے بلکہ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ خود بھوک برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنے پڑوسی کو بھوکا نہیں رہنے دیتا۔

(۱۶) جانور کے ساتھ بخل اور ظلم کا انجام۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عذب امرأة فی هرّة امسکتها حتی ماتت من الجوع فلم تکن تطعمها ولا ترسلها فتاکل من خشاش الارض. (بخاری)

"ایک عورت عذاب میں مبتلا ہوئی اس بلی کی وجہ سے جسے اس نے باندھے رکھا یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی۔ نہ تو اس نے خود اسے کچھ کھلایا اور نہ اسے چھوڑا کہ زمین کے حشرات وغیرہ سے اپنا پیٹ بھر لیتی"۔

جب ایک بلی کو اپنے بخل کی وجہ سے مارنے کا یہ انجام ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو مال جمع کرنے کی لالچ میں ملاوٹ کے ذریعے یا لوٹ مار، قتل و غارت کے ذریعے روزانہ ہزاروں لوگوں کو مار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مال کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ تجوریوں اور بکسوں میں پڑا رہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق بھوک سے مرتی رہے۔ پس جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ظلم کرے گا وہ عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکے گا۔ یہ مالداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق کی حاجات کو معلوم کریں اور اپنے مال کے ذریعے سے اسے پورا کریں ورنہ انہیں اپنے مال پر پچھتانا پڑے گا۔

(۱۷) بخل اور حرص کی وجہ سے ذخیرہ اندوزی کرنے والوں پر لعنت۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الجالب مرزوق والمحتکر ملعون.

(مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ و دارمی)

"جو شخص رزق (گندم، اشیائے خوردنی غلہ وغیرہ) باہر سے لائے (تاکہ لوگوں کو بسہولت و سستا فراہم کرے) اسکو (اللہ کی طرف سے) روزی دی جاتی ہے اور جو شخص ذخیرہ اندوزی کرے وہ ملعون ہے"۔

وہ کام جسے آج کے بزنس میں ایک فن سمجھا جاتا ہے اور اس میں خوب محنت کی جاتی ہے، وہی کام لعنت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ تاجروں کو عقل سلیم عطا فرمائے تاکہ وہ لعنت سے بچیں اور بخل کو چھوڑ دیں۔

(۱۸) بخل آخرت کے لئے خطرناک ہے۔

عن انس رضي الله عنه قال: توفي رجل من الصحابه فقال رجل: ابشر بالجنة. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اولا تدري فلعلّه تكلم فيما لا يعنيه او بخل بما لا ينقصه. (ترمذی)

"حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا تو ایک (دوسرے) شخص نے کہا جنت کی بشارت ہو۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں کیا معلوم؟ ممکن ہے اس نے کبھی کوئی فضول بات زبان سے نکالی ہو یا کسی ایسی چیز میں بخل کیا ہو جس سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا"۔

یعنی فضول باتیں اور بخل آخرت کے لئے خطرناک ہیں، خواہ عارضی طور پر ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی لئے اپنے اندر سے کھرچ کھرچ کر بخل کو نکالنا چاہئے کیونکہ یہ بیماری اگر آدمی میں جڑ پکڑ جائے تو پھر اسے جہنم کا دھواں سونگھا کر ہی چھوڑتی ہے۔

(۱۹) بخل امت کے فساد کی ابتداء ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اوّل صلاح هذه الأمة اليقين والزهد واول فسادها البخل والأمل. (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

"اس امت کی صلاح کا آغاز (اللہ پر) یقین اور زھد سے ہوا اور اسکے فساد کی ابتدا بخل اور لمبی لمبی امیدوں سے ہوگی"۔

جب کسی قوم میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین اور دنیا سے بے رغبتی نہیں رہتی تو اس میں لمبی لمبی امیدیں باندھنے کا شوق اور بخل کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ تب اس قوم کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے زوال اور انحطاط سے نہیں بچا سکتی۔ سوائے اس کے کہ امت میں دوبارہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو اور بخل وحرص سے اسے چھٹکارا ملے۔

(۲۰) بخل جہنم کی آگ کا دھواں ہے۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم دخل على بلال وعنده صبرة من تمر فقال ما هذا يا بلال؟ قال شئ ادخرته لغدٍ. فقال اما تخشى ان ترىٰ له غدا بخارا في نار! جهنم انفق يا بلال! ولا تخش من ذي العرش اقلالاً. (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک بار حضرت بلال کے پاس تشریف لائے اور حضرت بلال کے سامنے کھجوروں کا ایک ڈھیر رکھا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ کل (یعنی آئندہ) کے لئے میں نے رکھ لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے بلال! تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اس کی وجہ سے کل قیامت کے روز تم جہنم کا دھواں دیکھو۔ بلال خرچ کر ڈالو اور عرش والے کی طرف سے کمی کا خوف نہ کرو"۔

مال کے حقوق ادا کرنے کے بعد ضروریات کے لئے کچھ رکھ لینا گناہ نہیں ہے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تو مقربین افراد میں سے تھے اور توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اس لئے حضور اکرم ﷺ کو ان کا یہ عمل ان کی شان توکل کے مطابق معلوم نہ ہوا اور آپ نے انہیں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور امت کے لئے ایک بہترین سبق چھوڑا اور امت کے قلوب میں اس بات کا یقین بھر دیا کہ عرش والے عظیم رب کی طرف سے کمی کا خوف اور اندیشہ نہ کرو، اس کے خزانے تو بے شمار ہیں۔ کاش! بخیل اس وجد آفریں نکتے کو سمجھیں اور بخل کا طوق اپنے گلے سے نکال پھینکیں۔

اس موضوع پر ہمارے سامنے اور بھی کئی احادیث مبارکہ ہیں مگر بات سمجھنے اور سمجھانے کے لئے انہیں بیس احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عبرت و موعظة

ہم نے پچھلے صفحات میں پڑھ لیا ہے کہ بخل اور کنجوسی شیطان کا ایک خطرناک پھندا ہے جس میں پھنسا کر وہ لوگوں کو دوزخ کی طرف کھینچتا ہے اور اسی کے ذریعے وہ دنیا میں فساد اور افراتفری پھیلاتا ہے۔ اسی طرح ہم نے یہ بھی پڑھ لیا ہے کہ بخل ایک خطرناک بیماری ہے جس کی وجہ سے خون بہتا ہے اور حرمتیں تباہ ہو جاتی ہیں اور لوگ چوری، ڈاکے، ملاوٹ اور طرح طرح کے جرائم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے یہ بھی پڑھ لیا کہ شیطان نے یہودیوں کو بخل سکھایا اور پھر یہودیوں نے اس بیماری کو پوری دنیا میں عام کرنے کی ٹھان لی۔

اسی طرح قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضول کاموں میں خرچ کرنے اور لوگوں کے دکھلاوے کے لئے مال لٹانے کی بدولت بخل پیدا ہوتا ہے۔

یہودیوں نے بخل کے مرض کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے اور وہ پوری دنیا میں فضول خرچی اور دکھلاوے کو عام کر کے بخل پھیلا رہے ہیں۔ یہودیوں کا بخل کسی سے مخفی نہیں ہے۔ یہ بخیل اور ذخیرہ اندوز قوم پوری دنیا میں معاشی عدم توازن کی سب سے بڑی ذمہ دار ہے۔ یہودیوں کے برخلاف ہمارے اکابر حضرات صحابہ کرام بخل سے پاک اور جود و سخا کی صفات سے مالا مال تھے۔ قرآن مجید حضرات صحابہ کرام کی سخاوت اور ان کے ایثار کو بیان فرماتا ہے اور تاریخ کی کتابیں حضرات صحابہ کرام کے جود و سخا اور ایثار کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ پھر یہی نہیں کہ حضرات صحابہ کرام خود سخی تھے اور مال کو آخرت کمانے کا اور لوگوں کی حاجات پوری کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے بلکہ انہوں نے دنیا میں سخاوت پر مبنی ایسا معاشی نظام قائم فرمایا جسکے ثمرات کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ انکی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ غریب لوگ بے حد غیور تھے اور مالدار غریبوں پر مال خرچ کرنے کے حریص تھے۔ ان کے زمانے میں خرچ کرنے والے اپنا مال لیکر غریبوں کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور بسا اوقات انہیں اپنی اس تلاش

میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ یہودی تو اپنے پڑوسی کو بھوکا مارنا اپنا فن سمجھتے ہیں جبکہ حضرات صحابہ کرام یہ اعلان کرتے تھے کہ اگر کسی کا کتا بھی پیاسا مر گیا تو ہم سے پوچھ ہو سکتی ہے۔ یہودی تو آرام وہ حالات میں بھی بخل پر ڈٹے رہتے تھے جبکہ حضرات صحابہ کرام نزع کے وقت بھی سخاوت اور ایثار کو فراموش نہیں فرماتے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے آخری وقت میں بھی اپنے ساتھی کو پانی بھجوادیا اور خود جام شہادت نوش فرمایا۔

یہودیوں کی مثال اس گندے اور گہرے گٹر جیسی ہے جس میں اچھی سے اچھی چیز بھی ڈالی جائے تو وہ اس میں جا کر غرق ہو جاتی ہے اور اس پر غلاظت کا تسلط ہو جاتا ہے اور وہ کسی کے کام کی نہیں رہتی، جبکہ حضرات صحابہ کرام کی مثال اس زرخیز زمین جیسی تھی جس میں اگر چند دانے بھی ڈالے جائیں تو وہ دانے ایک لہلہاتی فصل بن کر دوسروں کے کام آجاتے تھے۔

کیا یہودی اسکا تصور بھی کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کے راستے میں ملکیت کا سارا سامان لا کر نبی ﷺ کے قدموں میں ڈال دے؟ کیا یہودی اس کا گمان بھی کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص سارا دن مزدوری ہی اس لئے کرے تاکہ وہ جب کچھ کمائے اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے سکے؟ حضرات صحابہ کرام تو اپنے پورے کے پورے تجارتی قافلے اور اپنے خوشنما گنجان باغات اور اپنی پسندیدہ جائدادیں کھڑے کھڑے اللہ کے راستے میں دے دیتے تھے۔ کیا یہودی اپنے اندر ایسی کوئی مثال دکھا سکتے ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ اب دنیا سے اپنے خاتمے کے خوف کی وجہ سے یہودی آپس میں ایک دوسرے کا خیال رکھنے لگے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ سخاوت کا نہیں صرف اور صرف خوف کا نتیجہ ہے اور یہودی آج بھی اسی طرح بخیل ہیں جس طرح ماضی میں تھے۔ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ یہودیوں کے اس طریقے کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیں بلکہ حضرات صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر چلتے ہوئے جود و سخا اور ایثار کو اپنی طبیعت اور مزاج کا حصہ بنائیں اور بخل سے بچنے کی بھرپور کوشش کریں کیونکہ بخل دنیا میں عار اور آخرت میں تکلیف اور ذلت کا سبب ہے۔ مذکورہ بالا حقائق کو مد نظر رکھتے

ہوئے چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔ اللہ کرے مفید ہوں۔

○ افسوس کی بات یہ ہے کہ اب مسلمانوں میں سے بھی بہت سارے افراد نے بخل کو اپنالیا ہے۔ خصوصاً زراعت پیشہ زمیندار اور کسان اس بیماری میں زیادہ مبتلا رہے ہیں جسکی وجہ سے زمین کی برکت اٹھتی چلی جارہی ہے۔ زرخیز زمین تیزی سے بنجر ہورہی ہیں اور زراعت پیشہ طبقے میں سے دین نکلتا جارہاہے۔ یہ لوگ عشر اور زکوٰۃ کو ایک بوجھ سمجھنے لگے ہیں اور نوبت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ (نعوذ باللہ) کئی زمینداروں نے عشر سے بچنے کے لئے خود کو رافضی اور شیعہ لکھوادیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکے قلوب میں (نعوذ باللہ) نفاق جڑ پکڑتا جارہاہے۔ کئی کسان اور زمیندار ایسے بھی ہیں جو باوجود استطاعت کے پیسہ دبا کر بیٹھے رہتے ہیں اور حج جیسے فریضے سے غافل رہتے ہیں۔ جس پر اتنی سخت وعید آئی ہے کہ جو شخص باوجود استطاعت کے حج نہیں کرتا وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (کمافی معنی الحدیث)۔

○ مسلمانوں کے تاجر طبقے میں بھی بخل سرایت کرچکا ہے تجوریاں بھرنے کا شوق، جائداد پر جائداد بنانے کا جنون، غیر ملکوں میں اپنے پاؤنڈ اور ڈالر محفوظ کرنے کا خبط اور زیادہ سے زیادہ پیسہ بنانے کی دوڑ نے ہمارے تاجر اور صنعت کار طبقے کو اسلام سے، دین سے اور انسانیت سے بہت دور کردیا ہے۔ ان میں سے کئی ایسے بھی ہیں جو اپنے مال میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے خوشخبری اور بشارت ہے لیکن اکثریت نے مال کو قبلہ مقصود بنالیا ہے اور ان میں بخل کی گندی بیماری نے راہ پکڑلی ہے۔

○ مسلمانوں کا غریب اور متوسط طبقہ بھی بخل کی لپیٹ میں آتا جارہاہے۔ اس طبقے میں ذخیرہ اندوزی اور اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرنے کا رواج پڑچکا ہے۔ ان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ ہمارا کام تو صرف لوگوں سے لینا ہے اور مال خرچ کرنے کے فضائل صرف مالداروں کے لئے ہیں۔ یہ سوچ اس طبقے کی تباہی، ذلت اور پسماندگی کا بہت بڑا سبب

ہے۔ وگرنہ یہ لوگ بھی اگر حسب استطاعت مال خرچ کریں اور اپنی طاقت کے مطابق جودوسخا اور ایثار سے کام لیں تو ان کے تمام حالات میں خوشگوار تبدیلی آسکتی ہے۔

○ مذکورہ بالا تینوں طرح کے طبقوں سے تعلق رکھنے والے وہ افراد جنہیں بخل کا مرض سرایت کرچکا ہے انہیں چاہئے کہ اس بیماری کے علاج کی فکر کریں اور اپنے اندر سے اس خطرناک بیماری کو نکالنے کے لئے محنت کریں۔ اس سلسلے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

(۱) پہلے ہر شخص اپنا محاسبہ کرے کہ آیا میرے اندر دنیا کی محبت اور مال جمع کرنے کا شوق ہے یا نہیں؟ اگر دل دنیا کی محبت سے پاک ہو اور یہ محسوس ہو کہ دنیا تو صرف حاجت پوری کرنے کا ذریعہ ہے تو ایسے افراد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اور اگر دل میں دنیا کی محبت محسوس ہو تو فوراً توبہ استغفار کریں اور روزانہ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ یا اللہ! مجھے اس موذی مرض سے نجات عطا فرما اور دنیا کی بجائے اپنی محبت نصیب فرما۔ بخاری وغیرہ میں سند صحیح سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ بخل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہایت اہتمام سے مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو توجہ کے ساتھ پڑھنا اپنا معمول بنائیں:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ، وَالْعِجْزِ وَالْکَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ.

(۲) بخل کو ایک گندی عادت سمجھیں اور اس سے کراہیت کریں اور یہ سوچیں کہ اگر میں اس بیماری کو لیکر مرگیا تو میرا بہت نقصان ہوگا۔

(۳) وہ آیات اور احادیث جو بخل کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں سے چند ایک کو ہم نے ذکر کردیا ہے، ان کو روزانہ پڑھنے اور دوسروں کو سنانے کا معمول بنائیں۔

(۴) اپنا محاسبہ کریں کہ اب تک کتنی زکوٰۃ نہیں دی؟ اور کیا مجھ پر حج اور قربانی فرض ہے یا نہیں؟ اور پھر جتنی بھی تکلیف ہو اسے برداشت کرکے گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ اور

دیگر حقوق واجبہ کو ادا کریں۔

(۵) تنہائی میں بیٹھ کر غور وفکر کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کیوں دیا ہے؟ کیا صرف گننے، حساب کی مشقت برداشت کرنے اور جمع کرنے کیلئے یا کسی اور کام کے لئے؟ نیز اس پر بھی غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو کیوں پیدا کیا ہے؟ اور اس پر بھی غور کریں کہ مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا فائدہ اس کے مرنے کے بعد کسے ملے گا؟ اور اس پر بھی غور کریں کہ اگر مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کیا جائیگا تو مرنے کے بعد اسکا حساب کون دے گا اور اس مال کا فائدہ کس کو ملے گا؟

(۶) فضول خرچی اور دکھاوے پر مال خرچ کرنے سے طبیعت میں بخل پیدا ہوتا ہے اور آجکل ایسے لوگوں کی کثرت ہے جو شادی اور موت کی بے جا اور غیر شرعی رسومات پر صرف دکھلاوے کے لئے خوب خرچ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے وقت انہیں موت آتی ہے۔ بعض لوگ عید الاضحیٰ کے دن ہزاروں روپے کے کیک اور مٹھائیاں صرف ناک رکھنے کے لئے خریدتے ہیں اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں بھیج کر ان کے سسرال سے اپنی عزت بچاتے ہیں مگر اس سے کم قیمت خرچ کر کے قربانی نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں میں انسانوں کا ڈر تو ہے کہ کوئی انسان ان پر کوئی بات نہ کردے مگر ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اور آخرت کی فکر نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کو چاہئے کہ شیطانی پھندے سے باہر آکر سوچیں کہ لوگ تو کبھی خوش نہیں ہوتے اور بے جا خرچ کیا جانے والا مال صرف وبال ہی بنتا ہے تو پھر کیوں نہ ہر طرح کی فضول خرچی اور دکھلاوے کو چھوڑ کر صرف اور صرف اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات پوری کرنے اور نیکیاں کمانے اور ذخیرہ آخرت بنانے کیلئے مال کو خرچ کریں۔

(۷) بعض لوگوں پر اپنی اولاد کے مستقبل کی فکر کا بھوت حد سے زیادہ سوار رہتا ہے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا چاہئے کہ اس نے جس کو پیدا کیا ہے اسکی روزی کا

بندوبست بھی فرمایا ہے، اس لئے سارا مال اولاد کی خاطر چھوڑنے کی بجائے اس مال کے ذریعے دین کی خدمت بھی کریں اور اس مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کر کے اپنے لئے مفید بنائیں۔ جہاں تک اولاد کا معاملہ ہے تو اگر وہ نیک ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں فرمائے گا اور اگر وہ بری ہوگی تو اس کے ہاتھ میں مال دینا اس پر مزید ظلم ڈھانا ہے کیونکہ معلوم نہیں یہ مال کس کس برائی میں استعمال ہوگا؟ اچھا یہ ہے کہ مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے لئے بھی مفید بنائیں اور اس مال کو خرچ کر کے اپنی اولاد کو بھی نیک بنائیں اور معروف طریقے سے اپنی اولاد کے لئے کچھ مال اور نیکی کے راستے بھی چھوڑ جائیں۔

(۸) بخل توڑنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس پر بوجھ ڈال کر زبردستی اللہ کے راستے میں مال خرچ کریں اور بار بار یہ عمل کریں بالآخر نفس اپنی سرکشی چھوڑ دے گا۔ تھوڑا سا سوچئے کہ اگر کسی کو بھوک لگنا بند ہو جائے تو وہ بھوک کھلوانے کے لئے کتنی رقم خرچ کرے گا؟ اگر کسی کا پیشاب بند ہو جائے تو وہ اسے جاری کرنے کے لئے کتنا مال خرچ کرے گا؟ اگر کسی کو کینسر ہو جائے تو وہ جان بچانے کے لئے کتنا مال لٹائے گا؟ کیا یہ بیماریاں قبر کے عذاب اور جہنم کی آگ سے زیادہ سخت ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پس قبر کے عذاب سے بچنے اور جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کے لئے ایک مسلمان کو اس سے بھی زیادہ خرچ کرنا چاہئے جتنا وہ اپنی بیماریوں کے علاج پر کرتا ہے۔ اگر کسی آدمی کا محبوب بیٹا گم ہو جائے تو وہ اسے ڈھونڈنے اور اس کے ساتھ ملنے کے لئے کتنا مال خرچ کرتا ہے؟ کیا ایک مسلمان کے دل میں اسکی تمنا پیدا نہیں ہوتی کہ وہ حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کے ساتھ جنت میں جائے اور ان سے ملاقات کرے اور اس کی خاطر بیٹے کی تلاش سے زیادہ مال خرچ کرے۔

(۹) مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے اوپر لازم کرلیں کہ وہ فضول خرچی اور دکھلاوے میں ایک

پیسہ بھی خرچ نہیں کریں گے۔ نیز ہر مسلمان اپنی آمدنی میں زکوۃ اور دیگر حقوق واجبہ ادا کرنے کے علاوہ ایک مخصوص مقدار مقرر کرے اور وہ یہ رقم دینی مدارس، مجاہدین کرام، اور بیواؤں، یتیموں اور غریبوں پر خرچ کرے۔ اگر کسی شخص کی آمدن کم بھی ہو تب بھی وہ اس میں سے کچھ نہ کچھ دیا کرے تاکہ دل میں بخل جڑ نہ پکڑ سکے۔ اور وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور انہیں تجارت کا سلیقہ عطا فرمایا ہے، وہ اپنی ضروریات کے علاوہ بعض تجارتیں، بعض دکانیں اور بعض کارخانے قائم کر کے انہیں مجاہدین اور دینی مدارس کے لئے مخصوص کردیں اور جب مزید برکت ہو تو ایک اور تجارت یا کارخانہ کھول کر کسی اور اچھے کام کے لئے مخصوص کردیں۔

(۱۰) مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خود مستحقین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نہایت عزت واکرام سے ان تک اموال پہنچایا کریں کیونکہ خرچ کرنے والا زیادہ محتاج ہے اور اسے ہی زیادہ دوڑ دھوپ کرنی چاہئے۔ اور اسے اس بات کا یقین رکھنا چاہئے کہ میں جو کچھ دے رہا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کو دے رہا ہوں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اور ہر دینے والے شخص کو یہ بات سمجھنی چاہئے کہ چونکہ اس کے دینے کا فائدہ خود اسی کو دنیا و آخرت میں ملتا ہے، اس لئے وہ لینے والوں کے آنے کا انتظار نہ کرے بلکہ ان کے دروازوں پر جا کر انکی خدمت میں مال پیش کرے اور اسے اپنی سعادت اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھے۔

یا اللہ! راقم الحروف اور تمام مسلمانوں کو بخل سے محفوظ فرما کر جود و سخا اور جذبہ ایثار جیسی صفات سے مالا مال فرما۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین.

۳/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۳/اکتوبر ۱۹۹۹ء

یوم الاربعاء، سہ پہر، بجن کوٹ بلوال، جاموہند

☆☆☆

چوتھا باب

قرآن مجید میں یہود کا تذکرہ

اگر آپ یہودیوں کے متعلق مفصل معلومات چاہتے ہیں کہ ان کا آغاز کیا ہے؟ اور انجام کیا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کے کیسے انعامات ہوئے اور کس کس طرح سے ان پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت نازل ہوئی؟ یہود کے حق پرست طبقے میں کون کون سی خوبیاں تھیں اور ان کے اکثریتی طبقے میں کون کون سے امراض؟ یہودیت کی تاریخ کیا ہے اور کن کن اچھی یا بری شخصیات کا یہودی معاشرے پر اثر پڑا؟ یہودیوں کی اصلاح کا راستہ کون سا ہے اور ان کی مکمل تباہی کے اسباب کیا ہیں؟ تو آپ قرآن مجید کا اول تا آخر مطالعہ کیجئے۔ یہودیوں کو جاننے اور پہچاننے اور یہودیت کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید سے زیادہ بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں ہے قرآن مجید یہودیت کا نبض شناس ہے اور قرآن مجید نے یہودیت کو، ناکامی اور گمراہی کی مثال، کے طور پر بار بار پیش کیا ہے تاکہ پوری انسانیت گمراہی اور تباہی کے ان اسباب سے محفوظ رہے جو اسباب تمام تر قوت کے ساتھ یہود میں جمع ہو چکے تھے۔ قرآن مجید میں اس موضوع کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی دعوت پر مکمل لبیک کہنے والے افراد بالآخر خود ہی زمین پر چلتے پھرتے شیطان بن جاتے ہیں اور اس المیے کی سب سے جامع مثال یہودی ہیں جو زمین پر شیطان کا خوفناک روپ یعنی طاغوت بن کر ابھرے اور غضب الٰہی کا شکار ہوگئے۔ شیطان کی دعوت آج بھی جاری ہے وہ کامیاب تجربے جو اس نے یہودیوں پر کئے آج وہی تجربات وہ مسلمانوں پر کر رہا ہے وہ کھائیاں جن میں اس نے یہودیوں کو گرایا آج بھی کھلی ہیں اور شیطان اپنے انسان نما حواریوں کے ساتھ مل کر

مسلمانوں کو ان میں دھکیل رہا ہے اس میں شک نہیں کہ یہود ایک مخصوص قوم کا نام ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہودیت کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ ان باطل نظریات اور اعمال کا نام ہے جو شیطان نے ایجاد کیے ہیں اور وہ ان باطل نظریات اور اعمال میں الجھا کر مختلف قوموں کو یہودیت کے اس خطرناک راستے پر لے جاتا ہے جن راستوں پر ذلت اور مسکنت اور اللہ کے غضب کے پتھروں کی بارش ہو رہی ہے آج اگر مسلمان قوم ذلت، مسکنت اور اللہ کے غضب کے ان پتھروں سے بچنا چاہتی ہے تو اسے اپنے نظریات اور اعمال میں سے یہودیت کو باہر نکالنا ہو گا قرآن مجید میں یہودیت کا تذکرہ جابجا بکھرا پڑا ہے۔

چاہئے تو یہ ہے کہ مسلمان اول تا آخر بار بار قرآن مجید کو خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھیں اور سمجھنے کے لئے قرآن مجید کے ماہرین علماء کرام کا تعاون لیں کیونکہ قرآن مجید کی ہر آیت کا دوسری آیت کے ساتھ اور ہر سورت کا دوسری سورت کے ساتھ ربط ہے اس لئے چند مخصوص آیات کو الگ کر کے پڑھنے سے وہ علم حاصل نہیں ہوتا جو پورا قرآن مجید اول تا آخر پڑھنے سے نصیب ہوتا ہے مگر پھر بھی مسلمانوں کی سہولت کے لئے ہم نے پورے قرآن مجید پر نظر دوڑا کر ان آیات کی ایک فہرست تیار کی ہے جن میں یہودیوں کا یا یہودیت کا تذکرہ ہے۔ امید ہے کہ اس فہرست میں مذکورہ آیات کو پڑھ کر آپ کو یہودیت کے بارے میں وہ مفصل اور معتمد معلومات حاصل ہو جائیں گی جو دنیا کی کسی بھی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتیں۔ ہم نے اس فہرست میں صرف انہیں آیات کو لیا ہے جنکا تعلق براہ راست یہود کے ساتھ ہے اور ان عام قوانین والی آیات کو لیا ہے جنکا اولین ہدف یہود ہیں اسی طرح ان آیات کو لیا ہے جن میں یہود پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور پھر اس کے غضب کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح یہود پر انبیاء علیہم السلام کی شفقتوں، یہود کی گستاخیوں اور ان کے امراض وغیرہ پر مشتمل آیات بھی مذکور ہیں۔ البتہ وہ آیات اس فہرست میں مذکور نہیں ہیں جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء بنی سرائیل مثلاً حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمان علیہم السلام وغیرہم

کے وہ حالات ہیں جنکا تعلق یہودیوں کے ساتھ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ فہرست انشاء اللہ یہودیوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کی ایک جامع فہرست ہے اس فہرست سے استفادہ کیجئے۔ مگر اس موضوع پر مطالعے کا حقیقی لطف تبھی آئے گا جب آپ مستند تفاسیر کی روشنی میں پورے قرآن مجید کا مطالعہ کریں گے۔ وباللہ التوفیق

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

۱۹/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ بمطابق ۲/اگست ۱۹۹۹ء بروز دوشنبہ

فہرست آیات

الفاتحہ	۷						مجموعہ ۱
البقرہ	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	
	۴۶	۴۷	۴۸	۴۹	۵۰	۵۱	
	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶	۵۷	
	۵۸	۵۹	۶۰	۶۱	۶۲	۶۳	
	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	
	۷۰	۷۱	۷۲	۷۳	۷۴	۷۵	
	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	۸۱	
	۸۲	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	
	۸۸	۸۹	۹۰	۹۱	۹۲	۹۳	

	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸	۹۹	
	۱۰۰	۱۰۱	۱۰۲	۱۰۳	۱۰۴	۱۰۵	
	۱۰۶	۱۰۷	۱۰۸	۱۰۹	۱۱۱	۱۱۲	
	۱۱۳	۱۱۶	۱۱۷	۱۲۰	۱۲۱	۱۲۲	
	۱۲۳	۱۲۴	۱۳۲	۱۳۳	۱۳۴	۱۳۵	
	۱۳۶	۱۳۷	۱۳۹	۱۴۰	۱۴۱	۱۴۲	
	۱۴۴	۱۴۵	۱۴۶	۱۵۰	۱۵۹	۱۶۰	
	۱۷۴	۱۷۵	۱۷۶	۱۷۷	۲۱۱	۲۴۳	
	۲۴۶	۲۴۷	۲۴۸	۲۴۹	۲۵۰	۲۵۱	
	۲۵۳						مجموعہ ۱۰۹

(ایک تفسیری قول کے مطابق سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۱۴ اور ۱۱۵ کا تعلق بھی یہود سے ہو سکتا ہے)

ال عمران	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	
	۲۵	۲۸	۵۲	۵۴	۵۵	۵۶	
	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	
	۷۰	۷۱	۷۲	۷۳	۷۴	۷۵	
	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	۹۳	
	۹۴	۹۵	۹۶	۹۸	۹۹	۱۰۰	
	۱۰۱	۱۰۵	۱۱۰	۱۱۱	۱۱۲	۱۱۳	
	۱۱۴	۱۱۵	۱۱۸	۱۱۹	۱۲۰	۱۸۱	

	۱۸۲	۱۸۳	۱۸۴	۱۸۶	۱۸۷	۱۸۸	
	۱۸۹						مجموعہ ۵۵
النساء	۳۷	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۹	
	۵۰	۵۱	۵۲	۵۳	۵۳	۵۵	
	۶۰	۱۲۳	۱۳۱	۱۳۷	۱۴۴	۱۵۰	
	۱۵۱	۱۵۳	۱۵۴	۱۵۵	۱۵۶	۱۵۷	
	۱۵۸	۱۵۹	۱۶۰	۱۶۱	۱۶۲		مجموعہ ۲۹
المائدہ	۵	۱۲	۱۳	۱۵	۱۶	۱۸	
	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	
	۲۵	۲۶	۳۲	۴۱	۴۲	۴۳	
	۴۴	۴۵	۴۸	۴۹	۵۰	۵۱	
	۵۲	۵۳	۵۷	۵۸	۵۹	۶۰	
	۶۱	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶	
	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۷۷	۷۸	
	۷۹	۸۰	۸۱	۸۲	۱۱۰		مجموعہ ۴۷

(سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۶ اور ۴۷ کا تعلق بھی یہود سے بنتا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں)

الانعام	۲۰	۱۱۴	۱۴۶				مجموعہ ۳
الاعراف	۱۰۵	۱۲۷	۱۲۸	۱۲۹	۱۳۴	۱۳۷	

	۱۳۸	۱۳۹	۱۴۰	۱۴۱	۱۴۲	۱۴۵	
	۱۴۶	۱۴۷	۱۴۸	۱۴۹	۱۵۰	۱۵۲	
	۱۵۳	۱۵۴	۱۵۵	۱۵۶	۱۵۷	۱۵۹	
	۱۶۰	۱۶۱	۱۶۲	۱۶۳	۱۶۴	۱۶۵	
	۱۶۶	۱۶۷	۱۶۸	۱۶۹	۱۷۰	۱۷۱	
	۱۷۵	۱۷۶					مجموعہ ۳۸
التوبہ	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	
	۳۵						مجموعہ ۷
یونس	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	
	۸۹	۹۰	۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	مجموعہ ۱۲
ھود	۱۱۰						مجموعہ ۱
الرعد	۳۶	۳۷					مجموعہ ۲
ابراھیم	۵	۶	۷	۸	۹		مجموعہ ۵
النحل	۱۱۸						مجموعہ ۱
بنی اسرائیل	۲	۳	۴	۵	۶	۷	
	۸	۸۵	۱۰۱	۱۰۳	۱۰۴		مجموعہ ۱۱
مریم	(ابتدائی ۳۷ آیات کا کسی قدر تعلق بنی اسرائیل کے ساتھ بھی ہے اور اشارۃً						

ان کی بعض بیماریوں کا تذکرہ بھی ہے)

طٰہٰ	۴۷	۷۷	۷۸	۸۰	۸۱	۸۲	

	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	
	۸۹	۹۰	۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	
	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸			مجموعہ ۲۲
الحج	۱۷						مجموعہ ۱
الشعراء	۱۷	۲۲	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	
	۵۶	۵۷	۵۸	۵۹	۶۰	۶۱	
	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	
	۶۸	۱۹۷					مجموعہ ۲۰
النمل	۷۶						مجموعہ ۱
القصص	۴	۵	۶	۵۲	۵۳	۵۴	
	۵۵	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	
	۸۱	۸۲					مجموعہ ۱۴
العنکبوت	۳۹	۴۰	۴۶	۴۷			مجموعہ ۴
السجدہ	۲۳	۲۴	۲۵				مجموعہ ۳
الاحزاب	۲۶	۲۷	۶۰	۶۱	۶۲	۶۹	مجموعہ ۶
الصّٰفّٰت	۱۱۵	۱۱۶					مجموعہ ۲
المؤمن	۲۴	۲۵	۵۳	۵۴			مجموعہ ۴
حم السجدہ	۴۵						مجموعہ ۱
الدخان	۱۸	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	

	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	مجموعہ ۱۲
الجاثیہ	۱۶	۱۷					مجموعہ ۲
الحدید	۱۶	۲۸	۲۹				مجموعہ ۳
المجادلہ	۸	۱۴					مجموعہ ۲
الحشر	۲	۳	۴	۵	۶	۷	
	۱۱	۱۲	۱۴				مجموعہ ۹
الممتحنہ	۱۳						مجموعہ ۱
الصف	۵	۶	۷	۱۴			مجموعہ ۴
الجمعہ	۵	۶	۷	۸			مجموعہ ۴
المدثر	۳۱						مجموعہ ۱
البینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	
	۷	۸					مجموعہ ۸

............☆☆☆............

غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر شمار	نام غزوہ	دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مد مقابل	تعداد شہداء
۱	غزوۂ الواء	وَدّان	سنہ ۲ھ صفر	۶۰ مہاجرین	قافلہ قریش اور بنو حمزہ	
۲	غزوۂ بواط		سنہ ۲ھ ربیع الاول	۲۰۰ مہاجرین	قافلہ قریش ۱۰۰ سو آدمی اور ڈھائی ہزار اونٹ	
۳	غزوۂ عشیرہ	عشیرہ	سنہ ۲ھ اثنا جمادی الاولیٰ	۲۰۰ مہاجرین	قافلہ قریش	
۴	غزوۂ بدر اولیٰ	بدر صغریٰ غزوۂ سفوان	سنہ ۲ھ جمادی الثانیہ	۲۰۰	کرز بن جابر فہری	
۵	غزوۂ بدر کبریٰ	عظمیٰ، ثانیہ	سنہ ۲ھ رمضان	تین سو تیرہ	قافلہ قریش اور قبائل عرب	چودہ شہداء
۶	غزوۂ قرقرۃ الکدر		غزوۂ بدر کے بعد		قبائل سلیم اور غطفان	
۷	غزوۂ بنی قینقاع		سنہ ۲ھ ۱۵ شوال		بنی قینقاع	
۸	غزوۂ سویق		سنہ ۲ھ ۵ ذی الحجہ	۲۰۰	ابوسفیان	
۹	غزوۂ غطفان	غزوۂ انمار / غزوۂ ذی امر	سنہ ۳ھ محرم الحرام	۴۵۰	قبیلہ غطفان	
۱۰	غزوۂ بحران		سنہ ۳ھ ربیع ثانی	۳۰۰	قبیلہ بنی سلیم	ستر (۷۰)
۱۱	غزوۂ اُحد		شوال ۳ھ	،۰۰	مشرکین مکہ	
۱۲	غزوۂ حمراء الاسد		سنہ ۳ھ ۱۶ شوال		مشرکین مکہ	
۳	غزوۂ بنی نضیر		سنہ ۴ھ ربیع الاول		یہودی بنی نضیر	
۱۴	غزوۂ ذات الرقاع		صفر سنہ ۴ھ	۴۰۰	بنی محارب، بنی ثعلبہ	

نمبر شمار	نام غزوہ	دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مد مقابل	تعداد شہدا
۱۵	غزوہ بدر موعد		ربیع الاول ۴ھ	۱۵۰۰	مشرکین مکہ	
۱۶	غزوہ دومۃ الجندل		۵ھ اثنا جمادی الاولیٰ	۱۰۰۰	کفار دومۃ الجندل	
۱۷	غزوہ مریسیع	بنی مصطلق	۲ شعبان ۵ھ		قبیلہ بنی مصطلق	
۱۸	غزوہ خندق	احزاب	شوال ۵ھ		ابوسفیان مع دس ہزار (۱۰)	۶
۱۹	غزوہ بنی قریظہ		۵ھ ذی القعدہ		بنی قریظہ	ایک شہید
۲۰	غزوہ بنی لحیان		۶ھ ربیع الاول	۲۰۰	بنی لحیان	
۲۱	غزوہ ذی قرد		۶ھ ربیع الاول	۵۰۰ یا ۷۰۰	عیینہ بن فزاری کی کردگی	ایک شہید
۲۲	حدیبیہ		۶ھ یکم ذی القعدہ	۱۵۰۰	مشرکین مکہ	
۲۳	غزوہ خیبر		۷ھ محرم الحرام	۱۴۰۰ پیادہ اور ۲۰۰ سوار	قبائل یہود	۱۵
۲۴	غزوہ موتہ	جیش الأمراء	۸ھ جمادی الاولیٰ	۳۰۰۰	نصاریٰ شام قیصر	۱۲
۲۵	فتح مکہ	غزوہ فتح الاعظم	رمضان ۸ھ	۱۰،۰۰۰	مشرکین مکہ	۲
۲۶	غزوہ حنین	اوطاس، طائف	۶ شوال ۸ھ	۱۲،۰۰۰		ایک شہید
۲۷	غزوہ تبوک	جیش العسرۃ، فاضحہ	رجب ۹ھ	۳۰،۰۰۰	کفار روم	